مغلوں کا نظامِ مالگذاری

(1700ء سے 1750ء تک)

مصنف

نعمان احمد صدیقی

شعبۂ تاریخ ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مترجم

ڈاکٹر ایس بی ہودی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک-1، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

Mughloon Ka Nizam-e-Malguzari

By : Noman Ahmad Siddiqui

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت :

پہلا اڈیشن : 1977

دوسرا اڈیشن : 1999 تعداد 1100

قیمت : -/58

سلسلۂ مطبوعات : 833

ناشر : ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔I، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : میکاف پرنٹرس، ترکمان گیٹ، دہلی-110 006

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشو و نما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتّب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست

	تعارف	7
1	گاؤں اور کسانوں کی حیثیت	26
2	زمیندار اور زمینداری	42
3	مالگذاری کا مطالبہ اور تخمینے کے طریقے	68
4	نظامِ مالگذاری	92
5	مالگذاری کی تقسیم	145
6	ضمیمہ الف	168
7	ضمیمہ ب	198
8	ضمیمہ ج	201
9	ضمیمہ د	211
10	ضمیمہ ہ	213
11	کتابیات	222

تعارف

اٹھارویں صدی کے ابتدائی برسوں میں مغل سلطنت علاقائی وسعت کے اعتبار سے عروج کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مگر اورنگ زیب کی وفات کے بعد دس بیس سال کے اندر ہی سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا۔ ملک میں ابھرتی ہوئی صورتحال، دربار میں گروہ بندی اور چپقلش، انتظامی عملداری میں کمزوری وغیرہ عوامل تخریب و انتشار کی قوتوں کے فروغ کا باعث ہوئے۔ شہنشاہی قلمرو میں مرہٹوں کی یورش اور مداخلت آئے دن کا تماشا ہوگئی۔ جاٹ اور بعض اوقات راجپوت بھی شہنشاہی استبداد کے خلاف سرکشی کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ سلطنت کے با اقتدار امیروں کو اپنی اپنی فکر پڑگئی اور وہ نیم آزاد حکومتیں قائم کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ بڑے بڑے امرا کی دھڑے بازی اور ان کے جھگڑوں نے دربار کو فتنہ و سازش کا اکھاڑہ بنا دیا۔ نتیجہ یہ کہ شہنشاہ کا اقتدار ڈھیلا پڑگیا، فوجی قوت ضعیف ہوگئی اور سلطنت کا انتظامی استحکام جاتا رہا۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ جاگیرداری کے نظام میں جس کا مجموعی صورتحال سے گہرا تعلق تھا، شدت سے بحران بڑھتا جارہا تھا۔ اس طرح مغل سلطنت گویا انہدام کے راستے پر تھی۔ 1739ء میں ایرانیوں کی فتح نے مغل فوج کے وقار اور اعتماد کو ختم کردیا اور زوال کا عمل تیز تر ہوگیا۔

ان عوامل کو سمجھنے کے لیے، جو مغل سلطنت کے زوال کا سبب بنے، متذکرہ بالا حالات کا بغور مطالعہ ضروری ہے۔ اس دور کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ ایروین کی کتاب "بعد کے مغل" میں ہوچکا ہے جو بہت اچھا کام ہے۔ ستیش چندر کی تالیف: مغل دربار کی پالیٹکس 1707-1739، "ایک سود مند کاوش ہے جس میں امرا کی کارکردگی پر خصوصی توجہ کی گئی ہے۔ ایروین کی ایک اور کتاب: ہندوستانی مغلوں کی فوج" موضوع کے اعتبار سے قابل ملاحظہ ہے۔ یہ تمام آثار اپنی جگہ نہایت اہم ہیں۔ البتہ ان کے ذریعہ اس بحران کا کردار اور گہرائی پوری طرح واضح نہیں ہوتی جو زرعی اور انتظامی نظاموں میں آچکا تھا۔ یہ بحران سترھویں صدی کے اواخر یعنی تین چوتھائی گذرنے کے بعد شروع ہوا اور اٹھارویں صدی کے نصف اول میں بہت زیادہ بڑھ گیا۔ مورلینڈ نے اپنی کتاب "اسلامی ہند کا نظام آراضی" میں ایک باب خاص طور سے اٹھارویں صدی کی صورتحال پر لکھا

ہے، مگر اس کا مطالعہ مختصر ہے، دوسرے اس نے آراضی کے مسائل کو سلطنت کے دیگر معاملات سے مربوط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مزید یہ کہ اس کے مطالعہ میں زیادہ تر انگریزی ریکارڈ ہی رہے اور فارسی کے معاصر ماخذوں تک اس کی رسائی کم ہو سکی۔ حالانکہ واقعی معلومات کا ذخیرہ ان آخرالذکر ماخذوں میں ہے، جن کے ذریعہ مالگذاری کے پورے نظام کی تصویر صاف طریقے سے سمجھ میں آتی ہے۔ موجودہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے۔

اس کتاب کا مدعا یہ ہے کہ مغل حکومت میں مالگذاری کا ضابطہ کار جو اٹھارویں صدی کے نصف اول میں نافذ تھا اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی جائے۔ خصوصاً جاگیرداری نظام اور اسکے عملدرآمد پر توجہ دی گئی ہے، اور یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کے نتائج کسانوں پر کیا ہوئے۔ اور مالگذاری کے مجموعی انتظام پر کیا اثر پڑا۔ دیہاتی زمینداروں کا ادارہ تحقیق کے نقطہ نظر سے ایک دلچسپ موضوع ہے اس موضوع پر بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح اجارہ داری کی رسم اور اس کے عملی پہلوؤں پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مدد معاش کے ادارے پر بھی یہاں روشنی ڈالی گئی ہے، جس کی بدولت یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ دیہاتی ہندوستان کی اجتماعی، دینی اور اقتصادی زندگی کتنے بڑے پیمانے پر اس ادارے سے متاثر ہوئی تھی۔ یہ مطالعہ صورتحال کے ان مجموعی پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے جو پورے مالگذاری کے نظم و ضبط میں بنیادی یکسانیت کے لیے ذمہ دار تھے۔ البتہ علاقائی اختلافات اور عام اصولوں سے انحراف کی مثالوں کو یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اٹھارویں صدی میں مالگذاری کا نظم و ضبط ایسے اطوار اختیار کر چکا تھا کہ اس کی وجہ سے مغل سلطنت کا اقتصادی استحکام بلکہ پورا انتظامی ڈھانچہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ایسی صورتیں پیدا ہوئیں کہ جاگیرداری نظام جو پہلے سے مروّج تھا اور عظیم مغلوں کے وقت سے چلا آ رہا تھا بیٹھ کر رہ گیا اور اس کے بدلے اجارہ داری کا طریقہ کار شروع ہو گیا۔

اورنگ زیب کے آخری عہد میں صاف نظر آتا تھا کہ جاگیرداری نظام بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے میں ناکام رہے گا۔ ہوا یہ کہ جاگیرداروں کی تعداد کافی بڑھ گئی، اسی تناسب سے جاگیریں کم ہو گئیں، جمع کے اندر غیر معمولی افراط دکھائی جانے لگی۔ مختلف طبقات میں منصب اور جاگیروں کے لیے سرگرمی سے مقابلہ شروع ہو گیا۔ جاگیرداری نظام میں کارفرما یہ رجحانات مضبوط ہوتے گئے اور عالمگیر کی وفات کے بعد شدت پکڑ گئے۔ جاگیروں کی خاطر منصبداروں کے تقاضے اور دباؤ کو نمٹانے کے لیے خالصہ کی زمینیں تفویض کی جانے لگیں۔ محمد شاہ کے عہد کے آغاز میں پتہ چلا کہ خالصہ زمینیں سب کی سب جاگیروں کی حیثیت سے تقسیم کی

جا چکی ہیں۔ یہ چارہ کار بھی ہو چکا اور صورت ہنوز وہی تھی۔ اس زمانے میں فوری ضرورت کے تحت نقد تنخواہ پر فوج کے بھرتی کرنے کا مطلب لازمی طور سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ یا تو جاگیرداروں پر مرکزی حکومت کا کنٹرول ختم ہو چکا تھا، یا غیر معمولی اضافہ شدہ جمع کی بنا پر ان کی مالی حالت اس قدر سقیم تھی کہ وہ اپنے پاس مقررہ تعداد میں سپاہی رکھنے سے عاجز تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیرداری کا نظام موثر اور مضبوط طریقے سے حکومت کی فوجی خدمت کے قابل نہیں رہا۔ نہ صرف یہ بلکہ بیت سے منصبدار اور سوار جو حکومت کے باقاعدہ تنخواہ دار تھے۔ آسودگی کے ساتھ گزر بسر کے معاملے میں بھی محتاج ہو گئے۔ ان اسباب نے اہلِ دربار کی گروہ بندی، اندرونی بغاوتوں اور شہنشاہی علاقوں کے اندر مرہٹوں کے حملوں کے لیے میدان ہموار کیا۔

جاگیرداری نظام کا بحران اپنے ساتھ مالگذاری کی اجارہ داری کی رسم لیکر آیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم جو جہانگیر کے عہد میں دوبارہ عام ہو گئی تھی، بہادر شاہ کی وفات کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی اور فرخ سیر کے زمانے تک آہستہ آہستہ بڑے پیمانے پر مروج ہو چکی تھی۔ اس کے وجود میں آنے کی وجہ ایک تو جمع کی رقم میں مصنوعی افراط تھی۔ دوسرے یہ کہ مالگذاری کا انتظام ہر سطح پر کمزور پڑ گیا تھا۔ بہر حال اجارہ داری کی رسم زمینداروں اور کسانوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ اس کے سبب منافع خوروں کا نیا طبقہ وجود میں آگیا جو گویا سٹہ بازی کی طرح مالگذاری کے اجارے پر روپیہ لگاتا تھا۔ یہ درمیانی حقوق رکھنے والے لوگوں کا ایک ایسا طبقہ تھا جس کو موروثی زمینداروں کے مقابلے میں جدا اور امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ دراصل یہ اجارہ دار یا تو مالدار اور با اثر زمیندار تھے جنہوں نے آہستہ آہستہ اپنی تعلقہ داری قائم کرنی شروع کر دی تھی یا دولتمند شہری مہاجن تھے جو 'غیر موجود' یعنی دور از موقعہ زمیندار کی حیثیت سے نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ کسانوں کے لیے اجارہ داری کے نتایج اور زیادہ خراب نکلے۔ مالگذاری کی کل رقم اجارہ داروں سے طے پاتی ہو یا زمینداروں سے، بہرصورت اس میں مقابلہ بازی چلتی تھی اضافہ شدہ رقم کا بوجھ کسانوں پر پڑتا تھا۔ کسانوں کی حالت اس قدر خراب ہوئی کہ وہ اپنے گاؤں چھوڑ کر بھاگنے لگے نتیجہ یہ کہ زراعت متاثر ہوئی اور پیداوار گر گئی۔

اس جاگیرداری نظام کے بحران کے ساتھ ہی زرعی بحران بھی نمودار ہوا۔ جس کی وجہ سے مملکت کا اقتصادی اور انتظامی استحکام بگڑ گیا۔ اس کیفیت نے سلطنت کی فوجی قوت کو بھی بہت کمزور کیا۔ چنانچہ اتنا دم بھی نہ رہا کہ داخلی بغاوتوں اور بیرونی حملوں کی روک تھام کی جاسکے۔

یہ مطالعہ امید ہے ان لوگوں کے لیے ایک سودمند تعارف ثابت ہوگا جو اٹھارویں صدی کے نصف آخر کے نظام مالگذاری کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ جب انگریزوں نے اٹھارویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے نصف اول میں مالگذاری کے نظم ونسق کی نئے سرے سے تنظیم کی تو ان کو محسوس ہوا کہ زمینداری اور اس سے

متعلق ضوابط اور رسوم کو ختم کرنا یا ان میں کسی قسم کی کاٹ چھانٹ بالکل غیر نفع بخش بلکہ غیر دانشمندانہ فعل ہوگا۔ انگریزوں کا یہ انتظامی فیصلہ ملک کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ میں نہایت اہم ثابت ہوا۔ بہر حال مذکورہ انتظامی فیصلے کے نتائج کی جستجو اور پورے مطلب تک رسائی مستقبل کے مورخ کا کام ہے۔ وہ اس داستان کو وہاں سے آگے بڑھائے گا جہاں مولف اسے چھوڑتا ہے۔

مطالعے کے مآخذ

موجودہ تالیف کی بنیاد بیشتر فارسی مآخذ پر ہے۔ مثلاً دستورالعمل، دستاویزیں، وقایع، اخبارات، تاریخیں، مالگذاری کے امور سے متعلق بیاضیں اور فرہنگیں جن میں اصطلاحوں کی شرح ملتی ہے۔ دستاویزوں میں جو شہادتیں ملتی ہیں ان کی تطبیق و تائید کے لیے معاصر تواریخ کی چھان بین کی گئی ہے۔ ان دستاویزوں سے حاصل شدہ شہادتوں کی مدد سے صوبہ، سرکار اور پرگنہ، یعنی ہر سطح پر نظام مالگذاری کی ہیئت سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

دستورالعمل اور دستاویزوں یا خطوط کے مجموعوں میں ایک نمایاں فرق ہے۔ دستورالعمل مغلوں کے انتظامی ضوابط کو تقریباً باقاعدہ طور سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں دستاویزیں داخل کر دی گئی ہیں یعنی ان کاغذات کی مثالیں بھی ہیں جو مختلف اہلکاروں اور حاکموں کے پاس رہتے تھے۔ خطوط اور دستاویزات کے مجموعوں میں اگرچہ انتظامی ضابطۂ کار کا باقاعدہ بیان نہیں ملتا، البتہ فرامین، پروانے، نشان، عرضداشتیں اور تقریر کے احکام جو وہاں نظر آتے ہیں ان سے مغلوں کی عملداری کے طریقوں پر بہت کافی روشنی پڑتی ہے خصوصاً مالگذاری کے محکمے سے متعلق اہلکاروں کے فرائض و اختیارات کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ دستورالعمل کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ان میں کل سلطنت کی جمع دامی کی رقومات ملتی ہیں۔ مزید یہ کہ منصبداروں اور سواروں کی تنخواہوں کا احوال بھی ملتا ہے۔

بہت سے اداروں اور ان کی اصلیت کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوا کہ بعض تاریخی مآخذ، مثلاً آئین اکبری اور اکبر نامہ، خصوصاً سولھویں اور سترھویں صدی کی تاریخیں غور سے پڑھی جائیں۔ ان ابتدائی مآخذ میں جو شہادت ہاتھ آئی اس کی جانچ اچھی طرح کی گئی ہے اور معاصر شہادتوں سے اس کی تطبیق کر لی گئی ہے۔ اسی طرح بعض ان فارسی مآخذات کا مطالعہ کیا گیا ہے جو اٹھارویں صدی کے نصف آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں لکھے گئے، اور جن میں مالگذاری کے متعلق اصطلاحات ملتی ہیں۔ مثلاً خواجہ یٰسین دہلوی کا رسالہ جو شرح اصطلاحات پر مشتمل ہے، مخزن اخبار، دیوان پسند، دستورالعمل مہدی علی خاں وغیرہ وغیرہ۔ ان سب رسالوں سے

استفادہ مزدری تھا۔ اس لیے کہ اس میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جو یا تو پہلے سے موجود شہادت کی تائید کرتی ہیں یا کچھ اضافہ کرتی ہیں، یا بعض مروجہ اصطلاحات کی تشریح کرتی ہیں۔ جن کا مطلب ابتدائی یا معاصر ماخذ میں واضح نہیں ہوتا۔ اٹھارویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے ربع اول کے بعض ریکارڈوں کی جانچ پڑتال بھی کی گئی ہے، اس لیے کہ وہ یا تو اصلی فارسی کاغذات کی بنیاد پر تیار کیے گئے تھے جن کا انگریزی حکام نے انتظام سنبھالتے وقت مطالعہ کیا تھا یا مذکورہ انگریزی حکام کے ذاتی تجربوں پر مبنی تھے۔ جو شہادت جس زمانے سے تعلق رکھتی ہے اس کی تاریخ کا حوالہ دے دیا گیا ہے تاکہ الجھن پیدا نہ ہو۔

اس تالیف کی ترتیب کے دوران جن ماٰخذ کا مطالعہ کیا گیا ان میں سلطنت کے بیشتر اہم صوبوں اور علاقوں کا حال آجاتا ہے۔ پتہ یہ چلا کہ 'خلاصۃ السیاق' میں زیادہ تر پنجاب کے انتظامی ضابطوں کا ذکر ہے مگر نگارنامۂ منشی میں پنجاب' دہلی' اور آگرہ شامل ہیں۔ دستور العمل بیکس کی تالیف سنبھل مراد آباد میں ہوئی' جس کا مطلب یہ کہ رسالۂ مذکور میں سنبھل مراد آباد اور نواح دہلی کا طریقۂ کار سامنے رکھا گیا ہے۔ الہ آباد کی دستاویزیں' دستور العمل مہدی علی خاں' اور مخزن اخبار' صوبۂ اودھ سے متعلق ہیں۔ فرہنگ کاروانی' رسالۂ زراعت اور خواجہ محمد یسین کا 'رسالۂ اصطلاحات' بنگال کے انتظامی طریقوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ واقعات صوبۂ اجمیر اور گوالیار نامہ سے اجمیر اور راجپوتانہ کے بارے میں قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مرآۃ احمدی' گجرات کے نظم ونسق کے بارے میں نہایت پُر از معلومات تالیف ہے۔ دکن کے سلسلے میں سودمند معلومات عہد شاہجہانی کی منتخب دستاویزوں میں اور منتخب وقایع دکن' میں ملتی ہیں' جن کو حیدر آباد کے دفتر دیوانی نے شایع کر دیا ہے۔

مجموعی طور سے کل ماٰخذ مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

(1) الہ آباد کی دستاویزیں

(2) خطوط اور دستاویزات کے مجموعے

(3) نظم ونسق کی بیاضیں

(4) اصطلاحات اور دستور العمل سے متعلق رسالے۔

(5) وقایع

(6) تاریخیں

(7) انگریزی ریکارڈ

(۱) الہ آباد کی دستاویزیں

الہ آباد میں واقع ریاست یوپی کے دفترِ آثار (STATE ARCHIVES) میں بہت سے فرامین[1] پروانہ جات[2]، بیعنامے، قانونی فیصلے وغیرہ محفوظ ہیں۔ میں نے تقریباً ایک ہزار دستاویزوں کی چھان بین کی ہے، جو اکبر سے لیکر محمد شاہ کے عہد تک کی ہیں۔ تقریباً سب کی سب دستاویزوں پر تاریخ موجود ہے اور کسی ذمہ دار افسر یا سربراہ محکمہ کے دستخط بھی ضرور ہیں۔ لہٰذا ان کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا مغلوں کے زمانے میں اودھ کے اندر جو اجتماعی اور اقتصادی حالات تھے اور جس ڈھنگ سے نظم و نسق چلتا تھا، ان امور کے متعلق یہ دستاویزیں نہایت اہم معلومات سے بھرپور ہیں۔ بہرحال جہاں تک ہمارا منشا ہے ہم کو فقط ان معلومات سے دلچسپی ہے جو ادارۂ زمینداری اور مدد معاش کے عطیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ عموماً فرامین اور پروانے عطیات کے بارے میں ہیں۔ ان میں مدد معاش کی زمینوں کی تصدیق یا تجدید کی گئی ہے۔ بیعنامے حقوق زمینداری کی منتقلی کے سلسلے میں ہیں۔ اور ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حقوق زمینداری منقولہ حیثیت رکھتے تھے۔

(۲) مجموعۂ خطوط و دستاویزات

مذکورہ مجموعے ذاتی خطوط پر مشتمل ہیں جو مختلف مراتب و مدارج کے افسرانِ محکمہ ایک دوسرے کو لکھتے تھے۔ اور عرضداشتیں[3] ہیں، جو شہزادہ یا شہنشاہ کی خدمت میں ارسال کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ دیگر دستاویزات بڑی تعداد میں شامل ہیں، مثلاً پروانہ جات، نشان[4]، فرامین اور متفرق عہدوں پر تقرری کے خطوط۔ ان کے ذریعہ عملدرآمد کے قواعد و ضوابط پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ افسران اور اہلکاروں کے امور منصبی کی وضاحت ہوتی ہے۔ اور مغلوں کا پورا انتظامی کاروبار سامنے آتا ہے۔ بعض مجموعوں میں مالگذاری کے نظم و نسق

---

(۱) فرمان: شاہی حکم جس پر شہنشاہ کی مہر ثبت ہوتی تھی۔

(۲) پروانہ: سربراہ محکمہ مثلاً دیوانِ اعلیٰ یا صدر الصدور کا حکمنامہ جس میں جاگیر یا آراضی مدد معاش کی توثیق کی جاتی تھی۔ بہ الفاظ دیگر وہ حکم جو ایک حاکم اپنے ماتحت کے نام جاری کرتا تھا۔

(۳) عرضداشت: گزارش یا رسمی آگاہی جو ایک ماتحت اپنے حاکم کی خدمت میں بھیجتا ہے۔

(۴) نشان: ہدایت، حکم، یا آگاہی جو شاہی خاندان کا کوئی فرد بہ استثنائے شہنشاہ کسی کو دیتا ہے۔

کی معلومات بہت کارآمد ہیں۔

(3) نظم و نسق کی بیاضیں

یہ بیاضیں کم و بیش باقاعدہ طور سے مغلوں کا پورا نظم و نسق بیان کرتی ہیں۔ ان میں ہر شعبۂ حکومت اور محکمے کا حال موجود ہے۔ اس قسم کی تالیفات اصطلاحی اعتبار سے دستور العمل، خلاصۃ السیاق، فرہنگ کاردانی، اور سیاقنامہ وغیرہ کے ناموں سے معروف ہیں۔ مذکورہ تالیفات میں بعض خصوصیت سے مرکزی انتظام سلطنت سے بحث کرتی ہیں۔ اور بعض میں مقامی عملداری کے بیانات کی تفصیل زیادہ ملتی ہے۔ عام طور سے یہ بیاضیں حکومت کے دستور العمل اور مختلف حاکموں کے فرائض و اختیارات منصبی کو سمجھانے کے لیے لکھی جاتی تھیں۔ ان کے اندر وہ کاغذات فہرست وار موجود ہیں جو مختلف اہلکاروں کی تحویل میں رہتے تھے۔ حاکم پرگنہ جو حسابات تیار کرتا تھا اس کی نقل دی ہوئی ہے۔ صوبوں کی رقومات جمع، ہر صوبے میں سرکاروں اور محالوں کی تعداد، اور مختلف اہم مقامات کے مابین فاصلے مذکور ہیں۔ بعض بیاضیں جو دستور العمل کے عنوان سے ملتی ہیں ان میں فقط اتنا درج ہے کہ صوبوں کی رقومات جمع، ان میں سے ہر ایک کے اندر سرکاروں اور محالوں کی تعداد، اور شہروں کا فاصلہ کس قدر ہے۔ ان بیاضوں میں جو رقومات جمع دی گئی ہیں ان کے ذریعہ اس پیچیدہ مسئلے کا مقابلہ اور حساب آسان ہو گیا ہے۔ جہاں تک مالگذاری کے نظم و نسق کا تعلق ہے بعض بیاضیں غیر معمولی طور پر اہم معلومات بہم کرتی ہیں۔ ان کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

(4) اصطلاحات سے متعلق رسالے

ایسے رسالوں میں جن کی تالیف کا مقصد دراصل مخصوص اصطلاحات کی شرح کرنا تھا۔ بعض قیمتی معلومات نظر کے سامنے آتی ہیں۔ اس ضمن میں 'مرآۃ الاصطلاح' اور 'رسالۂ زراعت' کا حوالہ ضروری ہے اور وہ رسالہ بھی قابل ذکر ہے جو شرح اصطلاحات مالگذاری کے طور پر خواجہ محمد یٰسین دہلوی نے تیار کیا تھا۔

(5) وقایع

یعنی خبریں جو صوبوں سے شہنشاہی دربار کو ارسال کی جاتی تھیں۔ یہ مآخذ مغلوں کے قواعد و ضوابط اور ان کے عملدرآمد کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے نہایت باوثوق اور قابل قدر وسیلہ ہیں۔ بدقسمتی سے، میں بے پایاں دفتر آثار کے وقایع و اخبارات کا مطالعہ نہیں کر سکا۔ البتہ میں نے وقایع دکن کو پڑھا ہے جو

منتخب طور پر دفتر دیوانی حیدر آباد کی طرف سے شایع ہو چکے ہیں۔ وقایع صوبۂ اجمیر اور رنتھمبور کی خطی نقل جو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں موجود تھی اس سے بھی استفادہ کیا ہے۔

(۵) تاریخیں

دستاویزات سے حاصل شدہ شواہد کی تطبیق و تائید ان شواہد سے کی گئی ہے جو تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ یہ تاریخیں کچھ تو شایع ہو چکی ہیں اور بعض خطی ہیں۔ ان میں اکبری عہد سے لگا کر اٹھارویں صدی کے نصف تک کا زمانہ شامل ہے۔ عام طور پر مورخین کوئی دلچسپی نظم و نسق کے معاملات سے نہیں دکھلاتے مگر ضمنی طور سے بیان واقعات کے دوران میں ان کے ہاں بعض حوالے مل جاتے ہیں جو بہت غنیمت ہیں۔ اور ان سے کافی حد تک نظم و نسق کی معلومات اور عملداری کے اوضاع کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ چند تاریخیں ایسی بھی ہیں جو خصوصیت سے مالگزاری کی بابت معلومات کی حامل ہیں۔ مثلاً اکبر نامہ، منتخب اللباب اور مرآۃ احمدی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ خافی خان کی تالیف 'منتخب اللباب' میں مرکزی انتظام کے سلسلے میں مفید معلومات بکثرت مل جاتی ہیں۔ خاص طور سے عہد اورنگ زیب کے اختتام کے وقت' نظام جاگیرداری کی جو صورتحال تھی اس کا ذکر اچھی طرح موجود ہے۔ غالباً اکبر نامہ کے بعد ایک اعتبار سے' مرآۃ احمدی' سب سے اہم کتاب ہے۔ اس لیے کہ اس میں مغلوں کے انتظام حکومت کا احوال نہایت مفصل دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے فرامین اور شاہی احکامات کے اقتباس شامل ہیں۔ جن سے مغل حکومت کے مختلف شعبوں پر روشنی پڑتی ہے۔ بالخصوص نظام منصبداری اور نظم و نسق مالگذاری کے معاملات صفائی کے ساتھ واضح ہوتے ہیں۔ چند معلومات اور بھی نظر کے سامنے آتی ہیں مثلاً حکام کے فرائض منصبی کی نوعیت' تخمینہ لگانے کے طریقے' زراعت پیشہ طبقے کے اپنی آراضی پر حقوق و اختیارات وغیرہ۔ کتاب مذکور کا ضمیمہ قابل ملاحظہ ہے جس میں جمع دامی کا مربوط بیان ہے اور سرکاروں و محالوں کی تعداد دی ہوئی ہے۔ اس کے ذریعہ آئین اکبری میں دی گئی رقومات جمع سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور یہ تقابلی مطالعہ نہایت نتیجہ خیز ہے۔ اسی طرح دوسری تاریخوں میں یہاں وہاں بہت سی معلومات اور حقائق جمع ہیں۔ ان کا نام لینا مناسب ہوگا۔ مثلاً تذکرۃ الملوک' شاہنامۂ منور الکلام' ریاض السلاطین' اور' سیر المتاخرین'۔ ان کتابوں میں مختلف اداروں کے نظم و ضبط کی بابت دلچسپ انکشافات نظر آتے ہیں۔ اور جاگیرداری' زمینداری ' اجارہ داری' وغیرہ کا احوال سمجھنے میں نہایت مدد ملتی ہے۔ ملاحظۂ معلومات کو یکجا کر کے سامنے رکھیے تو روشن ہوتا ہے کہ سلطنت میں بدانتظامی کا عمل کس طرح بڑھ رہا تھا۔ تمام تاریخوں کا تفصیلی جائزہ ممکن نہیں ہے۔ بہرحال کتابیات کے عنوان کے تحت مولفوں سمیت تمام تالیفات

کے نام اور ان کی تاریخ تالیف دینے کا التزام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(7) انگریزی ریکارڈ

ان کا مطالعہ بعض اداروں کی کیفیت اچھی طرح سمجھنے کی خاطر نہایت ضروری تھا۔ خاص طور پر انتخاب مالگذاری ریکارڈ صوبجات مغربی 1821 - 1818" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ آر۔ بی رامس باتھم کی "تاریخ مالگذاری بنگال 1787 - 1769" میں دی ہوئی دستاویزیں بھی مطالعے میں رہی ہیں۔ ان ریکارڈوں کے انتخابات میں زمیندار، مقدم، کاشتکار اور گاؤں کے خدمتگار پیشہ لوگوں کے بارے میں نہایت اہم معلومات محفوظ ہیں۔ بعض اوقات ان معلومات کی بدولت فارسی مآخذ میں دی ہوئی معاصر شہادتوں کی تائید ہوتی ہے۔ رامس باتھم کی مذکورہ کتاب میں قانونگو کے عہدے سے متعلق جو بحث ہے اس سے نہایت خوبی کے ساتھ یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ مغلوں کے زمانے میں قانونگو کا عہدہ کس طرح وجود میں آیا اور بتدریج اس کی شکل اور نوعیت میں کون کون سی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

خلاصہ اور نتیجہ

اورنگزیب کی وفات اور نادر شاہ کے حملے کے درمیان جو تین دہائیاں گذریں ان میں مغل سلطنت کا سیاسی انحطاط اور انتظامی خلفشار بھرپور طریقے سے نظر آتا ہے۔ 1707ء میں سلطنت آخری نقطۂ عروج تک پہنچ گئی تھی اور اورنگزیب کے ہاتھوں مرہٹوں کی شکست کے بعد وہ بظاہر داخلی بغاوت اور بیرونی حملے کے خطرات سے محفوظ معلوم ہوتی تھی۔ بہرحال اورنگزیب کی وفات کے چند برسوں کے اندر اس کے جانشین کو سکھوں، جاٹوں اور راجپوتوں کی بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مرہٹوں نے غیر متوقع سرعت کے ساتھ اپنی طاقت بحال کرلی اور مغل سلطنت کے لیے شدید خطرہ بن کر سامنے آگئے۔ اس تیس برس کے دور کی ایک اور نمایاں خصوصیت دربار کی زبردست دھڑے بازی ہے جس کے باعث سلطنت کی فوجی قوت اور انتظامی استحکام میں خلل پڑنے کا قطعی امکان تھا۔ 1739ء میں نادر شاہ پنجاب میں وارد ہوا، اور ایرانیوں نے مغل افواج پر نہایت آسانی سے غلبہ حاصل کرلیا۔ ایرانیوں کی فتح نے مغل اقتدار کی داخلی کمزوری کو بے نقاب کردیا۔ غیر مرکزی قوتیں برسرپیکار آگئیں، اور سلطنت کے زوال کی رفتار مزید بڑھ گئی۔

سلطنت کے انتظامی اداروں کی بدعنوانی اس کی توانائی کو سترھویں صدی کے نصف آخر سے کھا رہی تھی۔ جب اٹھارھویں صدی کا نصف اول شروع ہوا تو زراعتی اور انتظامی بحران مختلف شکلوں میں منعکس ہونے لگا۔ مثلاً مقامی بغاوتیں، مذہبی تنازعات، دربار کی دھڑے بازی، حکمران طبقے کا انحطاط، اور اسی قسم کی باتیں عام نظر آنے لگیں۔ یہ بحران زیادہ شدید اور زیادہ پیچیدہ ہوتا گیا یہاں تک کہ مغل سلطنت کی بربادی پر جاکر ختم ہوا۔ انتظام مالگذاری کے مطالعہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مغل سلطنت اٹھارویں صدی کے نصف اول میں جس انتظامی بحران سے دوچار تھی اس کی نوعیت کیا تھی اور اس سے اس تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے جو انتظامی و زراعتی بحران اور سیاسی خلفشار کے درمیان تھا۔

سترھویں صدی کے اختتام تک جاگیرداری نظام بدلی ہوئی سیاسی اور زراعتی صورتحال کا ساتھ دینے میں ناکام ہوچکا تھا۔ جاگیروں کی تفویض کے طریق کار میں جو ضرر یکی تضاد تھے وہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ

ایک طرف منصبداروں کے عہدے اور ان کی تعداد بڑھتی گئی اور دوسری طرف اسی تناسب سے قابل تنویض جاگیریں کم ہوتی رہیں۔ ان حالات کا براہ راست نتیجہ یہ تھا کہ جمع میں مصنوعی اضافہ دکھایا جانے لگا اور سلطنت کے پرانے خدمت گاروں کی اولاد اور نو واردوں کے درمیان منصب اور عہدوں کے لیے زبردست مقابلہ ہونے لگا۔ جاگیرداری نظام کے یہ رجحانات برابر بڑھتے رہے اور اورنگزیب کی وفات کے بعد چند برسوں کے اندر ان کی رفتار میں تیزی آگئی۔ اورنگزیب کے بعد کے عہد کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ بیشتر خالصہ آراضیات کو جاگیروں میں منتقل کر دیا گیا مگر اس سے بھی کچھ حالت نہ سنبھلی۔ وقتاً فوقتاً ضرورت کے ماتحت نقدی پر جو فوج بھرتی کی جاتی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو مرکزی حکومت جاگیروں پر قابو رکھنے سے عاجز تھی اور ان پر احکامات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا یا پھر ان کی مالی حالت اس قدر خراب اور خستہ تھی اور مصنوعی جمع کی بنیاد پر جو جاگیریں ان کو تنویض کی جاتی تھیں ان کی آمدنی اتنی قلیل تھی کہ وہ لوگ اپنی جاگیر اور منصب کے مطابق فوج اور آدمی بالکل رکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ دوسری طرف اس قسم کی علامات نظر آتی ہیں کہ بعض منصبدار جو نہایت اثر اور مرتبے کے مالک تھے اور بڑی بڑی جاگیریں ان کے پاس تھیں اپنے پاس سواروں کی متعینہ تعداد رکھنے کی کبھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ضرورت کے وقت فوجی خدمت پر تعینات ہونا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان حالات کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ جاگیرداری نظام اطمینان بخش اور اعلیٰ طریقے سے مملکت کی فوجی خدمت انجام دینے سے قاصر رہا۔

جاگیرداری نظام کے بحران نے انتظامی عملے کی کارکردگی کو ہر سطح پر متاثر کیا، اس لیے کہ تھانہ دار، فوجدار، اور صوبہ دار سب کے سب حاکم مالی دقتوں میں مبتلا تھے اور جو آمدنی ان کو جاگیروں سے ہوتی تھی وہ لازمی ضروریات کی کفایت نہیں کر سکتی تھی۔ جاگیردار اس قدر آشفتہ اور دل برداشتہ تھے کہ اس کیفیت میں ان کے لیے فوجی اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالنا قطعی ناممکن تھا اور نہ ان کے پاس سواروں کی واجب تعداد اپنے پاس رکھنے کے وسائل تھے۔ ان کے ماتحت انتظامی عملہ بھی ناکافی اور ناقص تھا۔

دوسری بات یہ کہ جاگیرداری نظام کے بحران کی وجہ سے کاشتکاروں کا استحصال شروع ہوگیا۔ رقومات جمع میں مصنوعی اضافے کے پیش نظر جاگیردار مجبور تھے کہ اپنی جاگیروں پر جمع کا تخمینہ بڑھا دیں مگر اتنی رقم جاگیردار ادا نہیں کر پاتے تھے۔ زمیندار یہ کرتے تھے کہ یا تو مالگذاری کی وصولیابی کا ذمہ لینے سے انکار کر دیتے تھے یا پھر اس بوجھ کو کاشتکاروں پر منتقل کر دیتے تھے۔ زمینداروں کے انکار کی صورت میں لازمی صورت حال یہ تھی کہ مالگذاری کی وصولیابی کے لیے اجارہ داروں کا طبقہ درمیان میں آجاتا تھا۔ اس سے کاشتکاروں کی مصیبتیں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا اور ان کی بڑی لوٹ کھسوٹ ہوتی تھی۔

جاگیرداری نظام کے زوال کا پتہ اس تضاد سے چلتا ہے جو اس میں ابتدا سے موجود تھا۔ یہ نظام دراصل جاگیروں کی صورت میں متعینہ نقد تنخواہوں کی ادائیگی کا ایک طریقِ کار تھا۔ اس عمل کے اجراء سے یہ ضروری ہوا کہ پوری سلطنت کی آمدنی کا اندازہ لگایا جائے جس کو اصطلاح میں جمع کہتے تھے۔ مغل دور میں زراعت کے جو حالات تھے ان کو دیکھتے ہوئے جمع اور حاصل حاصل کی آمدنی کا فاصلہ ایک شکل مسئلہ بنا رہا۔ اس معاملے کی نوعیت بہت پہلے اکبر کے پندرھویں سال جلوس میں ہی واضح ہو چکی تھی۔ معلوم یہ ہوا کہ 'جمع رقمی قلمی' مصنوعی ہے اور بہت زیادہ ہے اور حال حاصل یعنی وہ رقم جو واقعی جمع کے طور پر حاصل ہوتی تھی، کم ہے اور دونوں رقومات کے درمیان بڑا فاصلہ ہے۔ مگر مصنوعی طور سے اضافہ شدہ جمع کی تیاری پر ایک انتظامی ضرورت کے تحت عمل ہوتا رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اکبر کو بہت سارے منصبداروں کی تنخواہیں جاگیر کی شکل میں ادا کرنی پڑتی تھیں حالانکہ جو جاگیریں واقعی میں دستیاب تھیں وہ تھوڑی ہی تھیں۔ لہٰذا مسئلہ دراصل یہ تھا کہ مصنوعی جمع کے رجحان پر قابو رکھا جائے تاکہ کام چلتا رہے۔ یعنی ایک طرف تخمینے کے مطابق جاگیروں کی آمدنی تھی دوسری طرف شاہی ملازمت میں تعینات منصبدار اور ان کے تابعین کی تعداد تھی، کوشش یہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان عدم توازن ایک حد سے زیادہ نہ بڑھے۔

اکبر کے عہد میں جمع اور حال حاصل کے تفاوت کو کم کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور جو متعدد تخمینے جمع کے تیار کیے گئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کوشش میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی۔ بہرحال جہانگیر کے عہد میں رقومات بہت زیادہ مصنوعی تھیں۔ شاہ جہاں کے ماتحت جاگیرداری نظام کی صورت حال سنگین ہونے لگی اور اس کو جاگیرداری اور منصبداری نظام میں بعض بنیادی اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔ اس نے جو ضابطہ مقرر کیا اس کو ماہانہ اندازہ یا ماہانہ تناسب کہا جاسکتا ہے، یعنی منصبداروں کی جاگیروں پر مالگذاری کا جو تخمینہ آیا اسی حساب سے ان کی ذمہ داریاں اور دیگر حقوق و فرائض متعین کر دیے گئے۔ اس اصلاح کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ منصبداروں کی تنخواہوں میں کمی آگئی اور اسی تناسب سے جو سوار ان کو رکھنے پڑتے تھے ان کی تعداد گھٹ گئی۔ دراصل مصنوعی جمع کی قباحت دور کرنے کی کوشش بالواسطہ اور پیچیدہ نوعیت کی تھی۔ بات یہ ہے کہ اونچے منصبوں اور بڑھی ہوئی جمع کا جھوٹا طلسم برقرار رکھا گیا اور یہ کوشش ہی نہیں کی گئی کہ تفویض شدہ اراضیات کی درست آمدنی کا تعین کر لیا جائے۔ حال حاصل کی جو رقومات پیش کی جاتی تھیں ان کے سلسلے میں وزارتِ مال اور جاگیرداروں کے درمیان ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا۔ اورنگزیب خصوصاً اپنے عہد کے نصف آخر میں جبکہ وہ مرہٹوں کی سرکوبی میں اپنی ساری توجہ اور توانائی لگائے تھا، انتظامی امور کی تفصیلات پر غور کرنے سے معذور رہا۔ بہادر شاہ کے عہد میں اصلاحات کی کوشش بے دلی کے ساتھ کی گئی۔ ان میں خود شہنشاہ کی

مداخلت اور اس کے درباری متوسلین کی ریشہ دوانیوں نے رخنہ ڈالا۔ یہی حشر بعد میں نظام الملک کی طرف سے کی گئی کوششوں کا ہوا۔ نتیجہ یہ کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں مصنوعی اور بڑھی ہوئی جمع کا رجحان برابر چلتا رہا۔

جاگیروں کے مسلسل تبادلے کا مستقل دستور بھی پورے جاگیرداری نظام کے عدم استحکام کا ذمہ دار تھا۔ اس کے باعث نہ صرف زمینداروں اور کاشتکاروں پر زیادتی ہوتی تھی اور زراعت تباہ ہوتی تھی بلکہ بالواسطہ طریقے سے منصبداروں کی تعداد میں اضافہ بھی ہوتا تھا۔ عام طور سے ایک جاگیر واپس لیے جانے اور اس کے عوض دوسری جاگیر تفویض ہونے کے درمیان ایک لمبا عرصہ ضرور لگ جاتا تھا۔ اس عرصہ میں واپس لی ہوئی جاگیر کا انتظام وہ افسران کرتے تھے جو 'محال پائے باقی' کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اکثر ہوتا تھا کہ ایک وقت میں بہت سے منصبدار جو شاہی ملازمین شمار ہوتے ہیں جاگیروں سے محروم بیٹھے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ ان کے جملہ مطالبات کی بعد میں ادائیگی ہو جاتی تھی اور بقایاجات بھی وضع کر دی جاتی تھیں مگر حسابات کی جانچ پڑتال اور دفتری کارروائی میں جو غیر معمولی تاخیر ہوتی تھی اس کے باعث بہت دنوں تک سرکار کے ذمے منصب داروں کی تنخواہیں رکی رہتی تھیں۔ لہٰذا جاگیروں کے انتقال کے عمل سے حکومت کو یہ موقع مل جاتا تھا کہ ایک خاص وقت میں منصبداروں کی ایک مخصوص تعداد کو ملازم رکھ لیا جائے درحالیکہ ان کی ادائیگی کے لیے رقم کہیں موجود نہیں ہے۔ معاملے کا جواز یہ تھا کہ جاگیروں کے نقل و انتقال میں کہیں نہ کہیں ہر ایک کا حساب درست بٹھا دیا جائے گا۔ ایسی کارروائی سے یقیناً خزانے پر بوجھ پڑتا تھا، منصبداروں کے دل میں عدم تحفظ کا اندیشہ بھی پیدا ہوتا تھا اور شاہی فوج کی کارکردگی چوپٹ ہو جاتی تھی۔

یہ سوال بجا طور سے پوچھا جا سکتا ہے کہ منصبداروں اور سپاہیوں کو ایک متعینہ تعداد میں بھرتی کرنے کا دھیان کیوں نہ رکھا گیا تاکہ ان کی تنخواہ حسبِ قاعدہ جتنی جاگیریں موجود تھیں ان کی آمدنی سے ادا کی جاتی اور منصبداروں کی تعداد میں مسلسل اضافے کے رجحان پر پابندی کیوں نہیں لگائی گئی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایران اور توران سے مسلسل ہجرت کر کے آنے والوں کا سلسلہ جاری تھا، قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کی ایک مخصوص صورتِ حال تھی اور منصبداری نظام کے اندر جاگیردارانہ[1] رنگ اور رجحان غالب تھا۔ ایسے حالات میں

---

[1] 'جاگیردارانہ' سے مراد منصبداری نظام کی بعض خصوصیات ہیں۔ مثلاً (الف) چونکہ ان کو تنخواہ جاگیروں کی شکل میں ملتی تھی لہٰذا آراضی سے ان کے مفادات وابستہ رہتے تھے اور وہ اصولاً آراضی کی زائد پیداوار پر گذر بسر کرتے تھے۔ (ب) عملی طور سے اس نظام میں امرا اور صاحبانِ املاک کے موروثی حقوق تسلیم کیے جاتے تھے اور اس طبقے کی مراعات کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔

منصبداروں اور ان کے ماتحت سواروں کی تعداد پر پابندی لگانا ممکن نہیں تھا۔ دوسرا سبب جس کی بنا پر منصبداروں کی تعداد برابر بڑھتی رہی۔ خود منصبداری نظام کا نیم جاگیردارانہ کردار تھا۔ ظاہری اعتبار سے منصبداری نظام ایک افسر شاہی معلوم ہوتا ہے جو طبقۂ امراء کے اختیارات اور ان کی دعویداری کو دبانے کی غرض سے وجود میں لایا گیا تھا۔ اگر بھرتی کرنے کے جو قواعد و ضوابط وضع کیے گئے تھے، ان کے فرائض و امور کی جس طرح وضاحت کی گئی تھی، مرنے کے بعد جاگیروں کی ضبطی اور ان کے مسلسل نقل و انتقال کا جو دستور تھا، ان سب باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہے کہ طبقۂ امراء کے اختیارات اور دعویداری کی روک تھام ہوگئی تھی اور منصبداروں کو شاہی ملازمت میں فوجی عہدیداروں کی منظم جماعت کا مقام حاصل تھا۔ اصطلاح میں منصب کے ساتھ کسی قسم کے موروثی حقوق وابستہ نہیں تھے۔ مگر افسر شاہی کی ظاہری شکل کے نیچے جاگیردارانہ محرکات موجود تھے۔ اکثر و بیشتر ہوتا یہ تھا کہ موروثی حقوق تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور منصبداروں کی اولاد اور ان کی نسل کو منصب دیتے وقت ملحوظ نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ایسے شواہد موجود ہیں کہ منصبداروں کے فرزند جو 'خانہ زادان' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے منصبوں کی تقسیم کے وقت شہنشاہوں کی خصوصی توجہ کے مستحق تصور ہوتے تھے اور ایسے لوگ اپنی ملازمتوں کی ابتدا ذرا اونچے منصبوں سے شروع کرتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ وہ لوگ جو ملک کے صاحبِ اراضی طبقۂ امراء سے تعلق رکھتے تھے مثلاً راجپوت، افغان، اور دکنی مسلمان، ان سب کو منصب داری نظام کے اندر ایک مناسب اور حسب حیثیت جگہ دی گئی۔ حتیٰ کہ مرہٹوں کو بھی جگہ دینے کی کوشش کی گئی جو پوری طرح کامیاب نہیں ہوئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ منصبوں اور جاگیروں کا مطالبہ بڑھتا گیا اور جو دباؤ طبقۂ امراء کی طرف سے پڑا مملکت کی طرف سے اس کی مقاومت نہ ہو سکی۔ سترھویں صدی کی آخری چوتھائی مدت اور اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل کی انتظامی اور سیاسی تاریخ میں صاف طور سے یہ منظر نظر آتا ہے کہ منصبوں اور جاگیروں کے حصول کی خاطر شدید مقابلہ ہو رہا تھا یہی اس دور کی نمایاں خصوصیت ہے۔ مرہٹوں کا عروج جاٹوں کی سرکشی، بندیلکھنڈ اور راجپوتانہ میں مسلسل بغاوتیں، درباروں میں گروہ بندی، یہ سب باتیں جزوی طور پر سیاسی، مذہبی، اور شخصی محرکات کا نتیجہ کہی جا سکتی ہیں مگر ان سب کی تہ میں اراضی کی تسکین نا پذیر خواہش کام کر رہی تھی۔ اس لیے کہ صاحبِ جاگیر طبقے کو ایسا اقتصادی استحکام حاصل ہو چکا تھا جو دوسری کسی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ بالآخر مملکت کو برسر اقتدار طبقوں کے دباؤ کے آگے جھکنا پڑا اور خالصہ اراضیات بھی جاگیر کی حیثیت سے تفویض کر دی گئیں۔ ان حالات سے سلطنت کا سیاسی شیرازہ بکھر گیا اور آگے قدم پر نتیجہ یہ نکلا کہ صاحب جاگیر طبقہ بھی برباد ہو گیا۔ پھر بھی چند منصبدار جو غیر معمولی اقتدار کے مالک تھے انھوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور اپنے لیے آزاد علاقے جھپٹ لیے۔ راجپوت راجہ۔ جو پہلے جاگیرداروں کے مقام تک جھک گئے تھے مغل سلطنت

سے اپنی وفاداری کا رشتہ توڑ بیٹھے اور آزاد ہو گئے۔ اودھ، بنگال اور دکن میں با اقتدار امیروں نے آزاد علاقے تشکیل دیکر حکومت شروع کر دی۔

اجارے کا پرانا دستور جہانگیر کے عہد میں دوبارہ زندہ ہو گیا تھا اور سترھویں صدی کے دوران برابر جاری رہا۔ جاگیر آراضیات میں اس کا رواج عام تھا البتہ خالصہ آراضیات میں محدود تھا اور فقط خاص حالات میں اجازت دی جاتی تھی۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد یہ رسم جاگیر اور خالصہ دونوں میں بڑے پیمانے پر چلنے لگی۔ اس عمل نے انتظامِ مالگذاری کو ناگوار طریقے سے متاثر کیا اور اس کے استحکام میں مزید رخنہ ڈالا۔ جاگیر آراضیات میں یہ رسم مصنوعی جمع کا براہ راست نتیجہ تھی اس لیے کہ وہ وصول نہیں ہو پاتی تھی۔ جاگیردار یہی مناسب اور معقول سمجھتا تھا کہ خود کو وصولیابی کے طولانی اور غیر یقینی جھمیلے میں مبتلا کرنے کی بجائے ایک محدود اور یقینی رقم کا سودا اجارہ دار سے کر کے معاملہ اس کے سپرد کر دے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کاشتکار اور زمیندار تباہ ہو گئے۔ مالگذاری کی اجارہ داری کے باعث مہاجنوں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آ گیا جو اگرچہ پھول لیا تھا مگر اس کی حیثیت موروثی زمینداروں سے مختلف تھی۔ اس نئے طبقے کے عروج کے باعث مالگذاری کی وصولیابی کے سلسلے میں شدید مقابلے کے مصنوعی حالات پیدا ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ مقابلہ بازی نے حسب معمول جمع میں اضافہ کر دیا۔ ایسی صورت میں موروثی زمینداروں کی مصیبت آ گئی۔ وہ اجارہ داروں سے بڑھ کر بولی لگا کر مقابلہ جھیلیں یا میدان چھوڑ دیں، دونوں حالات میں ان کی تباہی میں شک نہیں تھا۔ جب یہ عمل بڑے پیمانے پر جاری ہو گیا تو لازمی اثرات یہ ہوئے کہ قدیم خاندانی زمینداروں کی ایک بڑی تعداد برباد ہو گئی اور ان کی جگہ یا تو پڑوس کے بڑے بڑے طاقتور زمینداروں نے لی جو اپنی تعلقداریاں قائم کر کے بیٹھ گئے تھے یا پھر شہر کے مہاجن لوگ آن گھسے اور غیر موجود زمینداروں کی حیثیت سے قدیم زمینداروں کی املاک پہ قابض ہو گئے۔

جاگیر آراضیات میں اجارہ داری کے دستور کا نہایت گہرا تعلق اس بحران سے تھا جو جاگیرداری نظام میں رونما ہوا۔ سیاسی اور انتظامی حالات ایسے تھے کہ وزارتِ مال جاگیرداروں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کر سکتی تھی۔ مگر خالصہ آراضیات میں اس عمل کا نفاذ مصلحت کے طور پر کیا گیا۔ بعد میں اس سے مہاجنوں نے اور ان لوگوں نے جو ذاتی مفاد کی خاطر مہاجنوں کی سرپرستی کرتے تھے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ جب اجارے کی رسم کو منسوخ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی سخت مخالفت دربار کے ان بارسوخ عناصر کی طرف سے ہوئی جنکے مفادات اس رسم سے وابستہ ہو چکے تھے۔ بعد کے مغل شہنشاہ چونکہ کمزور تھے اس لیے دباؤ کے آگے جھکنے پر

۲ھ برٹش ریکارڈوں کے مطالعے سے یہ نتیجہ صاف سامنے آتا ہے کہ اودھ کے بیشتر تعلقدار دراصل پہلے اجارہ دار تھے۔

مجبور ہوتے رہے اور اصلاح کی جتنی کوششیں کی گئیں سب ناکام رہیں۔

ایک اور جگہ اس پر خاصی بحث ہو چکی ہے کہ مغل سلطنت کی تمام محالوں میں مالگذاری ادا کرنے والے دیہاتی زمیندار موجود تھے۔ ان زمینداروں کی مملوکہ آراضیات خالصہ میں بھی تھیں اور جاگیر میں بھی تھیں۔ ان پر وزارت مال کے نافذ کیے ہوئے قواعد و ضوابط کے مطابق تفصیل کے ساتھ کارروائی عمل میں آتی تھی۔ یہ زمیندار مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کے سلسلے میں بچولیا کی حیثیت سے کام کرتے تھے، مگر یہ لوگ ان سے مختلف تھے جن کو مغل دور کی تاریخوں میں زمیندار کی اصطلاح سے یاد کیا گیا ہے اور جن کے ذمے یا تو ایک متعینہ رقم واجب الادا ہوتی تھی یا زمینداریاں ان کو تفویض تھیں۔ مالگذاری ادا کرنے والے زمینداروں کو اپنی جائیداد کے انتقال کا حق حاصل تھا موضع کی زرعی برادری میں پوری سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں کے دوران ان کو یہی حیثیت حاصل رہی۔ البتہ نسق کے دستور نے پرگنے میں چند زمینداروں کی حیثیت اور اقتدار کو معمول سے زیادہ بلند کر دیا۔ اس دستور کی رو سے وہ پرگنے میں یکجائی تخمینہ کرانے کے مجاز ہو گئے اور اس طرح اگر وہ چاہتے تو پرگنے کی جمع کو چھوٹے زمینداروں پر تناسب سے زیادہ منتقل کر سکتے تھے۔ اس میں یہ امکان تھا کہ وہ جب چاہیں اپنی خاطر چھوٹے زمینداروں کے مفاد کو نظر انداز بلکہ مجروح کر دیں۔ مگر جو فائدہ ان کو نسق سے حاصل ہوتا وہ اجارہ داری کا دستور عام ہو جانے کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ اور وہ نسق کے فائدے سے محروم ہی رہ گئے۔ اجارہ داری کی رسم نے دیہاتی زمینداروں کے مفادات پر نہایت ناگوار اثر ڈالا اور جو مقابلہ مالگذاری کے لیے اجارہ داروں اور زمینداروں کے درمیان شروع ہوا اس میں بہت سے قدیم موروثی زمیندار خاندان برباد ہو گئے، اس لیے کہ مقابلے کی صورت میں جمع معمول سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ زمینداری حقوق کے بیناموں کی ایک بہت بڑی تعداد الہ آباد (یوپی) کے دفترِ آثار میں محفوظ ہے۔ ان کو دیکھ کر اس نتیجے کی بالکل تائید ہو جاتی ہے کہ اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں اجارے کی رسم چھوٹے زمینداروں کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی البتہ بڑے اور طاقتور زمینداروں کی صورت بالکل دوسری تھی۔ مقامی افسران کے پاس سرکاری عملہ اور فوج وغیرہ کا انتظام اس قدر ناکافی اور ناقص تھا کہ اگر بڑا زمیندار حکم عدولی پر کمر باندھ لے اور مالگذاری کی ادائیگی سے انحراف کرے تو افسر متعلقہ کے بس کی بات بھی نہ تھی کہ واجب مالگذاری کی وصولیابی کر سکے۔ جو سیاسی اور انتظامی صورت حال کارفرما تھی اس کے پیش نظر مرکز سے کسی قسم کی امداد پہنچنے کی بالکل توقع نہ تھی اور مقامی افسر مجبور تھا کہ موقع محل دیکھ کر جو کارروائی وہ ذاتی اختیارات سے کر سکتا ہے اسی پر اکتفا کرے۔ ایسے حالات میں مناسب یہی تھا کہ مقامی افسر بڑے زمیندار کے ساتھ نرمی کے ساتھ

پیش آئے اور مصلحت اسی میں تھی کہ دھمکی کے بجائے ادب اور سلیقے سے کام نکالے۔ ایسے شخص کی زمینداری پر نہ تو کوئی پڑوسی زمیندار ہاتھ ڈال سکتا تھا نہ کوئی اجارہ دار اس کی طرف دیکھنے کی ہمت کرتا تھا بلکہ اس کے برخلاف اگر ممکن ہوا تو خود بڑا زمیندار ہی چھوٹے زمیندار کے مقبوضہ اجارہ داری کے مواضعات کو دبا بیٹھتا تھا یا کسی ترکیب سے ان مواضعات کو اصل قیمت سے بہت کم داموں پر خرید لیتا تھا۔

مدد معاش آراضیات کا ادارہ دیہاتی ہندوستان کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر نہایت اہم اثرات کا حامل ثابت ہوا۔ مسلمانوں اور خصوصاً شیوخ و سادات کو معافی آراضیات عطا کرنے کا خاص مقصد یہ تھا کہ مقامی اثر کے چھوٹے چھوٹے علاقے پیدا کیے جائیں جن پر ضرورت کے وقت بھروسہ کیا جا سکے اور جو مملکت کی مناصب خدمت انجام دیتے رہیں۔ معافی آراضیات کا عطیہ پانے والے مسلمان دور دراز مواضعات میں جاکر آباد ہو گئے اور اپنی قابلیت و ذہانت سے وہاں کی مقامی ہندو آبادی کا اعتماد حاصل کر لیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو صاحبانِ مدد معاش مقامی ہندو آبادی کو حکام کی زیادتی اور زبردستی سے بچائے رکھتے تھے دوسری طرف وہ حکومت کو اپنے علاقوں میں پیدا شدہ سیاسی اور انتظامی صورتحال سے متعلق درست اطلاعات بہم پہنچاتے تھے۔ اس طرح وہ دونوں طرف تعمیری خدمت انجام دیتے تھے۔ اقتصادی اعتبار سے اس ادارے کی بدولت ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا اور جو زمینداروں کی طرح آراضی کی "فاضل پیداوار" سے اپنی گذر بسر کرتا تھا۔ عام طور سے مدد معاش پانے والے ہر قسم کے محصول سے مستثنیٰ تھے مگر چونکہ عطیات چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اس لیے ان کی حالت و کیفیت بھی دیہاتی زمینداروں سے کچھ بہتر نہیں رہ پاتی تھی۔ اس بات کے سریحی اشارے موجود ہیں کہ اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل میں مدد معاش رکھنے والوں کو اپنی آراضی کے نقل و انتقال کا پورا حق تھا اور وہ اس کو بالکل ویسے ہی بیع یا ہبہ کر سکتے تھے جس طرح زمیندار مجاز تھے۔ مدد معاش آراضیات کے حقوق آہستہ آہستہ موروثی ہو گئے البتہ ان کی تجدید و توثیق کرائی جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں بعض مدد معاش کی آراضیات اپنی نوعیت کے اعتبار سے کم و بیش زمینداری کے مترادف قرار پا چکی تھیں اور ان پر مالگذاری کا تخمینہ لگایا جاتا تھا۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ مدد معاش کا ادارہ بالآخر زمینداری کے ادارے میں مدغم ہو گیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اٹھارھویں صدی میں سارے مسلمان زمیندار بغیر کسی امتیاز کے صاحبانِ مدد معاش یا ان کے فرزند و اخلاف واقع ہوتے تھے۔ یقیناً اکثر و بیشتر مسلمان وہ تھے جنہوں نے بیع کے ذریعہ زمینداری حقوق حاصل کیے تھے یا اجارہ داری کے حقوق کو زمینداری میں منتقل کر لیا تھا۔ البتہ قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل تک مدد معاش کی تمام آراضیات کو ہر اعتبار سے زمینداری آراضیات کے برابر سمجھا جاتا تھا اور ان کے نقل و انتقال کی وہی صورت

تھی جو زمینداری کی تھی یعنی زمیندار اور مدد معاش رکھنے والے میں کوئی امتیاز نہیں رہ گیا تھا۔

اجتماعی اعتبار سے اس ادارے کے باعث دیہاتی آبادی میں مذہبی رواداری کا احساس پیدا ہوا۔ مسلمان ملک کے اندرونی علاقوں میں جا کر آباد ہو گئے اور ہندو آبادی سے براہ راست ربط ضبط پیدا کیا۔ ان مسلمانوں نے اپنے مذہبی معتقدات اور رسومات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا اور ان کو جوں کا توں برقرار رکھا تاہم وہ مقامی رسومات سے تھوڑے بہت متاثر ضرور ہوئے مثلاً وہ مقامی جشن اور میلوں میں حصہ لینے لگے اس لیے نہیں کہ کسی جشن کی فکری بنیادیں ان کے لیے قابل قبول بن گئیں بلکہ محض اجتماعی تعاون اور ہم آہنگی کی خاطر، تاکہ وہ یہ ظاہر کر سکیں کہ ہندو ہمسایوں سے ان کی رفاقت دائمی ہے اور دیہاتی زندگی کے مشترک مسائل میں وہ ایک دوسرے کے رفیق و شریک ہیں۔ اسی طرح دیہات کے سیدھے سادے اور تربیت سے محروم ہندوؤں کو مسلمانوں کی تہذیب اور مذہبی ارکان و رسومات کے براہ راست مشاہدے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ ایک مسلمان اپنی روزمرہ زندگی میں کس طرح عبادت کرتا ہے اور اس کے دیگر معمولات کیا ہیں۔ آہستہ آہستہ ہندوؤں کو محسوس ہوا کہ مسلمان ایسے کثیف نہیں ہیں جیسا کہ قدیم تعصبات کے اثر سے وہ ان کو سمجھتے آئے تھے۔ ہندوؤں کے اجداد مسلمان کو ترک اور ملیچھ کی اصطلاحات سے یاد کرتے تھے۔ اس رائے میں بھی وقت کے ساتھ تبدیلی آئی اور یہ تعصب دور ہوا۔ چنانچہ دیہات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی رواداری کا ایک محکم رویہ پیدا ہوا اور انہوں نے محسوس کیا کہ موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں ان کی ضروریات اور ان کے مسائل یکساں ہیں۔ دیہاتی ہندوستان میں مذہبی رواداری کی جو علامات نظر آتی ہیں وہ دراصل مدد معاش ادارے کا ترکہ ہیں۔

اورنگزیب کے عہد میں نسق یعنی یکجائی مالگذاری کے تخمینے کا دستور عام ہو چکا تھا اور یہی اٹھارویں صدی کے نصف اوّل میں جاری رہا۔ اس طریقے کا مطلب یہ تھا کہ تخمینے کی اکائی کاشتکار کی انفرادی املاک نہیں ہے بلکہ پورا موضع، ٹپہ یا پرگنہ ہے۔ مجموعی طور سے جو جمع تخمینے کے بعد آئی اس کو تقسیم کرنا ان بڑے زمینداروں اور تعلقداروں کے ہاتھ میں رہتا تھا جو مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کے ذمے دار تھے۔ اس سے بڑے زمینداروں کو خواہ مخواہ یہ موقع مل جاتا تھا کہ وہ چھوٹے زمینداروں پر جس قدر چاہیں مطالبہ عاید کر دیں اور چھوٹے زمیندار اس مطالبے کو غریب کاشتکاروں کے اوپر منتقل کر دیتے تھے ایسی صورت میں کاشتکار کو اپنی ملکیت کے واجب اور جائز مطالبے سے کہیں زیادہ مالگذاری ادا کرنی پڑتی تھی۔

ضبط سے نسق کی طرف جو تبدیلی عمل میں آئی اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر سطح پر انتظامی عملہ ضعیف اور ناقص ہو چکا تھا۔ ضبط کی کارروائی میں پیمائش وغیرہ پر کافی خرچہ آتا تھا اور بڑی تعداد میں متعدد عملے کی

ضرورت ہوتی تھی۔ اگر مستعد اور ایماندار اہلکار نہیں ہیں تو ضبط کی کاروائی میں بدعنوانی اور بے ایمانی کی بہت زیادہ گنجائش تھی اور اس سے متعلقہ فریقین کو بہت زیادہ زحمت ہوتی تھی۔ اسی لیے ضبط کی کارروائی کو اکثر ناپسند کیا جاتا تھا۔ ضبط کی کاروائی کاغذات کے گذشتہ اندراجات پر مبنی ہوتی تھی۔ لہذا سادہ ہونے کے علاوہ اس میں فالتو خرچہ بھی نہیں آتا تھا۔ جب انتظام کمزور پڑ گیا تو مناسب نگرانی بھی ممکن نہیں رہی اور معاملات قابو سے باہر ہو گئے چنانچہ نسق ہی تخمینے کی بہترین صورت سمجھی گئی اور اس کو عام دستور کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ اگرچہ اس میں فائدہ بچولیا حاصل کرتے تھے اور نقصان مملکت اور چھوٹے زمینداروں کا ہوتا تھا۔ بڑے زمیندار ایک طبقے کی حیثیت سے نسق کو اپنے مفاد کے پیش نظر بہتر سمجھتے تھے اور سرکاری افسران بھی اس کی حمایت کرتے تھے، اس لیے کہ ان کو دو سہولتیں تھیں ایک تو وہ پیمائش کی کارروائی سے گھبراتے تھے اور اس زحمت سے بچنا چاہتے تھے دوسرے ان پر بڑے زمینداروں کا اثر تھا لہٰذا کل کاروبار نسق کی بنیاد ہی پر ہونے لگا۔

موجودہ شہادتوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وزارتِ مال کی طرف سے مالگذاری کا جو مطالبہ منظور شدہ تھا اس میں کبھی کوئی اضافہ عمل میں آیا ہو۔ یہ مطالبہ عام طور پر پیداوار کے ایک چوتھائی اور نصف کے درمیان اوپر نیچے ہوتا رہتا تھا۔ جیسا کہ سترھویں صدی میں رائج تھا۔ البتہ زیرِ مطالعہ دور کی انتظامی کارروائیاں مثلاً یکجائی تخمینے کی صورت میں نسق کا دستور اور اجارہ داری اور اس کے ساتھ ہی مختلف سطح پر انتظامی عملے کی کمزوری اس بات کا باعث ہوئی کہ کاشتکاروں پر مجموعی بوجھ اور زیادہ بڑھ گیا خصوصاً رعیتی محالوں میں کاشتکاروں کی حالت زیادہ بگڑی۔

باب اوّل

گاؤں اور کسانوں کی حیثیت

فصل اوّل

اس بات پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا کہ ہندوستان کی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں گاؤں اور وہاں کے باشندوں کا بیان نہ ہو۔ دونوں سے واقفیت نہ صرف مناسب بلکہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی آبادی کی غالب اکثریت دیہات میں رہتی تھی۔ جیسا کہ آج بھی رہتی ہے۔ ہم گاؤں کو اپنے مطالعے کا نقطۂ آغاز کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آراضی پر حقوق و اختیارات رکھنے والے لوگ یہیں رہتے تھے اور مالگذاری کے تعین اور وصولی سے متعلق عملے کو یہیں کام کرنا پڑتا تھا۔

ہندوستانی دیہات میں نوعیت کے اعتبار سے نہایت تنوع پایا جاتا ہے۔ ان کے منظر، فصلیں، زمین کی قسمیں، باشندوں کی برادریاں ان سب باتوں کے اعتبار سے کل دیہات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اور یہ اختلاف نہ صرف ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں بلکہ ہر ضلع میں نظر آتا تھا۔ اس اختلاف اور رنگارنگی کے باوجود بھی ہندوستانی گاؤں تقریباً مسلمہ طور سے ایک وحدت تھا۔ جس میں بہت ساری مشترک قدریں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پائی جاتی تھیں۔ مغل سلطنت کے تمام علاقوں میں لفظ گاؤں کے علاوہ ایک دوسرا لفظ دیہہ بھی معروف تھا۔ لیکن مالگذاری کے کاغذات میں ہر جگہ صرف موضع[1] استعمال ہوتا تھا۔

موضع

اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل میں مالگذاری کے انتظام کی پہلی اکائی موضع یعنی گاؤں ہوتا تھا۔ اس کے اندر قابلِ کاشت آراضی، آبادی، تالاب، باغ، نالے، جنگل اور بنجر زمین شامل ہوتی ہو

---

[1] دستور العمل عالمگیری ۴۱ ب

گاؤں کا حدود اربعہ واضح طور پر دکھایا جاتا تھا۔[1] اگرچہ دیہات کے رقبات میں بعض اوقات بہت کچھ فرق ہوتا تھا مگر عام طور پر ایک گاؤں کو تقریباً ایک ہزار بیگھہ قابل کاشت زمین پر مشتمل سمجھا جاتا تھا۔[2] مزروعہ زمین کھیتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر کھیت کے چاروں طرف ڈول یا مینڈھ ہوتی تھی۔ اور کسان ہر کھیت کو کسی خاص نام سے شناخت کرتے تھے۔[3] یہی قاعدہ کم و بیش اب بھی ہے۔

دیہات کے مجموعے سے پرگنہ بنتا تھا۔ جس کو علاقائی اور مالیاتی اکائی سمجھنا چاہیے۔ پرگنہ کے اندر دیہات کی تعداد مختلف ہوتی تھی۔ کہیں یہ تعداد فقط پانچ یا بارہ اور کہیں چھ سو سے اوپر پہنچ جاتی تھی۔[4] مالگذاری کے کاغذات میں یہ دیہات دو زمروں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ پہلا زمرہ اصلی و دخلی[5] اور دوسرا زمرہ ریتی و تعلقہ۔[6]

خلاصۃ السیاق کی وضاحت کے مطابق اصلی وہ گاؤں ہوتا تھا جس کی آبادی برقرار رہتی تھی۔ اور دخلی وہ جہاں سے باشندے بھاگ گئے اور وہ گاؤں ویران ہونے کی بنا پر فراموش ہو گیا۔ اور اس کا رقبہ کسی دوسرے گاؤں سے ملحق کر لیا گیا۔[7] البتہ ایک انگریز حاکم انیسویں صدی کے اوائل میں ایک اور بات لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک بڑا گاؤں کاغذات میں اصلی لکھا جاتا تھا، اور چھوٹے جو اس سے ملحق ہوتے تھے دخلی کہے جاتے تھے۔[8] بہرحال ان تعریفوں سے پوری بات کم و بیش واضح ہو جاتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ دخلی کی اصطلاح دونوں طریقے سے

---

[1] آئین اکبری ج 1 صفحہ 200 ، دیوان پسند 7 ب ،

[2] دیوان پسند 8 ،

[3] دستاویزات الہ آباد 302 ، یادداشتہائے مرکزی ہندوستان ج 2 ، صفحہ 30

[4] مرآۃ احمدی ، ضمیمہ صفحہ 200 ، 188 ، دستور العمل شاہنشاہی 84 الف 93 الف 97 الف

[5] سیاقنامہ صفحہ 33 ، 43 ، مزید ملاحظہ ہو دستور العمل مجملی 40 ب ، 41 الف ب ، 24 الف خلاصۃ السیاق 23 الف ، اصلی اور دخلی مواضعات کے لیے ملاحظہ ہو دستور العمل شاہنشاہی 25 الف ، 27 ب ،

[6] سیاقنامہ صفحہ 35 ، 39

[7] سیاقنامہ صفحہ 22 ب

[8] یادداشتہائے مرکزی ہندوستان ، 2 صفحہ 15 حاشیہ ا

استعمال ہوتی ہو یعنی وہ گاؤں جو ویران ہو گئے اور ان کا رقبہ دوسرے گاؤں سے ملحق ہو گیا۔ ساتھ ہی وہ گاؤں بھی جو چھوٹے اور ذرا سے رہ گئے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کاغذات میں اصلی اور دخلی کا اندراج مقامی عملے کے لیے ایک سہولت پیدا کرتا تھا۔ اور اہلکاروں کو یہ سمجھنے میں آسانی ہوتی تھی کہ قابلِ کاشت آراضی اور موقعہ پر موجود کاشتکاروں کا تناسب سا ہے۔

اصلی اور دخلی کے علاوہ پرگنہ کے اندر دیہات کا ایک دوسرا زمرہ یعنی رعیتی اور تعلقہ بھی ہوتا تھا۔ ان دو اصطلاحوں کا مطلب واضح ہو جائے تو یقیناً ان حقوقِ ملکیت کی نوعیت سمجھنے میں مدد ملے گی جن کے آپسی رشتے زرعی سماج کی نوعیت متعین کرتے تھے۔ معتبر شہادتوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ رعیتی گاؤں یا رقبے وہ ہوتے تھے جو ان زمینداروں کے تعلقہ سے باہر ہوتے تھے جو کہ پیشکش ادا کرتے تھے یا مالگذاری سے مستثنیٰ زمین کے مالک ہوتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رعیتی دیہات میں مالگذاری کی وصولی وغیرہ سے متعلق شاہنشاہی قوانین کا پورے طور پر نفاذ ہوتا تھا۔ تیسرے رعیتی گاؤں کے اندر ایسے کاشتکاروں کا ایک طبقہ موجود ہوتا تھا جو انتقال جائداد کے بعض حقوق بشمولیت حق کاشت بالعوض مالگذاری کا مجاز ہوتا تھا مگر یہ حقوق کاشتکاروں کے دیگر طبقات کو جو رعایا کہلاتے تھے حاصل نہیں تھے۔ وہ لوگ جن کو انتقال ملکیت کے حقوق حاصل ہوتے تھے رعیتی زمیندار کہلاتے تھے۔ آخر میں یہ کہ رعیتی دیہات میں بہت سے زمیندار ذاتی طور سے اپنے حقوق کی جن کی وہ کاشت کرتے تھے مالگذاری ادا کر سکتے تھے۔ اور اپنی طرف سے کسی کو درمیانی وسیلہ بنانے کے پابند نہ تھے۔ یہ وسیلہ عموماً تعلقدار ہوتا تھا۔ رہی تعلقہ کی اصطلاح، اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ تعلقہ دیہات کا وہ مجموعہ تھا جو کسی ایسے زمیندار کے قبضہ میں ہو جو پیشکش ادا کرتا ہے یا پیشکش کے بالعوض کبھی کبھی فوجی خدمت کے لیے حاضر رہتا ہے۔ دوسرے دیہات کا وہ مجموعہ بھی تعلقہ کہلاتا تھا جس میں بہت سارے لوگوں کی مشترکہ زمینداری ہو۔ اور ان سب کی طرف سے تنہا ایک آدمی مالگذاری کی وصولیابی کرتا ہو۔ تیسرے یہ اصطلاح اس چھوٹی سی زمینداری پر بھی عائد ہوتی تھی جو کسی نے تازہ خریدی ہو۔ آخر میں دیہات کا ایسا مجموعہ یا حلقہ جس کی تشکیل نظم و نسق کی سہولت کے لیے کر لی گئی ہو وہ بھی تعلقہ کہلاتا تھا۔[10]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم ایک فہرست کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس سے پرگنوں کی آراضی کا احوال سامنے آجاتا تھا۔ تاکہ مختلف مراتب کے منصب داروں کو حسب قاعدہ جاگیروں کی تفویض کے مسئلے میں سہولت رہے۔[11]

---

[10] مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ الف

[11] ہدایت القواعد 17 الف، 9 ب،

فصل دوئم

کاشتکار

پیشتر اس کے کہ کاشتکاروں کی حیثیت سے متعلق مآخذ پر بحث کی جائے اور ان کے اندر محفوظ شہادتوں پر نظر ڈالی جائے، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ لفظ "کاشتکار" کا مفہوم متعین کر لیا جائے۔ مؤلف انہا کے نزدیک کاشتکار سے مراد وہ شخص ہے جو زمین جوتتا تھا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ قابض ہو یا غیر قابض۔ اس کو زمین مزید ہ پر بیع یا رہن کے اختیارات نہیں ہوتے تھے۔ فارسی تاریخوں اور دستاویزوں میں اس قسم کے جوتنے والے کو مزارع، اسامی یا رعایا کہا گیا ہے۔ مورلینڈ نے اس اصطلاح کو ایک دوسرے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس کے نزدیک کاشتکار کے زمرے میں گاؤں کی برادری یا دیہاتی زمیندار بھی شامل تھے۔ وہ کاشتکار جو گاؤں میں رہتے ہوں یا کسی دوسرے گاؤں کے ساکن ہوں مگر کام کرنے آتے ہوں سب اس اصطلاح کے تحت آتے ہیں[12]۔ ہم اس اصطلاح کا استعمال محدود مفہوم میں کرتے ہیں اور دیہاتی زمیندار کو اس سے خارج کیے دیتے ہیں[13]۔ ہمارے پیش نظر وہ فرق ہے جو فارسی تالیفات میں صاف نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک زمینداروں

---

[12] اسلامی ہند کا زراعتی نظام صفحہ 161 مورلینڈ، حاشیوں میں یہ دکھاتا ہے کہ کاغذات میں کاشتکار برادری کا اندراج اکثر دیہاتی زمیندار یا پٹی دار کے عنوان سے کیا جاتا تھا۔

[13] شمال مغربی صوبوں کے کاغذات میں دیہاتی زمیندار کی تعریف حسب ذیل صورت سے کی گئی ہے:

"دیہاتی زمیندار وہ لوگ ہیں جن کا آراضی پر زمانۂ دراز سے قبضہ ہے اور وہ نسلاً بعد نسل کاشت کرتے آرہے ہیں۔ وہ اپنی حسب منشا آراضی کو منتقل یا رہن کرنے کے مجاز ہیں۔ بعض صورتوں میں وہ کاشتکاروں کے نچلے طبقے سے وابستہ ہو سکتے ہیں۔ جن کو عرصے تک آراضی کے استعمال کی بنا پر قابضانہ حقوق مل جائیں اور جب تک وہ لوگ مروجہ محصول ادا کرتے رہیں مذکورہ حقوق برقرار رہیں گے۔ مگر کاشت کنندہ رعیت زمینداروں کی برادری سے علیحدہ ہے۔ اور صاف طور سے اس کا مطلب وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی آراضی کاشت کرتے ہیں۔ ایسا شخص زیر کاشت آراضی پر قابضانہ حق سے زیادہ کسی دوسرے حق کا دعویدار نہیں ہو سکتا، اور یہ حق بھی اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ آراضی پر کاشت کرتا ہے۔ یہ حق شاید موروثی ضرور ہے مگر بیع یا ہبہ یا رہن کے ذریعہ منتقل نہیں کیا جا سکتا نہ ایک بار آراضی کو خالی کرنے کے بعد واپس حاصل کیا جا سکتا ہے۔"

(ملاحظہ ہو ریونیو ریکارڈ صفحہ 90، 89)

کی سماجی اور اقتصادی حیثیت رعایا سے الگ تھی جو بالعموم حقوق سے محروم تھی وہ زمین کاشتکار اور زمیندار دونوں جوتتے تھے لیکن خاص فرق دونوں میں یہ تھا کہ موخرالذکر ایسے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا جس کو زمین پر موروثی اور قابلِ انتقال حقوق حاصل تھے۔ اس کے برخلاف اول الذکر اس قسم کے حقوق کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ وہ قبضہ کے اختیار سے بھی بے دخل اور لادعویٰ قرار دیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا کاشتکار کی اصطلاح ایسے مفہوم میں استعمال کرنا جس سے گاؤں میں رہنے والے مذکورہ دو طبقات کا فرق واضح ہو صریحی غلط فہمی کا باعث ہوگا ایسی صورت میں گویا اس فرق سے چشم پوشی کرلی گئی جو مذکورہ دونوں طبقوں کے اجتماعی اور اقتصادی مراتب میں موجود تھا اور جس کو فارسی مؤلفین نے مسلمہ طور سے دکھایا ہے۔

عام طور سے رعیتی دیہات میں بھی زمیندار ہی مالگذاری بالعوض کاشت کا بندوبست کرتا تھا اور سرکاری حکام براہ راست ہر ایک کاشتکار سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ 'دستورالعمل بیکس' میں ایک پٹہ دیا ہوا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقدم یا زمیندار مالگذاری کا ذمہ دار ہے[14]۔ 'دیوان پسند' کا موقف زمینداروں اور کاشتکاروں کے باہمی فرق کو اور زیادہ واضح کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر گاؤں میں چند مقدم یا مالک ہوتے تھے اور ان کے ماتحت کئی سو آدمی ہوتے تھے جو اسامی یا مزارع کہلاتے تھے۔ یہ اسامی زمین کو جوتتے تھے اور مقدم کے ذریعہ حکومت کو مالگذاری ادا کرتے تھے[15]۔ اسی ماخذ میں کسی دوسری جگہ ہماری نظر سے یہ بھی گذرا ہے کہ زمینداروں سے مالگذاری طے کر لینے کا عام رواج تھا اور اس قسم کی جمع کو 'جمع مشخص' کہتے تھے، اگر زمیندار کسی بنا پر مذکورہ طریقے سے مالگذاری کی ادائیگی پر آمادہ نہ ہو اور طے کر کے مالگذار داخل کرنے سے انکار کردے تو پھر کاشتکاروں سے براہ راست جمعبندی کی بنیاد پر وصولیابی کی جاتی تھی۔ یہ طریقہ عمل خام کہلاتا تھا[16]۔ البتہ عام طور سے حکومت اور کاشتکاروں کے درمیان عام رابطہ نہیں ہوتا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ مالگذاری زمیندار پر مقرر کی جاتی تھی اور کاشتکاروں کو اپنا معاملہ انہیں سے رکھنا پڑتا تھا۔ بہرحال کاشتکاروں اور زمینداروں کا باہمی تعلق قاعدے قانون کے ماتحت ہوتا تھا اور یہ قانون حکومت بناتی تھی۔ ان قوانین کے معائنہ سے جو دستورالعمل ہدایات کی نوعیت کے ہوتے تھے نہ فقط زمیندار اور کاشتکار کے روابط کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ

---

[14] دستورالعمل بیکس 67 الف، 84 ب، مزید ملاحظہ ہو ہدایت القواعد 27 ب، 28 الف ب،

[15] دیوان پسند 7 ب،

[16] دیوان پسند 15 الف ب، دستورالعمل مہدی علی خاں 8 ب۔ افسر وصول کنندہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ کاشتکاروں سے براہ راست وصولیابی نہ کرے تاوقتیکہ یہ صورت ناگزیری نہ ہو۔ (تحصیل خام)

بات بھی روشن ہوتی ہے کہ زمین کے اوپر کاشتکاروں کے حقوق کس قدر تھے۔

کاشتکاروں کے حقوق

کاشتکاروں کو انتقال آراضی یعنی بیع یا رہن کے حقوق نہیں ہوتے تھے۔ کم از کم پیش نظر مآخذ پر نظر ڈالنے سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ البتہ ایک ماخذ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بعض کاشتکاروں کو قبضہ کے حقوق حاصل تھے۔ دستور العمل بیکس میں ایک چلکہ درج ہے یعنی زمیندار یا مقدم کا ضمانت نامہ اس سے یہ نکتہ روشن ہوتا ہے اور نہ صرف زمیندار اور کاشتکار کے باہمی تعلق کی وضاحت سامنے آتی ہے بلکہ اس میں دونوں کے باہمی حقوق اور اختیارات بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس دستاویز کے نکات کا خلاصہ حسب ذیل ہے[۱۱]۔

۱۔ زمیندار مقررہ جمع کی مذکورہ رقم جو کہ پورے سال کے لیے ہے، وصول کرنے کے مجاز ہیں۔ یہ رقم کھڑی فصلوں کی بنیاد پر مقرر کی گئی ہے۔ رقم مذکورہ کی وصولیابی الگ الگ کاشتکاروں سے ان کی درج شدہ فصلوں اور مزروعہ رقبات کے مطابق کی جائے گی۔

2۔ زمیندار مقررہ فی بیگھہ مالگذاری کے علاوہ کوئی دوسری رقم کاشتکاری سے نہیں وصول کریںگے۔

3۔ وہ ایسا طریقہ کار اختیار نہ کریں، جو کاشتکاروں کے گاؤں چھوڑنے کا باعث ہو۔

4۔ اگر کسی سبب سے کاشتکار گاؤں چھوڑ کر چلا گیا ہے تو زمیندار اس کے باقی ماندہ مال واسباب کو اپنے قبضہ میں کرلےگا اور اس کو خزانے میں جمع کرادیگا۔ ایسے کاشتکاروں کی مالگذاری کی رقم جتنی بھی ہو دوسرے کاشتکاروں کے ذمہ برابر ڈال دی جائے گی۔

5۔ زمیندار ایسے کاشتکاروں کو واپس گاؤں میں بلانے کی سعی و جہد کریں گے جو گاؤں چھوڑ گئے ہیں اور اگر واپس آئیں تو ان کو بسانے میں مدد دیں گے اور ان کو اس قابل کریں گے کہ وہ دوبارہ کھیتی کے کام میں لگ جائیں۔

6۔ اگر کاشتکار گاؤں میں سکونت اختیار نہیں کرتا تو اس کی آراضی زمیندار کے حصوں کے تناسب سے تقسیم ہوجائے گی اور وہ اس کو جوتیں گے۔

7۔ وہ اپنے کھیتوں میں کام کرانے کے لیے بیگار کا مطالبہ نہ کریں گے۔ علاوہ اس کام کے جو معمول کے مطابق مقرر ہے۔

---

[۱۱] دستور العمل بیکس 66 الف ب

۶۔ وہ رعایا کو تباہ و برباد نہ کریں گے۔

اس چلکہ میں خاص طور سے تین باتیں ہیں جو زمینداری رشتوں کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ پہلی بات مالگزاری کا استقرار اور وصولیابی۔ دوسری بات کاشتکاروں کے قبضے کا حق۔ تیسرے ان کی یہ ذمہ داری کہ زمیندار کی بیگار یا منت خدمت کریں گے۔ اگر اس دستاویز کے مضمون کو جوں کا توں تسلیم کر لیا جائے تو یہ مسئلہ واضح ہوا کہ اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں کاشتکاروں کی حیثیت بالکل بے کس اور محروم مخلوق کی سی نہیں تھی بلکہ وہ بعض شرائط و ضوابط کے تحت زمین جوتتے تھے۔ ہر کاشتکار کے ذمہ مالگزاری کا تخمینہ سرکاری حکام لگاتے تھے اور یہ رقم باقاعدہ کاغذات مالگزاری میں دکھائی جاتی تھی۔ زمیندار کا اختیار فقط مالگزاری وصول کرنا تھا اور یہ شرط بالضابطہ دی ہوتی تھی کہ وہ مقررہ مالگزاری سے فاضل کوئی رقم کاشتکار کی جیب سے حاصل نہ کرے گا۔ دوسرے الفاظ میں مالگزاری کا تخمینہ اور وصولیابی دو علیحدہ کام تھے اور ان کی علیحدگی سے بہت بڑی حد تک کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ ہو جاتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کو غیر قانونی بے دخلی کے خلاف بھی تحفظ حاصل تھا اور ان کو قبضہ کے حقوق سے عام طریقے پر دستبردار نہیں ہونا پڑتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کسان کے گاؤں سے غیر حاضر ہو جانے کے بعد بھی قبضہ کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ بشرطیکہ وہ ایک معینہ مدت میں واپس آجائے[12]۔ البتہ ان شرائط پر جو چلکہ کے متن میں داخل نظر آتی ہیں کہاں تک عملدرآمد ہوتا تھا اور زمیندار کس حد تک ان کا لحاظ رکھتا تھا یہ محض اندازے کی بات ہے۔ اس قسم کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ شرائط مذکورہ کی پائمالی کے خلاف کبھی کوئی شکایت کی گئی ہو اور حکام کی طرف سے ازالۂ شکایت کے اقدامات کیے گئے ہوں۔ بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ زمینداروں سے کاشتکاروں کے حقوق و اختیارات کی بابت چلکہ لینا لازمی کارروائی سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ کارروائی سرکاری کاغذات میں ثبت ہوتی تھی۔ کاشتکار اپنے حقوق سے واقف تھے اور ان پر عملدرآمد کی خاطر حکام تک رسائی کرتے تھے۔ ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ حکومت

---

[12] قابضانہ حقوق سے متعلق تھوڑی سی تائیدی شہادت دستور العمل مہدی علی خاں میں موجود ہے۔ دستور العمل مذکور میں پہلا ضابطہ یہ دیا ہوا ہے کہ وہ رعیت جو بطور موروثی عرصۂ دراز سے آراضی پر قابض ہے موضع سے بیدخل نہ کی جائے گی، ان کو کسی حالت میں بھی اپنے خاندان کی موروثی آراضی سے محروم نہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر کاشتکار اپنی مرضی سے آراضی چھوڑے اور دستبرداری دے تو ایسی آراضی کو واپس لیا جا سکتا ہے۔ یہ متروکہ آراضی کسی ایسے شخص کو دی جائے جو موروثی حق کی بنا پر کاشت کرتا ہو (دستور العمل مہدی علی خاں الف ۱

کو زمینداروں کی حیثیت کا احساس تھا کہ وہ اگر چاہیں تو کاشتکاروں کے خلاف اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر ایسی صورت حال کو روکنے کے لیے پٹہ کا ہی واحد طریقہ تھا جس کے ذریعہ زمیندار کو دست درازی سے باز رہنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا۔[19]

کاشتکار اور زمیندار

ایک شرط یہ ظاہر کرتی ہے کہ کاشتکاروں کو لازمی طور پر زمینداروں کی کچھ خدمات انجام دینا پڑتی تھیں۔ یہ خدمت مفت کی جاتی تھی مگر اس کا تعین ہوتا تھا اور اس کی مد مقامی رسم و رواج کے مطابق مقرر ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم زمانے سے ایک روایت چلی آ رہی تھی جبکہ زمینداروں کے مقامی اجداد اور کاشتکاروں میں وہی رشتہ تھا جو کہ جاگیردارانہ نظام (Feudalism) کی علامت ہے۔ بہرحال ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی کاشتکار کو ایک آزاد فرد کی حیثیت حاصل تھی جو اپنی پیداوار کا حصہ حکومت کو زمیندار کے ذریعہ ادا کرتا تھا۔ یہ شرائط ایک دستاویز کے ذریعہ واضح کی جاتی تھیں جس کو پٹہ کہتے تھے اور جو زمیندار کی طرف سے کاشتکاروں کے نام لکھا جاتا تھا۔ دستورالعمل مہدی علی خاں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ زمیندار اور مالگذاری کے اجارہ دار جو مالگذاری کی وصولی کے مجاز تھے۔ انکو پٹہ لکھنا پڑتا تھا اور پٹہ میں مالگذاری کی رقم ظاہر کی جاتی تھی۔ مالگذاری کے تخمینے کا طریقہ مثلاً نقدی یا بھولی دیا ہوتا تھا اور یہ اقرار بھی تحریر میں بڑھایا جاتا تھا کہ علاوہ رقم واجب کے کچھ اور مزید ہرگز وصول نہیں کیا جائے گا۔[20]

ظاہر ہوتا ہے کہ کاشتکار بطور مالگذاری کے جو رقم ادا کرتے تھے اس کی ان کو رسید دی جاتی تھی اور یہ رسیدیں پٹواری دیتا تھا۔[21] صوبہ اودھ سے متعلق ایک دستاویز میں یہ شہادت ملتی ہے کہ بعض علاقوں

---

[19] عملی طور سے بیدخلی کا سوال انیسویں صدی کی پہلی چوتھائی تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال کبھی زمیندار اور رعیت کے درمیان موضوع بحث نہیں بنا، چونکہ آراضی مزدوروں کے مقابلے میں زیادہ تھی لہٰذا سکونت پذیر رعیت کے لیے عملی طور سے زمیندار کی زیادتی اور زبردستی سے بچنے اور گریز کرنے کا موقعہ رہتا تھا" (ریونیو ریکارڈ صفحہ 96)

[20] دستورالعمل مہدی علی خاں 3 الف

[21] ایضاً

میں عام دستور یہ تھا کہ کاشتکاروں کو جن شرائط پر آراضی دی جاتی تھی وہ شرائط تحریر میں لائی جاتی تھیں یہ دستاویز ایک اقرار نامہ ہے جو بِتّا اور زندا نام کے دو کاشتکاران ساکن موضع کورنا چورا پرگنہ سندیلہ کی طرف سے محمود شاہ کے انتیسویں (29) سالِ جلوس میں لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ کاشتکاران مذکور نے اپنی مرضی سے ایک قطعہ آراضی بتیس (32) بیگھہ دس (10) بسوا بالعوض مالگذاری ایک سو انیس (119) روپے تین (3) آنے کے تین سال کی مدت کے لیے 1154ھ فصلی تا 1156ھ فصلی (1747 - 1749) حاصل کی اور یہ کہ رقم مذکورہ بالا دامی اور ستر ہی کے مطالبات سے علاوہ وعلیحدہ ہے۔ وہ یہ بھی تصدیق کرتے ہیں کہ رقم مذکورہ باقاعدگی کے ساتھ فصل اور سال کے آخر پر ادا ہوتی رہے گی۔ اگر کسی حادثۂ آسمانی کی وجہ سے فصل کو نقصان پہنچا تو پرگنہ کے مسلمہ رواج کے مطابق رقم میں کمی کی جائے گی[22] مبلغ ایک سو بانوے (192) روپے تین آنے کی مجموعی رقم سالانہ قسطوں میں اس طرح بانٹی گئی ہے[23]

سال	رقم
1154 فصلی	64/1
1155 فصلی	64/1
1156 فصلی	64/1

اس طرح کاشتکاروں کو آراضی منتقل ہونے سے پہلے شرائط طے ہو جاتی تھیں۔ ان شرائط میں آراضی قابلِ کاشت کا رقبہ دکھایا جاتا تھا۔ مالگذاری کی مجموعی رقم، اس کی قسط وار تقسیم، اقرار نامہ کی مدت اور آسمانی آفت کی صورت میں رقم کی تخفیف کا ذکر واضح طور پر کر دیا جاتا تھا۔ بہرحال اس دستاویز میں دو باتیں ایسی ہیں جو باہمی روابط کی اس نوعیت سے میل نہیں کھاتیں جس سے ہم اب تک واقف ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جیسا کہ دستاویز میں دکھایا گیا ہے پورے رقبہ پر ابتدا میں تین سال کے لیے مقرر کر دی گئی ہے اور اس کو برابر تین قسطوں میں بانٹ دیا گیا ہے اقرار نامہ کی تحریر کے دوران مزروعہ رقبہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے نہ فصلوں کی نوعیت ظاہر کی گئی ہے اور نہ ان فصلوں کے بارے میں کوئی شرط ہے جو آئندہ بوئی جائیں گی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ رقم مذکورہ میں جو دستاویز میں دکھائی گئی ہے وہ دراصل آراضی پر ایک متعینہ لگان ہے اس کو مالگذاری نہیں کہنا چاہیے، اس لیے کہ اس کا تخمینہ فصلوں کو دیکھ کر نہیں لگایا

---

22 دستاویزات الہ آباد، 329

23 ایضاً

گیا جیساکہ مغلوں کے یہاں قاعدہ تھا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کاشتکار جو مالگذاری ادا کرتے تھے وہ ان کے اور زمینداروں کے درمیان ایک معاملہ اور سودا تھا جو باہمی رضامندی سے طے ہوجاتا تھا اور سرکاری حکام مالگذاری کا تخمینہ دستور کے مطابق نہیں لگاتے تھے۔ پرگنہ کے دستور کا حوالہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ دونوں فریق حکومت کی طرف سے مقرر کی ہوئی شرح کو معاملہ طے کرتے وقت ملحوظ رکھیں گے۔ دوسری اہم بات جس کی کہ دستاویز مذکورہ بالا سے تعلیق وتائید نہیں ہوتی۔ وہ دامی اور ستربی کے مطالبات ہیں جن کو علاوہ و علیحدہ قرار دیا گیا ہے اور جن کے وصول کرنے کی حکومت کی طرف سے زمیندار کو اجازت ہے۔ زیرنظر دستاویز کی تشریح پورے یقین کے ساتھ کرنا ذرا مشکل ہے۔ مگر ہم اشارۃً کہہ سکتے ہیں کہ اس شہادت کا تعلق ایک خاص علاقہ سے ہے جس میں مالگذاری کی بابت ایک خاص قسم کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ مقررہ رقم دراصل مالگذاری ہے جو زمیندار وصول کرکے سرکاری خزانے میں داخل کردے گا اور دامی وستربی کے تحت جو مطالبات دکھائے گئے ہیں وہ زمیندار وصول کرکے اپنے پاس رکھنے کا حقدار ہوگا۔ شہادت سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں زمینداری کے مطالبات مجموعی وصولیابی میں سے ادا نہیں کیے جاتے تھے بلکہ زمیندار اپنے حق خصوصی کے طور پر ان کو علیحدہ وصول کرتا تھا۔

ایک دوسری دستاویز پر ۹ رجب 1088ھ (1678ء) درج ہے۔ یہ "نقل تمسک" کے عنوان سے ہے[1] اس میں تحریر ہے کہ کنہیا اور رگھوناتھ ہردو مقدم موضع چادر تصدیق کرتے ہیں کہ موضع مذکور اور موضع سنی اور موضع لالوپور محمد شریف چودھری کی ملکیت ہیں اور وہ مسمی محمد شریف کے مزارعہ اور کاشتکار رہیں اور اسکے منشا سے آراضی جوتتے ہیں۔ یہ دستاویز اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ بطور سند کام آئے۔ دستاویز کے متن سے یہ نکتہ سامنے آیا کہ آراضی جوتنے کے لیے زمیندار کی مرضی و منشا حاصل کرنا لازم تھا۔ اس دستاویز میں جن کاشتکاروں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ہمارے نزدیک مجموعی طور سے ایسے کاشتکاروں کی نمائندگی کرتے ہیں جنکو آراضی پر موروثی حقوق حاصل نہیں تھے۔ لہٰذا آراضی جوتنے کے لیے ان کو زمیندار کی منشا حاصل کرنی پڑتی تھی۔ اس تشریح کا مطلب یہ ہوا کہ زمیندار کو بعض مخصوص قسم کی آراضی کے بارے میں یہ حق ہوتا تھا کہ وہ اس کے جوتنے کے لیے کاشتکاروں کو دے سکتے تھے۔ تو پھر لازمی طور پر وہ کاشتکار جو اس قسم کی آراضی جوتتے تھے وہ زمینداروں کے رحم وکرم پر ہوتے تھے اور زمیندار جب چاہے ان کو بے دخل کرسکتا تھا۔

کاشتکاروں کی نوعیتیں :-

اٹھارھویں صدی کے اواخر کی ایک تالیف میں یہ شہادت ملتی ہے کہ بنگال میں کاشتکاروں کی تین قسمیں کی

[1] دستاویزات الہ آباد صفحہ 329

جاتی تھیں یعنی پٹہ دار رعیت، فصلی رعیت اور پیکاشت رعیت ۔ ان میں غالباً پٹہ دار رعیت کی حیثیت کو بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے کہ ان کے نام دس۱ بیگھہ زمین اور اس کی مالگذاری کا اندراج ہوتا تھا۔لیکن واقعی طور پہ وہ پندرہ بیگھہ زمین کی کاشت کرتے تھے۔ ان کو تھوڑے بہت وسائل بھی حاصل ہوتے تھے۔ فصلی رعیت کو ہر سال زیر کاشت زمین کا اندراج کرانا پڑتا تھا اور اسی حساب سے مالگذاری دیتے تھے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ وسائل سے محروم ہوتے تھے ۔ وہ کاشتکار جن کی سکونت مستقل نہ تھی ان کو پیکاشت کہا جاتا تھا وہ اپنی آراضی مزروعہ کے مطابق مالگذاری دیتے تھے۔[25] اس شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ موروثی رعیت' پٹہ دار رعیت اور خود کاشت رعیت کو بعض آسائش حاصل تھیں ۔ مثلاً ان کے قبضۂ حقوق تسلیم شدہ تھے اور ان کی آراضی کا تخمینہ فصلی اور پیکاشت رعیت کی اراضی کی بہ نسبت کم شرح پر لگایا جاتا تھا۔

کاشتکاروں کی حیثیت

کاشتکاروں کو گاؤں میں جو حیثیت حاصل تھی اس کا خلاصہ چند سطروں میں بیان کیا جا سکتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور کاشتکاروں میں براہ راست تعلق قایم نہیں تھا اس لیے کہ مالگذاری زمیندار پر مقرر ہوتی تھی ۔ بہرحال اگر زمیندار مالگذاری کی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کرلے تو ایسی صورت میں کاشتکاروں سے انفرادی طور پر مالگذاری کی وصولیابی کی جاتی تھی ۔ عام طور پر ہر کاشتکار کی مالگذاری کا تخمینہ سرکاری ملازمین لگاتے تھے لیکن اس کی وصولیابی زمیندار کرتا تھا ۔ البتہ اس کا امکان ضرور ہے کہ بعض جگہ موقعہ اور حالات کے مطابق دستور بدل جاتا ہو ۔ اور بعض علاقوں میں عملی طور سے یہی ہوتا تھا کہ زمیندار اور کاشتکار باہمی رضامندی سے مالگذاری کی رقم طے کرلیتے تھے ۔

ہماری تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کاشتکاروں کو بیع اور رہن کے حقوق حاصل نہیں تھے ۔ البتہ کاشتکاروں کا ایک طبقہ جس کو موروثی کہا گیا ہے بعض حقوق ضرور رکھتا تھا جن کو قبضہ کے حقوق سمجھنا چاہیے ۔ان کو عام طور پر بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا اور ان کی آراضی ان کے وارثوں کو منتقل ہوجاتی تھی ۔

---

[25] 'رسالۂ زراعت' ورق 92

ملاحظہ ہو' نظام آراضی' صفحہ 161 :۔ غیر مسکونہ کاشتکار 'پیکاشت' کہلاتے تھے جیسا کہ اب بھی کہلاتے ہیں، مگر اکثر تلفظ مختلف ہوتا تھا مثلاً 'پیوکوشت' وغیرہ ۔ مسکونہ کاشتکاروں کو یا تو 'چھپربند' یا 'خودکاشت' کہلاتا تھا جیسا کہ اب بھی کہا جاتا ہے ۔

ساتھ ہی ساتھ ایسے کاشتکار بھی ہوتے تھے جو زمیندار کی مرضی سے آراضی جوتتے تھے اور ان کو زمیندار حسب منشا بے دخل کرسکتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کاشتکاروں کو کئی درجوں اور زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان کے حقوق اور اقتصادی حالات محل و مقام کے اعتبار سے ہر جگہ مختلف تھے۔

ملک کے جن علاقوں میں آراضی کاشت پر دینے سے قبل شرائط کے باقاعدہ اندراج کا رواج تھا، وہاں پر پٹہ اور قبولیت کی تحریر ایک مسلمہ کارروائی تھی۔ ہم یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ عمل بعض علاقوں تک محدود تھا یا بہت بڑے پیمانے پر برتا جاتا تھا۔ مگر جہاں بھی یہ عمل نافذ تھا وہاں غیر قانونی وصولیابی اور دست درازی کے مواقع یقیناً کم ہوجاتے تھے۔

کاشتکاروں کی حالت

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں کاشتکاروں کی جو حالت تھی اس کا حوالہ مختصر طور پر دیدیا جائے۔ مالگذاری کی مجموعی صورت حال کا بیان تفصیل کے ساتھ دوسرے باب میں آئے گا۔ یہاں محض یہ اشارہ کافی ہوگا کہ اس کی نوعیت ہر علاقے میں اور ہر مقام پر مختلف تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ کاشتکاروں کو اپنی پیداوار کا ایک تہائی سے لگا کر نصف تک مالگذاری کے طور پر ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ بات آراضی کی پیداوار اور زرخیزی پر منحصر تھی۔ جو جگہ جگہ مختلف ہوتی تھی۔ اس کو مالگذاری کے علاوہ بہت سی رقومات اور بھی ادا کرنی پڑتی تھیں۔ جو زمیندار کے حقوق اور مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کے اخراجات کی مدوں کے تحت شمار ہوتی تھیں[26]۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مطالبات مثلاً طلبانہ اور شکرانہ زمینداروں کے ذمہ ہوتے تھے۔ اور وہ اپنے بجائے ان کو کاشتکاروں پر ڈال دیتے تھے[27]۔ قانونگو اور چودھری جو رقم حق کے طور پر لیتے تھے وہ بھی رعیت سے وصول کی جاتی تھی۔ ہمیں علم ہے کہ ایک سرکار کا قانونگو رعیت کے حصہ دو فیصدی کا حقدار ہوتا تھا اور اسی حصے میں چودھری کا حق ایک فیصدی ہوتا تھا[28]۔ ظاہر یہ ہوا کہ اُس زمانے میں نظم و نسق کی جو صورت حال تھی وہ زراعت پیشہ طبقے کے مفادات کا اچھی طرح تحفظ نہیں کرتی تھی۔ بلکہ کاشتکاروں کو صریحاً نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

---

[26] 'سیاقنامہ' صفحہ 33 - 34

[27] 'دستور العمل مہدی علی خاں' ورق 13 الف

[28] 'دستور العمل بیکس' اوراق 42-44 الف

"ہدایت القواعد" کے ایک اقتباس سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ نظم و نسق کی روش کس حد تک کاشتکاروں کے مفاد کے خلاف تھی۔ یہ اقتباس یہاں پر تفصیل سے نقل کیے جانے کے قابل ہے۔ اس کا عنوان ہے" زمینداری کا طریقہ کار"۔ اس کو پڑھ کر آراضی کی وہ کیفیت جو رعیتی اور زور طلب علاقوں میں پائی جاتی تھی پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اہم عہدوں پر چھوٹے درجہ کے منصبداروں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مالگذاری کی وصولیابی کے لیے اپنے ماتحت تھوڑی سی تعداد میں سپاہی بھی رکھتے تھے۔ یہ قلیل تعداد باغیوں کو مرعوب کرنے کے لیے اکثر ناکافی رہتی تھی۔ باغی کی اصطلاح سے مراد وہ لوگ ہیں جو مالگذاری کی ادائیگی سے انکار کر دیتے تھے اور جن کے خلاف طاقت کا مظاہرہ یا واقعی استعمال لازمی تھا۔ یہ حکام باوجودیکہ دشواریوں سے دوچار ہوتے تھے مگر اپنے عہدے میں مزید ترقی کی خاطر کوشش کرتے تھے کہ جمع میں اضافہ دکھایا جائے۔ چنانچہ تخمینہ لگاتے وقت یہ لوگ رعیتی زمینداروں کی ساری املاک کو سامنے رکھتے تھے اور کافی بڑھا کر مالگذاری مقرر کرتے تھے۔ زمیندار عام طور پر یہ ترکیب کرتے تھے کہ اپنا بوجھ رعیت کی طرف منتقل کر دیتے تھے جو مصیبت جھیلتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حالات ناقابل برداشت ہو جاتے تھے تو رعیتی علاقوں کو چھوڑ کر زور طلب زمینداروں کے علاقے میں جاکر آباد ہو جاتے تھے۔ نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ زور طلب زمینداروں کے علاقے بتدریج زیادہ آباد اور خوشحال ہونا شروع ہو گئے دوسری طرف رعیتی زمیندار مفلس ہوتے گئے اور مالگذاری کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو گئی[49]

مندرجہ بالا شہادت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رعیتی علاقوں میں کاشتکاروں پر مالگذاری کی شرح زیادہ تھی اور وہ دست درازی اور ظلم کا شکار ہوتے تھے اس وجہ سے وہ اکثر بھاگ جاتے تھے اور ایسے علاقوں میں آباد ہو جاتے تھے جہاں اس قدر ظلم نہ ہوتا ہو۔ یہ شہادت محض جزوی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کی بنا پر سب جگہ کا حال ایک سا تصور کرنا غیر مناسب ہوگا۔ پھر بھی اس کو ایک علامتی حیثیت دینے میں ہم کو تامل نہیں ہونا چاہیے۔ اس سے اس زمانے کی کیفیت کا پتہ تھوڑا بہت ضرور چلتا ہے پوری سلطنت میں پائی جانے والی عام صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے مزید شہادتوں کی ضرورت ہے۔

اجارہ کی رسم الگ تھی۔ جس کا بہت بڑے پیمانے پر عملدرآمد تھا اور جس کو ہم ایک علٰحدہ باب میں بیان کریں گے۔ یہ طریقہ بھی کاشتکاروں کی حالت خراب کرنے کا باعث تھا۔ مجموعی طور سے اس زمانے میں نظم و نسق مستحکم نہیں تھا۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کاشتکاروں کو امن اور آسودگی سے محروم کرتی تھی

---

[49] ہدایت القواعد اوراق 64 ب - 66 ب

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ عام کاشتکار کے پاس نہایت قلیل وسائل تھے اور اس کی گذر بسر تنگی سے ہوتی تھی۔ معمولی کاشتکار کی اوسط آمدنی کا اندازہ لگانا اور درست اعداد و شمار مہیا کرنا بہت مشکل ہے۔ بہر حال اس کی بود و باش کا دار و مدار بہت سے معاملات پر تھا مثلاً وہ کس برادری سے تعلق رکھتا ہے، گاؤں کی نوعیت کیا ہے۔ زمیندار آیا ملحقہ گاؤں میں رہتے ہیں اور گاؤں کی تمام آراضی کاشتکار جوتتے ہیں یا صورت دوسری ہے۔ قابل کاشت آراضی کے لیے خواہشمند افراد کس قدر ہیں۔ کاشتکاروں کے پاس فی کس قابل کاشت آراضی کتنی ہے۔ عامل اور دیگر اہلکار کس حد تک دیانت دار ہیں۔ ان حقایق کو علاقہ وار جانچنے کے لیے ہم کاشتکاروں کی حالت کی بابت کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ فی الحال صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ کئی درجے تھے اگرچہ ان کی اکثریت مفلس تھی پھر بھی بعض کاشتکار ایسے تھے جن کو کچھ حقوق حاصل تھے اور ان کے پاس تھوڑے بہت وسائل تھے۔ یعنی دیہاتی اتر پردیش کی اصطلاح میں انکو "حیثیت دار" کہا جاتا تھا۔ دراصل یہ نتائج "رسالۂ زراعت" کی شہادت سے مزید تقویت پاتے ہیں، رسالہ مذکور سے واضح ہوتا ہے کہ پٹے دار رعیت کے زمرے میں آنے والے کاشتکار باحیثیت تھے۔ البتہ فصلی رعیت کی حالت افلاس زدہ تھی۔[30]

موضع کے خدمتگار

ہم کو علم ہے کہ ایک عام گاؤں میں دیہاتی زمیندار کاشتکار اور مزدور پیشہ یعنی زمین سے محروم لوگ رہتے تھے۔ اس کے علاوہ موضع کے خدمتگار ہوتے تھے۔ جن کو آج بھی بعض علاقوں میں خدمتی پرجا کہا جاتا ہے یہ پوری دیہاتی آبادی کی خدمت کرتے تھے خصوصاً زمیندار اور زراعت پیشہ کاشتکاروں کے کام انجام دیتے تھے۔ فارسی ماخذ دیہاتی خدمتگاروں کی بابت معلومات سے خالی ہیں۔ البتہ ان میں بلاہی کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ دراصل موضع کے خدمتگار کا احوال انیسویں صدی کے اوائل میں لکھی جانے والی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے جو مالگذاری کے حکام کی تحویل میں رہتی تھیں۔ انگریزی ریکارڈوں میں درج دیہاتی خدمتگاروں کے بیان کی تطبیق اور تائید اس موروثی خدمتگار کی موجودگی سے ہوتی ہے جو اتر پردیش کے بیشتر دیہاتوں میں آج بھی نظر آتا ہے۔ خدمتگاروں کی فہرست میں خاص اہمیت لوہار، بڑھئی اور نائی، دھوبی کو حاصل تھی[31] بعض

---

[30] 'رسالۂ زراعت' ورق 9 ب

[31] 'انتخابات ریونیو ریکارڈ' صفحہ 278

دیہات میں بھنگی بھی خدمتگار کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے ۔ عام طور سے خدمتگاروں کو جنس دی جاتی تھی اور ان کی ادائیگی کا یہی طریقہ آج بھی رائج ہے ۔ کلکٹر آگرہ نے ایک رپورٹ پیش کی تھی[32] جس کے مطابق مندرجہ ذیل افراد یعنی پورے دیہاتی خدمتگار مروجہ طور سے فی ہل دس سیر غلہ ہر کاشتکار سے لینے کے مستحق تھے[33] معلوم ہوتا ہے کہ بعض دیہات میں سقہ بھی کام کرتا تھا[34] اور اس کو بھی غلے کی وہی مقدار ملتی تھی ۔ دھوک یعنی گاؤں کا چوکیدار یا تو جنس لیتا تھا اور یا اس کو لگان معافی زمین تھوڑی سی دیدی جاتی تھی[35] بھنگی کو بھی زمین دی جاتی تھی مگر عام رواج یہی تھا کہ اس کو روزانہ فی گھر ایک روٹی ملتی تھی[36]

پٹواری ۔

پٹواری جس کو گاؤں کا منشی سمجھیے ایک اہم اہلکار ہوتا تھا ۔ اس کے فرائض "آئین اکبری" میں دیئے ہوئے ہیں ۔ بعد کی دستاویزوں سے ذرا بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ پٹواری کی آسامی سے متعلق جو فرائض تھے ان میں کوئی رد و بدل کی گئی ہو ۔ ابوالفضل کی اصطلاح ہے کہ ہر گاؤں میں ایک پٹواری ہوتا تھا ۔ وہ زراعت پیشہ لوگوں کی طرف سے ملازم ہوتا تھا[37] اور اس کو مجموعی وصولیابی کا ایک فیصدی ملتا تھا ۔ یہ رقم پٹواری کی صدودئی کہلاتی تھی[38] اس کے فرائض یہ تھے کہ مقدم اور کارکن کے ہمراہ تمام کھیتوں کی پیمائش کا اندراج پاس کرے اور تخمینے کے حسابات تیار کرے اور ان کی تصدیق کرتے[39] ۔ وہ وصولیابی کے کام میں بھی شریک رہتا تھا اور ایک کاغذ میں جس کو سرخط کہتے تھے وصولیابی کی وہ رقم جو رعیت سے وصول کی جاتی تھی لکھ کر کاشتکاروں کو دیتا تھا[40]

---

32 موضع کی خدمتگار پرجا میں لوہار ، بڑھئی ، نائی ، دھوبی شامل تھے ۔ (ریونیو ریکارڈ صفحہ 278)

33 انتخابات ریونیو ریکارڈ صفحہ 278

34 ایضاً

35 ایضاً صفحہ 278 ۔ بعض علاقوں میں پاسی لوگ موضع کی چوکیداری کرتے تھے ۔

36 ایضاً صفحہ

37 "آئین اکبری" ج 1 صفحہ

38 ایضاً ج 1 صفحہ 209 صدودئی کے لفظی معنی دو فیصدی شرح کے ہوتے ہیں ۔

39 ایضاً صفحہ 199

40 ایضاً صفحہ 199

اس کو رقم کی وصولیابی کرکے پرگنہ کے خزانے میں جمع کرنے کا اختیار ہوتا تھا[41] وہ تخمینے کی میزان ان کی رسید اور بقایا حسابات تیار رکھتا تھا۔ اس کو نسخہ توجیہہ کہتے تھے[42] بعض دوسری شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ پٹواری کے پاس مقامی زبان میں عامل کی وصولیابی کا تمام حساب بھی رہتا تھا۔ یہ حساب اصطلاح میں کاغذ خام کہلاتا تھا۔ جس کو باقاعدہ عملے کی مدد سے بعد میں فارسی میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ تاکہ وصولیابی میں عامل نے اگر کوئی بدعنوانی کی ہے تو اس کو پکڑا جا سکے[43]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کی ابتدا میں پٹواری کو زمیندار اپنے پاس سے رقم ادا کرتا تھا مگر اس رقم کو وہ کاشتکاروں سے چھ پیسہ فی روپیہ کے حساب سے خرچہ پٹواری کی مد میں وصول کرتا تھا[44] اور یہ رقم دامی کہلاتی تھی۔ ۱۱۶۹ فصلی کی ایک دستاویز میں ہم نے دیکھا ہے کہ زمیندار دامی کی رقم کاشتکاروں سے ایک فلس فی بیگھہ کے حساب سے وصول کرتا تھا اور یہ رقم سرہی یا زمینداری کے مطالبہ کے علاوہ ہوتی تھی[45]۔ اگر دامی کی یہ مد وہی دامی ہے جس کا تذکرہ انتخابات مالگذاری میں ہوا ہے اور جس کو پٹواری کی مد کے طور پر زمیندار وصول کرتا تھا تو ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل میں دراصل کاشتکار زمیندار کے ذریعہ پٹواری کو تنخواہ دیتے تھے۔

---

41 'آئین اکبری' ج ۱ صفحہ 200

42 ایضاً صفحہ 200

43 خلاصۃ السیاق ' اوراق 44 - 43 الف

44 انتخابات ریونیو ریکارڈ' صفحہ 279 - 278

45 'دستاویزات الہ آباد 322۔ مذکورہ دستاویز میں یہ بھی درج ہے کہ دامی کی شرح وہی ہے جو گذشتہ زمانے میں تھی۔

باب دوم

زمیندار اور زمینداری

فصل اوّل

ادارہ مذکور کی نمایاں خصوصیات

زمینداری کا ادارہ مغلوں کے نظام مالگذاری میں بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس کے ذریعہ آراضی پر اعلیٰ حقوق یا منافع کی نمائندگی ہوتی تھی۔ عام طور سے زمیندار بذات خود آراضی جوتتے نہیں تھے لیکن اس کی پیداوار میں حصے کے حقدار ہوتے تھے۔ زمینداری کے حقوق اور مفادات کی کیفیت جگہ جگہ مختلف ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک ہی علاقہ میں مختلف نوعیت کے زمینداری حقوق پائے جاتے تھے۔ مجموعی طور سے یہ حقوق اور مفادات مستقل اعتبار کے ہوتے تھے اور موروثی سمجھے جاتے تھے۔ بیشتر مثالوں سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ حقوق فتح کے وقت سے یا جس وقت آبادی قایم ہوئی تھی اس وقت سے چلے آرہے تھے۔ ایسی مثالیں بھی تھیں جن کی روسے حقوق مذکورہ بیع کے ذریعہ حاصل ہوئے تھے۔ اکثر و بیشتر یہ بھی ہوتا تھا کہ مختلف نوعیت کی زمینداری کے حقوق خود مغل حکومت کی طرف سے ادا کیے جاتے تھے۔

زمینداروں کے طبقے میں داخلی اعتبار سے جمود کی علامتیں خوب اچھی طرح پائی جاتی تھیں مگر بحیثیت ایک طبقہ خاص کے اس کو بلند مقام حاصل تھا اور یہ عام آراضی جوتنے والے عوام کی جماعت سے ممتاز تھا۔ آخرالذکر کے اوپر اسامی یا رعیت کی اصطلاح عاید ہوتی تھی۔ البتہ زمینداری کا مفہوم ذرا سا ڈھیلا اور وسیع تھا اور اس کے ذیل میں وہ سب لوگ آتے تھے جو مختلف شرائط کے تحت آراضی کے مالک تھے۔ مثال کے طور پر یہ مفہوم ان لوگوں پر نافذ تھا جن کے پاس موروثی زمینداری یا علاقہ اس شرط پر تھا کہ وہ ایک مقررہ رقم بطور پیشکش ادا کریں گے۔ ایسے لوگ بھی اس مفہوم کے تحت آتے تھے جو اپنی موروثی زمینداری کی کوئی پیشکش ادا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے پاس زمینداری بطور جاگیر کے تھی جو شہنشاہ کی خدمت گزاری کے عوض تنخواہ کی جگہ عطا کی جاتی تھی۔ گویا منصب کا درجہ

رکھی تھی۔ کسی شخص کو منصب کے ساتھ ساتھ زمینداری کے حقوق شاہی فرمان کے ذریعہ بھی عطا کیے جا سکتے تھے۔ جس میں یہ حوالہ ہوتا تھا کہ فلاں آدمی فلاں علاقہ کا زمیندار مقرر کیا گیا ہے لیکن یہ موروثی حقوق نہ ہونگے۔ زمیندار کی اصطلاح اس شخص کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی جس کو آراضی پر بعض حقوق ہوتے تھے۔ ان حقوق اور مفادات میں مال واجب یا مالگذاری بھی شامل تھی جو مفصل تخمینے کی بنیاد پر مقرر کی جاتی تھی۔ زمینداروں کے زمرے میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کو تعلقدار کہا جاتا تھا۔

یہ بات ظاہر ہوئی کہ مختلف قسم کی زمینداریاں مختلف شرائط پہ حاصل ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کے حدود اور وسعت میں بھی بڑا فرق ہوتا تھا۔ ایک یا دو گاؤں میں حصے داری بھی زمینداری سمجھی جاتی تھی بشرطیکہ مال واجب کی ادائیگی کی شرط پوری ہوتی ہو اور بعض اوقات تنہا ایک زمیندار یا متعدد حصے داروں کے پاس کئی کئی گاؤں ہوتے تھے۔ ایسی بھی مثالیں عام تھیں کہ کسی ایک زمینداری کے حدود میں نہ صرف متعدد گاؤں بلکہ پورا پرگنہ یا اس سے بھی زیادہ علاقہ آتا تھا جس کا مال واجب یکجا ادا کیا جاتا تھا[1]۔ اسی طرح پیشکش کی ادائیگی والی زمینداری بھی حدود کے اعتبار سے چند مواضعات یا ایک پرگنہ یا پرگنہ سے زیادہ وسیع علاقہ پر مشتمل ہو سکتی تھی۔ بعض اوقات پیشکشی زمیندار کے پاس پوری سرکار بلکہ اس سے بھی زیادہ علاقہ ہوتا تھا۔ یہی حال تعلقوں کا تھا یعنی ایک تعلقے میں ایک دو گاؤں سے لگا کر بیسوں گاؤں ہو سکتے تھے۔

وہ زمیندار جو مغل شہنشاہ کی بالادستی تسلیم کرتے تھے اور حکومت کے مطیع تھے اور جن کو راجہ کہا جاتا تھا ان کی بھی کئی قسمیں کرنی پڑیں گی پہلی قسم میں وہ راجہ یا زمیندار ہیں جو مغل شہنشاہ کی بالادستی تسلیم کرتے تھے مگر کسی قسم کی فوجی یا مالی ذمہ داری سے مستثنیٰ تھے۔ ان کی اطاعت کا اظہار اس سے ہوتا تھا کہ ان کے علاقے میں مغلوں کا سکہ چلتا تھا۔ دوسری قسم ان زمینداروں کی ہے جو شہنشاہ کی اطاعت کرتے تھے اور ان کے حقوق اپنے اپنے علاقوں پر اس شرط کے ساتھ بحال رہتے تھے کہ ایک مقررہ رقم بطور پیشکش ادا کریں گے یا صوبائی ناظم کے حکم پر فوجی خدمت کے لیے حاضر رہیں گے۔ ان میں سے بعض کا نام منصبداروں کی فہرست میں داخل کر لیا جاتا تھا اور ان کی زمینداری تنخواہ کے بالعوض جاگیر شمار ہوتی تھی۔ ان کو اپنے منصب کے مطابق شاہی خدمت انجام دینا پڑتی تھی اور ان پر داغ و تصدیق کے قوانین کی پابندی بھی لازم

---

[1] بنگال ضلع ریکارڈ رنگپور ج لم 87 - 1786 صفحہ 83, 82, 32 بنگال ضلع ریکارڈ دیناجپور 88-1786 صفحہ 175, 174, 171, 78 حکومت بنگال کے ریکارڈ 70-1769 صفحہ 78, 68 بہار کے الگذاری سرمایہ صفحہ 31 22 دستور العمل بیکس ورق 50 الف 52 ب۔ ریاض السلاطین صفحہ 306, 305

تھی۔[2] بعض مخصوص حالات میں ایسے زمیندار کو جو صاحب منصب بھی ہے قوانین مذکورہ پر پابندی سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا لیکن لازمی طور پر اس کو سواروں کی مقررہ تعداد رکھنی پڑتی تھی اور حسبِ حکم ان سواروں کو خدمت کے لیے حاضر کرنا پڑتا تھا۔[3]

وہ زمیندار جو شہنشاہ کی بالادستی تسلیم کرتے تھے   مگر فوجی خدمت اور مالی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ تھے ان کا مطالعہ فی الحال یہاں نہیں کیا گیا ہے مغل مملکت سے ان کے روابط سیاسی اور فوجی نوعیت کے تھے۔

پیشکشی زمیندار

وہ زمیندار جو پیشکش باندرانہ ادا کرتے تھے ان کو زیرِ نظر مآخذ میں پیشکشی[4] مقرری[5] اور غیر عملی[6] اصطلاحوں سے یاد کیا ہے۔ وہ زمیندار جو پیشکش ادا کرتا تھا اور جو مال واجب دیتا تھا دونوں میں نمایاں اور واضح فرق تھا جس کی مثالیں موجود ہیں۔ بیرم بھوم کا زمیندار پیشکش ادا کرتا تھا مگر محمود شاہ کے عہد میں اس کو مال واجب کی ادائیگی پر مجبور کیا گیا۔[7] مال واجب کا مفہوم قطعی واضح ہے یعنی وہ مالگذاری جو آراضی مزروعہ کی پیمائش کے بعد اور گذشتہ فصلوں کی پیداوار کا جائزہ لے کر الگ الگ مواضعات میں مقرر کی جاتی تھی مگر پیشکشی زمینداری کے اندر مزروعہ آراضی کے حساب سے تخمینہ نہیں لگایا جاتا تھا۔

مرآۃ احمدی کے ضمیمے کی شہادت سے پیشکشی زمینداروں کے آغاز و اطوار پر روشنی پڑتی ہے اور یہ

2۔ مغلوں کا صوبائی انتظام، سرن، صفحہ 114، 133، 136؛ مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 199، 224، 227، 228، 229، 300

3۔ مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 239۔ اقبال نامہ صفحہ 119

4۔ تاریخ شاکر خانی۔ ورق 27 الف۔ مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 128

5۔ منتخب اللباب۔ ج 2۔ صفحہ 768۔ سیر المتاخرین صفحہ 305

6۔ مرآۃ احمدی صفحہ 190، 192، 200، 203، 207 یہ ملحوظ رہے کہ ان زمینداروں کے مواضعات کو جو پیشکش ادا کرتے تھے، غیر ملکی کہا گیا ہے۔ یہ صفت اس زمینداری کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے جس پر پیشکش ادا کی جاتی تھی۔ ملاحظہ آدابِ عالمگیری، اوراق 119 ب 120 الف۔

7۔ سیر المتاخرین صفحہ 305

بھی پتہ چلتا ہے کہ بعد میں کیا صورتِ حال پیش آئی اور اٹھارہویں صدی کے اوّل میں ان کی کیا حالت تھی۔ شہادت[8] مذکورہ پر غور کرنے سے اور اس کا اچھی طرح تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل میں پورا صوبہ گجرات دو قسم کی سرکاروں میں بٹا ہوا تھا جن میں ایک پیشکشی اور دوسری خراجی سرکار کہلاتی تھی۔ پورا صوبہ سولہ سرکاروں میں تقسیم تھا جس میں دس خراجی بتائی گئی ہیں[9] اور باقی چھ پیشکشی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب گجرات کا صوبہ فتح ہوا تو چھ سرکاریں یعنی ڈانگرہ، بانس بالا، سونٹ، سروہی سلیمان نگر (جو کچھ کہلاتی تھی) اور رام نگر زمینداروں کے قبضے میں بحال رکھی گئیں بہرحال ان زمینداروں کے لیے لازمی قرار پایا کہ وہ ناظم صوبہ کے حکم پر فوجی خدمت انجام دیں گے اور فوج کی ایک مقرّرہ تعداد اپنے پاس تیار رکھیں گے! اورنگ زیب کے عہد کے آخری سال میں انھوں نے ناظم کی خدمت بندی کر دی[10]۔ باقی دوسری سرکاروں کو خراجی کہا گیا ہے۔ ان سرکاروں میں مجموعی طور سے مالگذاری کی وصول یابی ہوتی تھی۔ بہرحال ان سرکاروں کے اندر بھی بعض قطعات دیہات اور پرگنے ایسے تھے جہاں زمیندار مال واجب کے بجائے فقط پیشکش ادا کرتے تھے۔ ایسے زمیندار مواضعات یا پورے پرگنے کے مالک تھے اور پیشکش ادا کرتے تھے، وہ زمیندار کہلاتے تھے[11]۔

---

[8] مراۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 188

[9] خراجی سرکار کا مطلب یہ ہے کہ ان سرکاروں میں جملہ آراضی کا مفصل تخمینہ موضع کے حسابات کی بنیاد پر لگایا جاتا تھا اور ان کی جمع کی رقومات بطور دوامی کے دی ہوئی ہیں پیشکشی سرکاروں میں پیشکشی زمینداروں کا قبضہ تھا اور جب کبھی ان پر دباؤ ڈالا جاتا تھا اس وقت وہ لوگ پیشکش ادا کر دیتے تھے۔

[10] مراۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 188

[11] مراۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 188

انتظام مالگذاری کا یہ مخصوص نمونہ سلاطین گجرات کی میراث تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے گجرات کو فتح کیا اس وقت صوبے میں کولیوں اور راجپوتوں کے مضبوط قبائلی علاقے تھے سلاطین کی حکمرانی کے تحت راجپوت اور کولی مغلوب ہو گئے اور انھوں نے فوجی خدمت انجام دینے اور مالگذاری ادا کرنے کا اقرار کر لیا پیداوار کا سرکاری حصّہ وصول کرنے کا انتظام ایک خاص طریقے سے ہوتا تھا طے پایا تھا کہ ان لوگوں کے ہر وطن یعنی مواضعات ان کی گذر بسر کے لیے چھوڑ دیئے جائیں جن کو بنٹھ کیا جانے لگا بہرحال ان کو بنٹھ آراضیات سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک چوتھائی سلامی کے

اس طرح معلوم ہوا کہ پیشکشی زمینداروں کی تین قسمیں تھیں یعنی پوری ایک سرکار کے زمیندار، پورے پرگنے یا متعدد مواضعات کے زمیندار جن کو رسمی زمیندار کہا جاتا تھا اور چھوٹے زمیندار جن کے پاس محض چند گاؤں ہوتے تھے۔ ایک پرگنہ کے پیشکشی زمیندار مرتبہ میں سرکار کے زمیندار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ لیکن شہنشاہی کنٹرول ان پر سرکار کے زمینداروں کی نسبت زیادہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار کے زمیندار خود مختار حیثیت رکھتے تھے اور مغل حکومت ان کے علاقوں کی داخلی عملداری میں کوئی مداخلت نہیں کرتی تھی لیکن پرگنہ کے زمیندار جو رسمی زمیندار کہلاتے تھے۔ ان کا معاملہ ایسا نہ تھا بلکہ ان کی زمینداری پر تھوڑا سا حکومت کا کنٹرول رہتا تھا۔ یہ نتیجہ ایک مختصر اندراج کی بنا پر اخذ کیا گیا ہے جو راج پیپلا کے زمیندار کے بارے میں ملتا ہے۔ وہ اسی زمینداروں کے زمرے میں شامل تھا۔ اندراج سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راج پیپلا کی زمینداری میں ایک قاضی، ایک وقائع نگار اور ایک ڈیسائی مقرر تھا۔ زمیندار کو ڈیسائی کے تقرر کے خلاف شکایت ہوئی اور ڈیسائی کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں زمیندار کے خلاف فوجی کاروائی عمل میں آئی اور اس کو مجبور کیا گیا کہ پیشکش کی رقم بطور ہرجانہ ادا کرے[13]۔ ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مغلوں کا عدالتی نظام بھی طاقت سے نافذ کیا جاتا تھا۔ ڈیسائی کے تقرر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مالگذاری کے حسابات کو نظر میں رکھتا تھا اور موقعہ پڑنے پر مداخلت کا اختیار رکھتا تھا۔ بہر حال عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اسی زمیندار کا پرگنہ فوجدار کی عملداری کی حدود میں واقع ہوتا تھا اور برابر فوجدار کی نگرانی اور کنٹرول میں رہتا تھا[14]۔ ظاہر ہے کہ چھوٹے زمیندار بالکل ہی فوجدار کی عملداری کے تحت ہوتے تھے اور ان کی زمینداری اس علاقہ کے اندر ہوتی تھی جو فوجدار کے احاطۂ اختیار میں آتا تھا۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر پیشکش زمیندار راجہ کا خطاب رکھتا ہو نہ وہ سب کے سب ہندو تھے[15]۔ یہ فرض کرنا بھی

گزشتہ:۔ بطور ادا کرنا پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف حدود کی زمینداریاں قائم ہو گئیں۔ جن کا رقبہ بعض صورت میں ایک موضع اور کہیں موضع سے زیادہ حتیٰ کہ ایک پرگنہ پر مشتمل تھا۔ وہ زمیندار جن کے پاس متعدد مواضعات یا ایک پورا پرگنہ تھا ان کو اسی زمیندار کہا جاتا تھا۔ اور ان پر فوجی خدمت انجام دینا واجب تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکبر نے اس پرانے عمل کو جاری رکھا اور سلامی بالآخر پیشکش کہلانے لگی۔ اٹھارھویں صدی کے نصف اول تک زمینداروں نے فوجی خدمت بند کر دی مگر ناظم کو پیشکش ادا کرتے رہے۔ (مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 224، 225)

[13] مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 233

[14] مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 200، 201، 210، 211، 214

[15] ریاض السلاطین صفحہ 305، 306 مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 201۔

صحیح نہ ہوگا کہ پیشکشی زمینداری کا علاقہ ہمیشہ بہت زیادہ وسیع ہوتا تھا۔ اگرچہ بہت سی زمینداریاں بلکہ ان میں سے بیشتر سالم رہتی تھیں اور تنہا ایک وارث کے پاس منتقل ہوتی تھیں اور ان کو راج یا ریاست کہا جاتا تھا مگر ایسی صورت بھی پیش آتی تھی کہ وہ قانون وراثت کے مطابق تقسیم ہو جاتی تھی۔[16] بعض اوقات غیر عملی مواضعات پر ایک سے زیادہ زمینداروں کا عمل دخل ہوتا تھا۔[17] اس طرح پیشکش ادا کرنے والے زمینداروں کو بھی کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کی حیثیت اور اختیارات میں بہت کافی فرق تھا۔ یہ فرق اس بات پر بھی منحصر تھا کہ علیحدہ علیحدہ زمینداریاں کب اور کس طرح شروع ہوئیں اور بعد کے زمانے میں کیا صورتِ حال پیش آتی رہی۔

پیشکشی زمینداروں کے بارے میں مندرجہ بالا بیانات کا دارومدار صوبہ احمد آباد کے پرگنات اور سرکاروں کی بابت موجود اعداد و شمار پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی سرکاروں کے اندر جن کو خراجی کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات چند مواضعات ہوتے تھے۔ جن کی تعداد کے متعلق سات سے لے کر دو سو تک کی شہادت موجود ہے۔ بعض اوقات ایک پرگنہ یا اس سے بھی زیادہ علاقہ شامل ہوتا تھا۔ ان سرکاروں پر پیشکش ادا کرنے والے غیر عملی زمیندار مالک و قابض رہتے تھے۔[18] مندرجہ ذیل خصوصیات کے ذریعہ مواضعات کا امتیاز کیا جاتا تھا جو غیر عملی کہلاتے تھے:۔

۱۔ سرکاری حکام مالگذاری کا تخمینہ لگانے کے لیے ان مواضعات میں اراضی کی پیمائش نہیں کرتے تھے۔

2۔ زمیندار مقامی حکام کو تخمینے کے کاغذات پیش نہیں کرتے تھے۔

3۔ اور اگر بالفرض پورا پرگنہ زمیندار کے پاس تھا تو اس میں واقع مواضعات کی تعداد اور ان کے بارے میں کسی قسم کی معلومات سرکاری دفتر میں حکام کے پاس نہیں رہتی تھی۔

4۔ زمینداروں کو عموماً پیشکش کی مقررہ رقم ادا کرنی پڑتی تھی لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ وصولیابی کے وقت عامل اور زمیندار کے درمیان باہمی رضامندی سے کوئی رقم طے پا جائے۔

5۔ ایسے پرگنوں میں جہاں غیر عملی زمینداروں کی ملکیت میں فقط چند مواضعات ہوتے تھے وہاں جمع دامی رقومات فقط رعیتی مواضعات کی دکھائی جاتی تھیں۔

6۔ اگر پورا پرگنہ غیر عملی تھا تو ایسی صورت میں جمع دامی رقومات دکھائی جاتی تھیں لیکن ان رقومات کی

16۔ مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ

17۔ ایضاً صفحہ 191 و 192

18۔ مرآۃ احمدی ضمیمہ صفحہ 188 - 198

وصولیابی پیشکش کی مد میں کی جاتی ہے۔

ماخذ مذکورہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خراجی سرکاروں کے اندر تین طرح کے پرگنے ہوتے تھے۔

1. وہ پرگنے جن میں غیر عملی مواضعات یا پیشکشی زمینداری کا وجود نہیں تھا۔

2. وہ پرگنے جو پورے طور سے غیر عملی زمینداروں کے قبضہ میں تھے اور مغل حکومت کے محکمہ مالگذاری میں ان پرگنات میں واقع مواضعات کی تعداد تک درج نہیں تھی۔

3. وہ پرگنے جن میں چند غیر عملی مواضعات زمینداروں کی ملکیت میں تھے۔ ان مواضعات کی تعداد سات سے لگاکر دو سو تک ہے بلکہ کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ تھی۔[19]

تعلق دار

تعلق دار بھی زمیندار طبقے سے تعلق رکھتے تھے البتہ مملکت کے مختلف حصوں میں تعلقہ اور تعلق دار کی اصطلاحیں ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال کی جاتی تھیں۔ انیسویں صدی کے اوائل کی ایک تالیف میں دونوں اصطلاحوں کے مفہوم کو سمجھایا گیا ہے اور مذکورہ بالا تالیف کے بیان کی تصدیق ایک دوسری شہادت سے بھی ہوتی ہے اس تالیف میں تعلقوں کی جو نوعیتیں اور تعریفیں بیان کی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:[20]

1. تعلقہ انتظامی مصلحت کے پیش نظر سرکاری حکام بنا دیتے ہیں۔

2. ایسی آراضی مراد تھی جس پر ایک با حیثیت شخص کسی دوسرے غریب زمیندار کی طرف سے نگرانی کا مجاز ہو اور حکومت کو مالگذاری کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو۔

3. وہ آراضی جو دیگر زمینداروں نے کسی ایسے چھوٹے زمیندار کو جو کہ حکومت میں کچھ رسوخ اور رسائی رکھتا ہو اور اس کو آراضی مقبوضہ کی مالگذاری وصول اور ادا کرنے کا اختیار ہو۔

4. تعلق دار وہ ہوتا تھا جو متعدد مواضعات کی مالگذاری ادا کرتا ہو۔ مگر وہ مواضعات ایک تنہا شخص کے بجائے بہت سے حصہ داروں کی ملکیت ہوں۔

5. وہ شخص جس نے کچھ مواضعات خرید لیے ہوں مگر اس کی زمینداری کو زیادہ عرصہ نہ ہوا ہو۔

لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ تعلقہ کا مطلب کہیں وہ انتظامی حلقہ تھا جو حکام کی طرف سے بنا دیا ہو کہیں تازہ خریدی

---

[19] ملاحظہ ہو ضمیمہ ب

[20] Add 6603 اوراق 54 ب ' 55 الف

ہوئی زمینداری اور کہیں ایسی آراضی مراد تھی جس پر کوئی شخص دوسرے زمینداروں کی طرف سے مجاز و مختار بنا دیا گیا ہو۔[21]

مرآۃ احمدی کی شہادت سے تعلقہ کی اصطلاح کے بارے میں جس طرح کہ وہ گجرات میں استعمال ہوتی تھی، مزید معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گجرات میں اس لفظ سے مراد وہ مواضعات تھے جو کولیوں اور راجپوتوں کے پاس بنٹہ آراضی کی حیثیت سے تھے۔ ایسی زمینوں کا تخمینہ براہ راست سرکاری حکام نہیں لگاتے تھے۔ جن لوگوں کے پاس یہ تعلقے تھے وہ زمیندار کہلاتے تھے اور ایک متعین پیش کش ادا کرتے تھے۔[22] بنگال کے ضمن میں ایک شہادت موجود ہے جس میں تعلقہ کی تعریف بطور چھوٹی زمینداری کے کی گئی ہے۔ اور تعلقدار کو چھوٹا زمیندار بتایا گیا ہے۔[23] ایک دوسری تالیف میں، جو صوبہ مذکور سے متعلق ہے، تعلق دار کو مستاجر (اجارہ دار) کے برابر کہا گیا ہے جو کہ مستقل اور متعین حقوق نہیں رکھتا تھا۔[24]

یہ تعریفیں جو فارسی مآخذ میں کی گئی ہیں ان کی تصدیق اور بعض جگہ ترمیم و اضافے کے ساتھ تائید ان شہادتوں سے بھی ہوتی ہے جو ابتدائی دور کے انگریزی حکام کی تالیفات میں ملتی ہیں۔

مرکزی صوبوں میں تعلقہ سے مراد وہ انتظامی حلقہ ہوتا تھا جس کی تقسیم حکومت کے ذریعہ عمل میں آئی ہو۔ مالکم کے نزدیک "ایک چھوٹا ضلع جو پرگنہ سے بھی چھوٹا ہو تعلقہ کہلاتا تھا۔"[25] دوسری بات یہ کہ تعلقہ سے مراد وہ آراضی ہوتی تھی جس پر ایک تنہا فرد جو زمیندار بھی واقع ہوا ہو دوسرے زمینداروں کی رضامندی سے منجانب ان زمینداروں کے مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کا مجاز ہو جیسا کہ اوپر کی سطروں میں بتایا جا چکا ہے۔ مثلاً شمالی مغربی صوبوں کے تعلقدار بھی ایسے ہی تھے۔[26] شمالی مغربی صوبوں کے مالگذاری ریکارڈوں کی چھان بین سے یہ پتہ

---

21 Add 6603 اوراق 54 ب، 55 الف۔

22 ملاحظہ ہو باب اول۔

23 دفتر خالصہ، اوراق 9 ب۔ 10 الف

24 Add 190,54 ورق 100 الف

25 مرکزی ہندوستان کی یادداشتیں، مالکم، صفحہ 5 حاشیہ۔

26 صوبے میں تعلق داری کی خصوصیات کا خلاصہ ذیل میں پیش ہے:۔

(الف) تعلقہ ایسی جائیداد تھی جس کے بہت سے مالک ہوتے تھے۔ ان میں ایک اعلیٰ بقیہ ادنیٰ جائیداد کے خارج دو فریقوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔

چاکہ صوبجات مذکورہ میں تعلق داروں کا وجود نسبتاً حال کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ دراصل وہ مستاجر اجارہ دار تھے۔[27] معلوم ہوتا ہے کہ تعلق داری کے حقوق بیع یا رہن کے ذریعہ منتقل نہیں کیے جا سکتے تھے۔ البتہ موجودہ شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ اکثر و بیشتر وراثت میں ملتے تھے۔ عمومی طور سے شمالی مغربی صوبوں کے تعلق دار اپنے مرتبہ و مقام کی منفعت کو موروثی سمجھتے تھے مگر اراضی کی ملکیت کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے تھے۔[28]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شمالی مغربی صوبے میں تعلق داری کا عہدہ ادارۂ اجارہ داری سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ بہرحال ان دونوں میں جو اہم فرق تھے وہ بھی صاف معلوم ہوتے ہیں۔

درحالیکہ تعلق دار کا عہدہ موروثی تھا مگر اجارہ دار کو اس قسم کا کوئی حق نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ تعلق دار جہاں تک دوسرے زمینداروں کی رضامندی سے مالگذاری کی وصولیابی کا مجاز تھا۔ وہ ایک اجارہ دار کی حیثیت رکھتا تھا مگر وہ خود بھی زمیندار ہوتا تھا۔ ہمارے پیشِ نظر تالیفات میں سے ایک معتبر سند کی رو سے زمیندار اور تعلق دار کے درمیان سب سے اہم فرق یہ تھا کہ موخرالذکر نہ صرف زمیندار ہوتا تھا بلکہ دیگر زمینداروں کے مملوکہ مواضعات کی مالگذاری کی وصول و ادائیگی کا کام بھی انجام دیتا تھا۔[29] تیسرے درحالیکہ اجارہ دار حکومت یا جاگیردار کے اختیارات کی نمائندگی کرتا تھا مگر تعلق دار زمینداروں کا نمائندہ ہوتا تھا۔

تاریخ اراضی کے طالب کے لیے اودھ میں بڑے تعلقوں کی تشکیل کو سمجھنے کی خاطر عہدہ مذکورہ کی اس صورت کو دھیان میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ معاصر شہادتوں سے کہیں واضح نہیں ہوتا کہ بہت بڑی تعداد میں دیہاتی زمینداروں کے حقوق کا خاتمہ کس طرح ہوا اور تعلق داروں نے کیونکر ان کے حقوق کو غصب کر لیا۔ مگر انگریزی حکام کی تفتیش سے بعض نتائج برآمد ہوتے ہیں جن کے ذریعہ اس امر پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے اور یہ

گذشتہ:۔ (ب) اعلیٰ مالک کو تعلق دار کہتے تھے۔ جو زمینداروں کی رضامندی سے مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کے لیے بچولیا بن جاتا تھا۔ یہ عہدہ شہنشاہ کی طرف سے بھی ادا کیا جا سکتا تھا۔

(ج) بچولیا کی حیثیت سے وہ کچھ منافع یا حق لینے کا مجاز تھا۔ بہرحال تعلق دار ان لوگوں کے مالکانہ اور موروثی حقوق میں مداخلت نہیں کرتا تھا جن کی نمائندگی اس کے ذمہ تھی۔ ملاحظہ ہو ولسن کا حاشیہ بحوالہ گارڈن آف انڈیا صفحہ 33

[27] انتخابات:۔ مالگذاری ریکارڈ، صفحہ 89

[28] انتخابات:۔ مالگذاری ریکارڈ، صفحہ 89

[29] Add 6603 اوراق 54 ب 55 الف

واضح ہوتا ہے کہ تعلق داروں نے اپنی اعلیٰ حیثیت سے فائدہ اٹھا کر دیہاتی زمینداروں کا بہت بڑے پیمانے پر خاتمہ کیا اور تعلق داری کے عہدے کو اصل زمینداری حقوق میں منتقل کر لیا۔[30]

بہرحال بنگال میں تعلقہ کی اصطلاح سے مراد چھوٹا زمیندار ہوتا تھا یا ایسی زمینداری جو حال ہی میں خریدی گئی ہو اور بہت کافی عرصہ کی نہ ہو۔ اس کی تائید میں موضع کلکتہ اور دیگر مواضعات کے بیع نامے کی دستاویزی شہادت موجود ہے جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خریدے تھے۔ بیع نامے کی دستاویزوں میں ان کو تعلق دار بتایا گیا ہے۔[31] بنگال میں تعلقہ کی دو قسمیں کی جاتی تھیں۔ ایک حضوری اور دوسری مذکوری کہلاتا تھا۔ اول الذکر کی مالگذاری کسی اعلیٰ شخص مثلاً زمیندار یا مالک کے ذریعہ دی جاتی تھی۔ جن کے پاس پہلی قسم کے تعلقے تھے انکو زمینداروں یا مالکانہ حقوق رکھنے والوں کے طبقے میں شمار کیا جاتا تھا۔ مذکوری تعلقہ جب تک اس کی مالگذاری کی ادائیگی ہوتی رہے، موروثی اور قابلِ انتقال ہوتا تھا، مگر وارث نہ ہونے کی صورت میں اعلیٰ شخص کے حق میں ضبط ہو جاتا تھا۔[32]

فصل دوم

مال واجب ادا کرنے والے زمیندار

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ زمینداروں کا وجود فقط پہاڑی علاقوں میں یا مملکت کی سرحدوں کی طرف نظر آتا تھا۔ مثلاً ہمالیائی علاقے، راجپوتانہ، گجرات، اڑیسہ اور براد۔ دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ یہ زمیندار باجگذاروں[33] کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس مفروضہ کا مطلب یہ نکلا کہ باجگذاروں کے علاوہ دوسری نوعیت کے زمینداروں کی موجودگی سے صرف نظر کر لی گئی اور یہ سمجھا گیا کہ اس پر باجگذار موجود نہیں تھے۔ وہاں حکومت کو براہ راست کاشتکاروں سے ربط و ضبط قائم کرنا پڑتا تھا۔ یہ غلط فہمی "آئینِ اکبری" کے بعض مطبوعہ متون میں جو

---

[30] انتخابات :- مالگذاری ریکارڈ، صفحہ

[31] Add 4039 ، ورق 36 الف ب

[32] ولسن کا حاشیہ صفحہ 498 - پانچویں کمیٹی کی رپورٹ ج   پانچویں کمیٹی کی رپورٹ کی فہرست کی اصلاحات صفحہ 51 -

[33] مغلوں کا صوبائی انتظام، صفحہ 111 - 113

صوبائی اعداد و شمار کی غلط ترتیب پر مبنی ہے اور یہی غلطی انگریزی ترجمے میں بھی منتقل ہو گئی ہے۔ مطبوعہ متن اور ترجمے سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ ہر ایک محال کے ذیل میں جو ذاتیں (قومیں) دی گئی ہیں وہ گویا محال مذکور کی آبادی ظاہر کرتی ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ایک خطی نسخے کی چھان بین کے دوران میں بہت سے صوبائی اعداد و شمار سامنے آئے۔ نسخہ مذکور کے اندر چند باتیں جداگانہ خانوں کے ذیل میں دکھائی گئی ہیں۔ مثلاً پیمائش شدہ علاقہ۔ دامی، سیورغال، بومی اور زمیندار۔ مختلف محالوں میں ذاتوں (قوموں) کا اندراج زمیندار کے خانے کے تحت کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ابوالفضل نے فقط ان ہی قوموں کا اندراج کیا ہے جو اپنی محالوں میں زمیندار کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور اس مطالب کی حامل تھیں نہ کہ وہ سب قومیں جو محالوں میں سکونت پذیر تھیں۔ یہ حقیقت چند مستثنیات کے علاوہ اس امر سے بھی واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا خانوں میں جو اندراج نظر آتا ہے وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی اونچی ذاتوں پر مشتمل ہے جن کو کہ عام کاشتکاروں کی مجموعی تعداد سے علیحدہ شمار کیا جاتا تھا۔ لہٰذا جو بات واضح ہوتی وہ یہ کہ تقریباً تمام محالوں میں اور پوری مملکت کے اندر بشمولیت ان علاقوں کے جو مملکت کے مرکز میں واقع تھے۔ ہر جگہ زمیندار موجود تھے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ بعض علاقے ان زمینداروں کے پاس تھے جو پیشکش ادا کرتے تھے اور جن کو داخلی خود مختاری حاصل تھی۔ مگر محالوں کی اکثر و بیشتر تعداد پر نظر ڈالنے سے یہ شہادت نہیں ملتی کہ جہاں بھی زمینداروں کا حوالہ ہے وہ سب کے سب پیش کشی تھے۔ قابلِ لحاظ نکتہ یہ ہے کہ نہ عہدِ اکبری کے نظم و نسق کی تاریخ سے یہ امکان پیدا ہوتا ہے اور نہ پرگنوں میں مامور مالگذاری کے حکام کے نام جاری ہونے والی ہدایات سے کہیں پتہ چلتا ہے اور نہ احکامات سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے جن میں موضع کو تخمینے کی وحدت قرار دیا گیا ہے۔ یہ محالیں پیشکش ادا کرنے والے باجگذاروں کے تحت تھیں۔ اتفاقی شواہد کے علاوہ اکبر سے لگاکر محمد شاہ کے عہد تک دوسری مثبت اور محکم شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ زمینداروں کا ایک خاص طبقہ موجود تھا جو پیش کشی زمینداروں کے علاوہ اور ان سے علیحدہ تھا اور جو فصلوں کے مفصل تخمینے کی بنیاد پر باقاعدہ مالِ واجب ادا کرتا تھا۔

سب سے پہلی دستاویز جس سے اس نکتہ پر روشنی پڑتی ہے 994ھ مطابق 1585ء کا ایک بیع نامہ ہے[35]۔ یہ اودھ میں واقع موضع جرھا پرگنہ سندیلہ کے حقوقِ مالکانہ کے انتقال کی تصدیق بالعوض مبلغ

---

34. آئینِ اکبری۔ سلیمان۔ مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔

35. دستاویزات الہ آباد صفحہ 435، 418، 375، 370، 224، 219۔

ایک ہزار پانچ سو اڑسٹھ روپیہ بنام میاں اوتن ولد اودھن کرتا ہے۔ یہ بیع نامہ منجانب نراین و آشاد کشن وغیرہ کیا گیا تھا۔ جو براہمن قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ بہت سے دوسرے بیع نامے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حقوقِ مالکانہ قابلِ انتقال تھے اور ان کے بہت سے نام تھے۔ مثلاً بسوائی، سرتھی، زمینداری و ملکیت اور جن کو یہ حقوق حاصل تھے وہ زمیندار کہلاتے تھے۔[25]

یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ کلکتہ سمیت تین مواضعات کی زمینداری ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے خریدی گئی تھی۔ جس کو مواضعات مذکور کا تعلق دار کہا گیا تھا[26] اور مبلغ ایک ہزار ایک سو چورانوے روپیہ مال واجب یا مالگذاری کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔[27] اجمیر میں بھی ایسے زمیندار تھے جو مال واجب ادا کرتے تھے[28] بہار میں نیکاری، بوجھ پور، اور نامدار خاں میاں کے زمیندار در اصل بڑے زمیندار تھے مگر مال واجب ادا کرتے تھے۔[29] دستور العمل بیکس، میں شامل ایک دستاویز کی رو سے سرکار مراد آباد میں ایک زمیندار کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے جو مفصل تخمینے کی بنا پر مالگذاری دیتا تھا اور بعض حقوق رکھتا تھا جو ننکر اور دھیک کہلائے جاتے تھے۔

حکومت بنگال کے ریکارڈ، جو صوبجات جیلا پور اور ڈھاکہ کے بندوبست جو 1769ء اور 1770ء کی نقلوں پر مشتمل ہیں، کے مطالعہ سے پہلی بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ بنگال کے اس علاقے میں زمیندار مال واجب ادا کرتے تھے۔ دوسرے ان ریکارڈوں سے زمینداری کے مختلف رقبے ظاہر ہوتے ہیں مثلاً کوئی زمینداری ایک پرگنے پر مشتمل تھی کوئی پرگنے سے زیادہ تھی، کوئی صرف ایک تعلقہ، کوئی تعلقہ سے زیادہ اور کسی کا رقبہ فقط ایک ٹپہ تھا۔[30] لہذا پیشکشی زمینداروں کے علاوہ دوسرے زمیندار بھی تھے جو مال واجب ادا کرتے تھے اور جن

---

26 تعلق دار کئی مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ یہاں اس کا مطلب نئی خریدشدہ زمینداری کے مالک سے ہے جو ایک طریقے سے زمیندار سے ادنیٰ تھا۔ چونکہ موخرالذکر کو اپنی آراضی پر موروثی حقوق تھے۔

27 Add 6603 اوراق 36 الف ب۔ Add - 240 - 39 اوراق 36 الف ب 39 الف ڈس۔

28 وقائع صوبہ اجمیر، صفحہ 88، 89 مزید ملاحظہ ہو صفحہ 12، 13، 49، 61

29 ریاض السلاطین صفحہ 229 مزید ملاحظہ ہو بہار کی مالگذاری کے سربراہ صفحہ 22، 31 منتخب چہار۔ گلزار شجاعی اوراق 107 ب 108 الف ب

30 بنگال گورنمنٹ کے ریکارڈ صفحہ 67,69 مزید ملاحظہ ہو۔ بنگال کے ضلع ریکارڈ رنگپور ج، صفحہ 32,44,60

کی موجودگی حتمی طور سے اجمیر، دہلی، اودھ بہار اور بنگال میں نظر آتی ہے۔ ابتدائی انگریزی ریکارڈز صرف اس نتیجہ کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے زمیندار بہت کافی تعداد میں موجود تھے[41]۔

اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں ادارۂ زمینداری کے مطالعہ کے سلسلے میں ہمارے ماخذ بہت سی دستاویزوں پر مشتمل ہیں جو ریاست یو۔پی کے دفتر آثار واقع الہ آباد میں محفوظ ہیں۔ مزید ضروری شہادتیں آنند رام مخلص کی "مرآۃ الاصطلاح" اور دستورالعمل بکس، میں موجود ہیں۔ مذکورہ بالا ماخذ کے شواہد اور دیگر تاریخیں جو اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے بالکل اوائل میں تالیف کی گئیں اگر مجموعی طور سے سامنے رکھی جائیں تو زیر مطالعہ مدت میں ادارۂ زمینداری کی ایک واضح تصویر سامنے آتی ہے جس کا سمجھنا بالکل آسان ہے۔

زمینداری کی تعریف

آنند رام مخلص کے نزدیک جو محمد شاہ کے دربار سے وابستہ تھا، لفظ زمیندار کے معنی دراصل ایسے آدمی تھے جس کی زمین پر ملکیت ہو لیکن اس کے اپنے زمانے میں اس لفظ سے مراد وہ شخص تھا جو کسی گاؤں یا قصبے میں آراضی رکھتا ہو اور اس پر کاشت کرتا ہو[42]۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر کی ایک تالیف میں اس سوال کا جواب کہ آیا آراضی کا مالک بادشاہ ہے یا زمیندار یہ بتایا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں ملک کے ہر حصے میں آراضی کے مالک راجہ اور زمیندار رہتے۔ تیمور شاہ کے عہد حکومت سے (غالباً مؤلف کا مطلب مغل حکومت کے قیام سے ہے) آراضی کا مالک بادشاہ ہوگیا اور زمیندار کو مقرر یا معزول کرنے کا اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں ہوگیا۔

زمیندار کے اقتدار اور اختیارات کے سلسلے میں جستجو کے بعد معلوم یہ ہوا کہ وہ اپنے اختیارات زمینداری حقوق سے حاصل کرتا ہے جو اس کو کاشت کرنے والے مزارعین پر حاصل ہیں۔ دوسرے یہ کہ زمینداری حقوق نانکار پر مشتمل ہیں جو آراضی مزروعہ سے متعلق خدمت کے انعام کی حیثیت سے عطا کیے گیے ہیں[43]۔ ایک دوسری

گذشتہ۔ 106، 86، 83، 82، 61 دیناجپور ضلع کے ریکارڈز صفحہ 175 پٹہ متعدد مواضعات پر مشتمل ہوتا تھا اور تعلقہ کے مقابلے میں مالگذاری انتظام کی نسبتاً چھوٹی اکائی کی حیثیت رکھتا تھا۔

[41] بنگال کے ضلع ریکارڈز دیناجپور صفحہ 155۔ رنگپور صفحہ 32، 104۔ مالگذاری ریکارڈ صفحہ 19-11284 134 برٹش انڈیا کا مالگذاری نظام صفحہ 154، 170

[42] مرآۃ الاصطلاح ورق 122 ب

[43] Add 19504 ورق 100 الف

تالیف میں جو انگریزی حکام کے استفادہ کی غرض سے انیسویں صدی میں لکھی گئی۔ زمیندار کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسا شخص جو زمین کی نگرانی کرتا ہو۔[44] تالیف مذکورہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کے آغاز کے بعد ایسے لوگوں کو زمیندار کہا جانے لگا۔ زمین حصوں میں بانٹ دی گئی اور ہر زمیندار کو سند اور نانکار عطا کر دی گئیں زمیندار اپنی زمینداری کو بیچ کرنے کا مجاز تھا۔ اگر اس سے کوئی جرم سرزد ہو جائے تو بادشاہ کو یہ اختیار تھا کہ اس کی زمینداری ضبط کر کے کسی دوسرے شخص کے نام منتقل کر دے۔ البتہ یہ اختیار صوبے دار اور امرا استعمال نہیں کرتے تھے۔ زمینداروں کو جو حقوق اور اختیارات[45] عطا کیے جاتے تھے وہ نانکار سایر[46] چوتھ[47] اور مالکانہ[48] پر مشتمل ہوتے تھے۔

وہ زمیندار جو مفصل تخمینے کی بنیاد پر متعینہ مالگذاری ادا کرتے تھے ان کو کئی زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ اوّل وہ زمیندار تھے جن کی مشترکہ زمینداریوں میں حصے داریاں تھیں جن کو پتی داری' بھیاچاری' اور بسوہ داری کہا جاتا تھا۔[49] یہ شہادت موجود ہے کہ اس قسم کی زمینداری سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں موجود تھی اور انگریزی ریکارڈ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ نظام جو اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل میں نافذ تھا' مسلسل جاری رہا' یہ زمینداریاں ایک یا ایک سے زیادہ مواضعات پر مشتمل ہوتی تھیں مگر ان میں حصے دار متعدد ہوتے تھے جو اکثر و بیشتر ایک ہی جدی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ ہم نے پڑھا ہے کہ موضع پٹواری پور میتیون پرگنہ سندیلہ کے زمینداری حقوق مسمیاں سابا' ساہا اور گوبندی کے پاس تھے۔ جنہوں نے موضع مذکور کی ساری حصے داری بجواری لال سین کو مبلغ آٹھ سو پانچ روپیہ تیرہ پیسہ میں بیچ

---

44. Add - 6603 ورق 65

45. Add - 6603 ورق 65 الف۔

46. آراضی کی کاشت کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی گئیں ان کے بالعوض دس فیصدی حق۔ Add 19065 ورق 10 الف

47. زمیندار کا ایک چوتھائی کا حصہ ان واجبات پر جو سایر کے عنوان سے وصول کیے گیے' یعنی یہ واجبات مالگذاری کے علاوہ تھے۔ (Add 6603 ' ورق 65، 77 الف)

48. زمیندار کے حقوق مالکانہ کا دس فیصدی حق جو کہ نقدی یا جنس کی صورت میں متعین ہوتا تھا (Add. 6603 ورق 65-77 الف ب۔ مالگذاری ریکارڈ صفحہ 5)

49. دستور العمل مہدی علی خاں ورق 5 ب۔ مزید ملاحظہ ہو۔ برٹش انڈیا کا مالگذاری نظام صفحہ 67، 68

کردی گئی[50] سنہ 1141 فصلی / 1734 کی ایک دوسری دستاویز سے مواضعات باقرنگر اور پیٹی مرجوپور کی فروختگی کا پتہ چلتا ہے جو مشترکہ زمینداری کے طور پر حصہ داروں کی طرف سے عمل میں آئی تھی۔[51] اسی طرح کی ایک دوسری دستاویز ہے جس کے ذریعہ متعدد حصہ داروں کی طرف سے مواضعات سکندرپور، لکھن پور، لودھیا واقع پرگنہ سیرا سرکار خیرآباد کی بیع کا پتہ چلتا ہے۔[52] دوسرے وہ لوگ تھے جنکی زمینداریاں تنہا ان کے یا ان کے خاندان کے پاس تھیں اور بعض اوقات یہ متعدد مواضعات پر مشتمل ہوتی تھیں جن کو تعلقہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔[53] مرادآباد کی سرکار میں واقع جھنگر کے زمیندار سوبھا سنگھ کے پاس متعدد مواضعات کے زمینداری حقوق تھے وہ اپنی زمینداری کو تعلقہ کہتا تھا۔ آخر میں ایسی زمینداریاں بھی تھیں جو خاصی بڑی تھیں اور جن میں بہت کافی مواضعات یا متعدد تعلقے یا ایک پرگنہ یا پرگنے سے بھی زیادہ علاقہ شامل تھا۔ بنگال میں ایسی زمینداریاں جو ایک پرگنہ یا اس سے بھی زیادہ یا متعدد تعلقوں پر مشتمل تھیں۔ عام طور پر نظر آتی ہیں۔[54] مگر ساتھ ہی بنگال میں چند مواضعات پر مشتمل مشترکہ زمینداریوں کے نشانات بھی نظر آتے ہیں۔[55] اسی طرح بہار کی شہادت موجود ہے کہ وہاں بھی ایک پرگنہ یا اس سے زیادہ پر مشتمل زمینداریوں کا وجود تھا۔[56] "دُرّ العلوم" کی فراہم شدہ شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مشترکہ خاندان کے پاس پچاس مواضعات تھے۔ ماخذ مذکورہ میں ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ

---

50 دستاویزات الہ آباد 418

51 دستاویزات الہ آباد 224

52 ایضاً 229 ایسی زمینداریوں کو تعلقہ کہا جا سکتا تھا۔ ملاحظہ ہو Add 6603 اوراق 55 - 54 55

53 تعلقہ کے لفظی معنی "متعلق علاقہ" کے تھے۔ جہاں تک انتظام مالگزاری کا تعلق ہے تعلقہ کا مطلب ان مواضعات سے تھا جو کسی ایک زمیندار کے یا زمینداروں کے خاندان کے پاس ہوں۔ اس کا ایک مطلب ٹپہ کی طرح مالگذاری انتظام کی اس اکائی سے تھا جو پرگنہ سے چھوٹی ہو۔

54 گورنمنٹ بنگال کے ریکارڈ 70-1769 صفحہ 97 - 68 بنگال کے ضلع ریکارڈ، دیناجپور، ج 1 2 (1786-88) صفحہ 185 - 171

55 Add 2439 ورق 39 الف وس

دُرّ العلوم، ورق 52 ب 53 الف۔ ہم یہاں پڑھتے ہیں کہ مواضعات کندہ مقصودپور، داؤدپور۔ مع دیگر

56 پچاس مواضعات واقع صوبہ بہار کی زمینداریاں کمال وغیرہ کے پاس تھیں۔

سنبھل کی سرکار میں سندھوی پرگنے پر مول چند اور سکھونند کی زمینداری تھی۔[57]

اب ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ حقوق و فرائض سے متعلق ان زمینداروں کی صورت حال کا معائنہ کر سکتے ہیں۔ دیہاتی زمیندار کے حقوق و فرائض کا یہ جائزہ سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے مآخذ پر مبنی ہوگا۔ قبل اور بعد کے مآخذ سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ہمارا جواز یہ ہے کہ مغلوں کے نظام مالگذاری کے تحت دیہاتی زمینداری کی قانونی حیثیت جوں کی توں اور مسلسل طور سے برقرار رہی۔ موجودہ مولف کو کہیں ایسی شہادت دستیاب نہ ہو سکی جس میں دیہاتی زمینداری کی قانونی حیثیت منقطع ہونے کا اشارہ ہو یا اس سلسلے میں کسی موقعہ پر تسلسل کی بے ربطی کا احتمال پیدا ہوتا ہو۔ یہ درست ہے کہ مختلف علاقوں میں اور مختلف زمانے میں زمینداروں کو طرح طرح کی ناسازگاری اور بدنصیبی سے واسطہ پڑا۔ خاص طور سے اجارہ کی رسم جو اٹھارہویں صدی میں بڑے پیمانے پر رائج تھی۔ اکثر و بیشتر قدیم زمیندار خاندانوں کی تباہی کا باعث ہوئی۔ بہرحال جہاں تک بحیثیت زمیندار ان کے قانونی مقام و مراتب اور ذمہ داری کا تعلق ہے اس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ کم از کم موجودہ مولف کی دریافت میں اس قسم کی اطلاع نہیں ہے۔

حقوق و مراتب

زمینداروں کی حیثیت

مالگذاری ادا کرنے والے زمینداروں کا طبقہ، جن کو آراضی پر چند حقوق حاصل تھے، مملکت کی رعایا میں خاصی بڑی تعداد میں تھا۔ اس وقت کے حالات کے پیش نظر وہ لوگ شہنشاہی قلمرو میں مالگذاری انتظام کے سہل عملدرآمد کی خاطر ناگزیر سمجھے جاتے تھے۔ حکومت کا ان سے واسطہ دو حیثیتوں سے پڑتا تھا ایک یہ کہ وہ ایسی حیثیت تھے جن کو آراضی کے اوپر قابضانہ و مالکانہ حقوق حاصل تھے۔ دوسرے وہ سرکاری حکام کی طرف سے مقررشدہ مالگذاری کی وصول یابی کے سلسلے میں ایک درمیانی کڑی تھے۔ وہ یہ بھی نظر رکھتے تھے کہ کاشتکار زیادہ سے زیادہ آراضی پر کاشت کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانون ان دونوں حیثیتوں کو جدا طور پر تسلیم کرتا تھا اور ایک زمیندار اگر مقررشدہ مالگذاری کی ادائیگی کے لیے درمیان میں نہ پڑے تو بھی وہ مالکانہ حقوق کی بنا پر حاصل ہونے والے منافع سے محروم نہیں ہوتا تھا۔[58] یہی وہ خصوصی حیثیت تھی جو زمیندار کو حاصل تھی اور جس کی بدولت

---

[57] منتخب علوم ورق 43 الف

[58] دیہاتی زمیندار مالکانہ کا مستحق تھا۔ خواہ وہ مالگذاری کی ادائیگی کی ذمہ داری سے معذوری ظاہر کردے۔ مالگذاری

اس کا مقام ایک معمولی درجہ کے درمیانی حیثیت والے یا اجارہ دار سے بلند تھا اور اسی بنا پر زمینداری کے ادارے میں تسلسل کا عنصر برقرار رہا۔ بہر حال زمیندار چونکہ اپنی زمینداری کے علاقے میں اراضی مزروعہ پر مقررشدہ مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کا ذمہ دار تھا۔ اس لیے وہ ایک درمیانی کڑی ضرور تھا۔ مالگذاری کا تخمینہ یا تو مزارعین کی علیحدہ اراضی کی بنیاد پر لگایا جاتا تھا اور یا پورے موضع پر یکمشت ہوتا تھا لہٰذا اس نوعیت کی مالگذاری ادا کرنے والوں کو زمینداران رعیتی کہا جاتا تھا۔ اس کے برخلاف زمینداران زور طلب ہوتے تھے یعنی وہ لوگ جو مملکت کے اقتدار سے سرتابی کرتے تھے اور سرکاری فوج کی دھمکی سے مرعوب ہو کر ایک متعینہ رقم پیش کر دیا کرتے تھے۔ آخر میں ایک خاص اور قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ زمیندار دراصل کاشتکار بھی تھا جہاں تک مزدوروں کے ذریعہ اراضی کی کاشت کا تعلق ہے وہ زمین سے ایک مستقل دلچسپی رکھتا تھا اور جس موضع میں اس کی سکونت تھی وہاں اس کے مفادات ٹھوس ہوتے تھے۔ دیہاتی معیشت کو سمجھنے کے لیے اور گاؤں کی اراضی سے علاقہ رکھنے والے مختلف طبقات کے باہمی روابط سے کامل آشنائی کی غرض سے اس امر پر نظر رکھنا نہایت اہم ہے کہ زمیندار ایک کاشتکار بھی تھا۔ یہ سمجھنا کہ زمیندار ایک غیر موجود مالک کے بطور تھا جو اپنی زمینداری سے زیادہ سے زیادہ منافع اینٹھنے کے علاوہ مزید کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا ایک صریحی غلطی ہوگی جو بہت سے الجھاوے کھڑے کر دے گی۔

حقوق و منافع

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ دیہاتی زمیندار کے سب سے اہم کام دو تھے یعنی وہ اس بات کے لیے ذمہ دار تھا کہ اس کی زمینداری میں جس قدر قابل کاشت زمین ہے اس سب پر کاشت ہوتی رہے۔ دوسرے مقررہ مالگذاری کی وصولیابی کرلے۔ یہ دو خدمات جو وہ حکومت کے تئیں انجام دیتا تھا۔ ان کے بالعوض اس کو بعض منافع عطا کر دیئے جاتے تھے جن سے وہ اپنی گذربسر کرتا تھا۔ یہ منافع اراضی کے شکل میں ہوتے تھے اور نانکار کہلاتے تھے۔ یہ نانکار اراضی زمیندار کو کاشت کے لیے عطا کی جاتی تھی۔[1] درحقیقت یہ کل وصولیابی کا ایک طرح سے کمیشن ہوتا تھا جو اس کو نقد یا اراضی کی صورت میں ملتا تھا۔ ننکر کی تعریف بعض جگہ یہ ملتی ہے کہ اراضی مزروعہ کو حسب حال رکھنے کی خدمت کے بالعوض زمیندار کو دو بسوہ فی بیگھہ کے حساب

گذشتہ۔ انتخابات صفحہ 5 مرآۃ احمدی ج صفحہ 260 دستورالعمل مہدی علی خاں ورق 3 ب۔ 4 الف

[1] Add 6603 ورق 79 ب

سے زمین عطا کردی جاتی تھی۔ البتہ بعض صوبوں میں ناںکار کی حیثیت بطور پانچ فیصدی کمیشن کے ہوتی تھی جو کل وصولیابی کی کل میزان سے وضع کرلیا جاتا تھا۔[60] نانکار کے علاوہ زمیندار کو مزید کچھ اور بھی مل جاتا تھا۔ اس لیے کہ جب اراضی زیر کاشت لائی جاتی تھی تو اس کو ایسی اراضی پر مالکانہ حقوق حاصل ہوتے تھے۔ مالک کی حیثیت[61] جو نقد منافع زمیندار کے حصے میں آیا اس کو مالکانہ کہتے تھے۔[62] مالکانہ کی رقم ہر حالت میں اس کو ملتی تھی خواہ وہ مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کی خدمت انجام دے یا نہ دے۔[63] البتہ ہر صوبے میں اس رقم کی ادائیگی کی شکل اور فیصدی کا حساب جدا جدا تھا۔ کہیں پر زیر کاشت رقبے کا حساب لگا کر متعینہ فیصدی کے حساب سے کچھ زمین عطا کردی جاتی تھی۔ کہیں نقد وصولیابی کی بنیاد پر حساب کیا جاتا تھا۔[64] منافع مذکورہ کے علاوہ زمینداری کے اوپر حقوق مالکانہ موروثی ہوتے تھے اور وہ متوفی زمیندار کے جائز وارثوں کے درمیان تقسیم ہوجاتے تھے۔[65] آخری بات یہ کہ دیہاتی زمیندار اپنے زمینداری حقوق کو بیع کرنے کا مجاز ہوتا تھا اور بیع کی رقم مالک و مشتری کی باہمی رضامندی سے طے پاتی تھی۔[66]

زمیندار کو دوہری حیثیت حاصل تھی۔ وہ زمین کا مالک بھی تھا اور نیم سرکاری مرتبہ بھی رکھتا تھا اس لیے بعض اوقات اس کو اہلکار بھی کہتے تھے۔[67] وہ اپنی خدمات کے بالعوض جمع اور مقررہ مالگذاری میں سے نقد رقم پاتا تھا

---

60. Add 4-195 ورق الف

61. زمیندار کو اس کے مالکانہ حقوق کے بالعوض ادائیگی کو دو بسوائی اور دہ یک بھی کہتے تھے۔ اس کا مطلب دو بسوائی فی بگیھ کے حق سے تھا۔ اگر زمیندار ہی اراضی پر کاشت کرتا ہے تو وہ نانکار نگر کا مستحق تھا لیکن مالکانہ نہیں لے سکتا تھا۔ ملاحظہ ہو Add 3. 66 ورق 5 الف۔ دستور العمل بیکس ورق 52 الف

62. Add 3. 66 ورق 51 الف

63. دستور العمل مہدی علی خاں، ورق 3 ب، 4 الف

64. Add 3. 66 ورق 79 الف ب

65. دستاویزات الہ آباد صفحہ 435 . 229

66. دستاویزات الہ آباد۔ 317 . 319 (عہد اکبری) 436 - 375 (عہد اورنگزیب) 225 (عہد بہادر شاہ) Add 24.39 ورق 36 الف ب، 39 ب وغیرہ مزید ملاحظہ ہو دستاویزات الہ آباد 224 ، 299 ، 370

67. رسالہ زراعت ورق 118 الف

انتظامی امور اور حساب کے کتابچوں میں مندرج رقومات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وصولیابی کی رقم دو خانوں کے تحت درج کی جاتی تھی یعنی فوطہ دار کی تحویل میں جو رقم ہے وہ ایک جگہ اور وصولیابی اور تخمینہ سے متعلق عملے پر جو رقم صرف ہوتی وہ دوسری جگہ۔ آخر الذکر رقم کو اخراجات یا مذکورات کے عنوان سے دکھایا جاتا تھا۔ اس عنوان میں وہ رقم بھی شامل ہوتی تھی جو زمیندار نے وضع کر لی یا اس کو ادا کی گئی۔[58] چنانچہ ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ زمینداروں کو جمع یعنی مقررہ مالگذاری کے اندر سے رقم دی جاتی تھی، یہ نتیجہ رسالۂ زراعت میں منقول ایک اقتباس کی رُو سے پایۂ ثبوت کو پہونچتا ہے۔

اگر مالگذاری کی وصولیابی کو ایک روپیہ فرض کر لیا جائے تو مولف کے نزدیک اس کی تقسیم سرکار، پٹواری اور زمینداروں کے درمیان حسب ذیل طریقے سے عمل میں آتی تھی۔[59]

۱ - پٹواری اور طرفدار	0 - 1 - 0
2 - زمیندار	0 - 5 - 6
3 - داخل خزانہ	0 - 9 - 6
	1 - 0 - 0

اس صورت میں جو خصوصی طور سے بنگال سے متعلق ہے، زمیندار کل وصولیابی میں 33 فیصدی کا حصہ دار رہتا تھا۔ بہر حال دوسرے علاقوں کے شواہد جن کو پہلے ہی جانچا جا چکا ہے یہ بتاتے ہیں کہ زمیندار کا حصہ دس فیصدی سے لے کر بیس فیصدی تک ہوتا تھا۔

امور و فرائض

مالگذاری کے مقامی انتظامات اور عملداری میں ایسے زمیندار کو جو بذات خود مالگذاری ادا کرتا تھا نہایت اہم حیثیت حاصل تھی اور وہ بہت سے امور انجام دیتا تھا۔ اوّل یہ کہ اس کو یہ دیکھ بھال رکھنی پڑتی تھی کہ اس کی زمینداری میں تمام قابلِ کاشت آراضی پر کاشت ہوتی ہے۔ مزارعین کو کاشت کے لیے آمادہ

---

[58] دستور العمل عالمگیری ورق 46 ب۔ سیاق نامہ صفحہ 61 - 62

[59] رسالۂ زراعت ورق 11 ب

[60] دستاویزات الٰہ آباد صفحہ 317 - 319 (عہد اکبری) 435 - 375 (عہد اورنگزیب) 225 (عہد بہادر شاہ ظفر) Add. 24 . 39 ورق 36 الف ب۔ 39 الف دک

کرتا اس کے اختیار میں تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ سرکاری حکام کے لیے گوناگوں مصروفیات کی بنا پر یہ ممکن نہ تھا کہ وہ دور دراز سے مزارعین کو کھیتی باڑی کے کام میں لگے رہنے کے لیے مجبور کریں۔ مزارعین سے حکام کا قریبی ربط و ضبط نہ تھا جن کے نزدیک وہ اجنبی ہونے کی بنا پر قابل اعتماد نہ تھے مگر زمیندار جو مقامی باشندہ تھا اور جس کے آباؤ اجداد نسلوں سے موضع میں رہتے آئے تھے۔ عام حالات میں دیہاتیوں کے مفادات سے قطع نظر نہیں کر سکتا تھا۔ کسانوں کا زمیندار سے گہرا تعلق تھا۔ موضع کی محدود مگر مربوط زندگی میں دونوں کا واسطہ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے سے رہتا تھا۔ درحقیقت زمیندار کا مفاد تمام تر اور بھرپور طور سے موضع کی خوشحالی اور وہاں کی آراضی سے وابستہ تھا اور یہ چیزیں اس کے لیے حیات و موت کے برابر تھیں۔ ایک خوشحال موضع کا مطلب یہ تھا کہ اس کو زیادہ رقم اور خوشحالی حاصل ہوگی۔ اس کے علاوہ کاشتکاروں میں تابعداری کا احساس بڑھ گیا اور وہ اس سے خوش رہیں گے لہٰذا مقامی عملداری کے لیے اس کی خدمات ناگزیر تھیں۔ دراصل سرکار اس کے مقام کو اچھی طرح سمجھتی تھی اور اس کو بار بار اپنے فرائض کے بارے میں یاددہانی کی جاتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ زمین پر کاشت کرائے اور رعایا کو اپنا تابعدار اور وفادار رکھے۔ اس کی دوسری اہم ذمہ داری یہ تھی کہ درمیانی واسطے کے طور پر مقررہ مالگذاری کی وصولیابی کرکے خزانے میں جمع کرائے۔ یہ کام نہایت ہوشیاری اور اثرات کے بغیر ممکن نہ تھا کہ تخمینہ کے مطابق مالگذاری کی وصولیابی میں مزارعین کے ساتھ بے انصافی نہ ہو اور حکومت بھی نقصان میں نہ رہے۔ ساتھ ہی کچھ رقم زمیندار کی جیب میں بھی آجائے۔

ان فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ امن اور قانون برقرار رکھنے کے کام میں بھی شامل رہتا تھا مثال کے طور پر اگر کوئی چور یا مشتبہ طور پر بدچلن آدمی اس کی زمینداری میں پناہ گزیں ہے تو اس کو اطلاع دینی پڑتی تھی[71]۔ وہ کبھی کبھی فوجی خدمات انجام دینے کے لیے بھی طلب کر لیا جاتا تھا۔ اس کی خدمات فوجی مہم میں ایسے وقت ضروری تھیں جب کوئی پڑوسی زمیندار مالگذاری کی عدم ادائیگی یا کسی دوسری سرکشی کی حرکت کے سلسلے میں باغی قرار دیا جائے[72]۔

اٹھارھویں صدی کے حالات

اٹھارھویں صدی کے نصف اول میں مالگذاری ادا کرنے والے زمیندار کی حالت کچھ زیادہ اطمینان بخش اور

---

[71] وقائع صوبۂ اجمیر صفحہ 66

[72] دستور العمل بیکس ورق 56 الف ب

محفوظ نہ تھی۔ ممکن ہے ایسے زمینداروں کی حالت جن کے مواضعات کی تعداد بہت کافی تھی۔ قدرے دوسری ہو کیونکہ ان کے پاس لوگوں کی عددی قوت موجود تھی اور وہ طاقت کے ذریعہ عامل، جاگیردار اور اجارہ دار کی دست درازیوں کو روکنے کی دستگاہ رکھتے تھے۔ مرکزی حکومت درجہ بدرجہ کمزور ہو رہی تھی اور دربار کے علاوہ راجپوتانہ اور پنجاب میں رونما ہونے والے اہم واقعات کے اندر اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ آراضی سے متعلق دلچسپی رکھنے والے فریقوں کے اوپر قاعدہ قانون نافذ کرنے سے معذور تھی۔ بعض اوقات حکومت دارالسلطنت کے حدود میں باغی زمینداروں کی سرکوبی کرنے میں ناکام رہتی تھی۔ لہٰذا مرکزی حکومت کے لیے یہ ممکن نہیں رہ گیا تھا کہ پرگنہ کی سطح پر سرکاری ضوابط کی جو زبردست حکم عدولی ہو رہی تھی اس پر سنجیدگی سے دھیان دے۔ عام طور سے یہ معاملہ مقامی حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا اور عامل فوجدار اور جاگیردار کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ وقتی صورت حال کو اپنے ہی وسائل سے جو کچھ ان کو مہیا ہوں نپٹا دیں۔ عموماً مقامی صورت حال پر قابو پانے کے لیے دربار سے کسی امداد کی توقع نہیں تھی۔ ساتھ ہی عملی طور سے مقامی حاکم سے دست درازی اور ظلم کے لیے بمشکل بازپرس کی جاتی تھی۔ ان حالات میں ایک طاقتور زمیندار کا عامل یا فوجدار کے ظلم کا شکار ہونا کم متوقع تھا۔ اگر باقاعدہ گذر جاتی تھی تو وہ ان کی حکم عدولی میں بھی کامیاب ہو جاتا تھا۔ دراصل احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے مقامی حکام ایک طاقتور زمیندار کو دبانے کے بجائے اس کے ساتھ احترام سے پیش آتے تھے۔ مگر اس کے دوسرے بھائی یعنی چھوٹے زمیندار اس معاملے میں کمتر خوش نصیب تھے۔ اگرچہ اس طبقے میں انہیں کی اکثریت تھی۔ ظالم قسم کے عامل اور ضرورت مند جاگیردار اکثر زمیندار کی آراضی کا تخمینہ بڑھا کر لگاتے تھے۔ قدرتی طور پر زمیندار قاعدے سے زیادہ مالگذاری کی مخالفت کرنے لگا۔ چنانچہ سنگدل اور ظالم اجارہ دار کے وجود میں آنے کے لیے میدان ہموار ہو گیا۔ ایسی حالت میں زمیندار مجبور تھا کہ یا تو بڑھی ہوئی جمع کی وصولیابی کرائے ورنہ موضع کو اجارہ دار کی دستبرد کے حوالے کر دے۔ ان حالات میں تباہی اس کا منہ تک رہی تھی۔ اگر وہ بڑھی ہوئی مالگذاری کی وصولیابی کراتا تھا تو وہ تمام بوجھ کاشتکاروں پر منتقل کر دینے پر مجبور تھا جن کے سامنے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یا تو تباہ ہو جائیں یا گاؤں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یہ صاف نظر آتا تھا کہ تھوڑے وقت میں زمیندار کا گاؤں ویران ہو جائے گا۔ دوسری طرف اجارہ دار کے حق میں گاؤں چھوڑ دینے کا مطلب یہ تھا کہ زمیندار اپنی معاش کے جملہ وسائل سے محروم ہوا اور اس کے پاس فقط مالکانہ حقوق کی حقیری آمدنی رہ گئی۔ اس حالت میں بھی کاشتکار آخر تباہ ہوتے تھے اور گاؤں کی ویرانی یقینی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے نصف اول میں کم و بیش یہ صورت حال تھی جس کو چھوٹے زمینداروں کی ایک بڑی تعداد جھیل رہی تھی۔

دیہاتی زمیندار کی حالت کا یہ اندازہ جو اس زمانے میں انتظامی اور سیاسی حالات کی عمومی شہادت پر

مبنی ہے اس کی تصدیق دستورالعمل بیکس میں درج شہادت سے قطعی طور پر ہوتی ہے۔ تالیف مذکور میں ہم کو دو خطوط ملتے ہیں جن کا تبادلہ ایک سرکاری حاکم اور سرکار سنبھل میں واقع جنگر کے زمیندار سوبھا سنگھ کے درمیان ہوا تھا۔ پرگنہ کا حاکم[74] سوبھا سنگھ کو مالگذاری کی عدم ادائیگی کے سلسلے میں سرزنش کرتا ہے۔ اس پر سرکار کے خلاف دشمنی کا رویہ اختیار کرنے کا الزام لگاتا ہے اور فوجی کارروائی کی دھمکی دیتا ہے۔ زمیندار مذکور کو اپنی درخواست میں تمام الزامات کی تردید کرتا ہے اور صفائی دیتا ہے وہ اپنے تعلقہ میں سال گزشتہ کی زراعت کی حالت بیان کرتا ہے۔ اجارہ داروں کے عمل پر تنقید کرتا ہے اور مالگذاری کے مناسب تخمینے کی تجویز پیش کرتا ہے۔ چونکہ اس عرضداشت کے جملہ نکات ہمارے شکایت کی تائید کرتے ہیں اس لیے ان کا تفصیلی معاینہ مناسب ہے۔

سوبھا سنگھ نے عرضداشت میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد نے ہمیشہ گزشتہ حاکموں[75] کی لازمی خدمت انجام دی ہے اور باقاعدہ مالگذاری کی ادائیگی کرتے رہے ہیں جب بھی حاکموں کی طرف سے ان کی طلبی ہوئی وہ حاضر ہوتے اور سازش پیشہ اور بداعمالیوں کو دبانے میں مدد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے رعیت کو ظلم سے محفوظ رکھا اور رعایا کے اندر آسودگی کا احساس پیدا کیا۔ عاملوں نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور باقاعدگی سے مالگذاری کی ادائیگی کی تعریف کی ہے۔ وہ وقت تھے جب ضلع کا عملدرآمد درست تھا اور خوشحالی اور امن برقرار تھا۔ مگر گزشتہ چار پانچ سال سے یہاں اجارہ دار آ گئے ہیں جو کہ رعیت کی خوشحالی اور علاقے کی آسودگی کے معاملے میں بالکل بے پروا ہو گئے ہیں۔ دراصل ان کا سارا مفاد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ مالگذاری وصول کریں جس کے نتیجے میں رعیت اور علاقہ تباہ ہوا جا رہا تھا۔ ان اسباب کے پیش نظر سوبھا سنگھ نے طے کیا کہ وہ بڑھی ہوئی مالگذاری کی وصولیابی میں اجارہ داری سے مقابلہ کرے گا جہاں تک اس کے وسائل نے اجازت دی اس نے صورت حال کا مقابلہ کیا۔ مگر مالگذاری مسلسل بڑھتی رہی اور جب بالکل مجبوری اور بے بسی کا عالم نظر آیا تو وہ مقابلے سے ہٹ گیا۔ عرضداشت میں یہ اشارہ موجود ہے کہ کچھ دن بعد اجارہ دار ضلع سے چلے گئے اس لیے کہ وہ بالکل ویران اور تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے نتیجے میں عامل نے ذاتی طور سے ضلع کے مواضعات کا معائنہ کیا تاکہ مالگذاری کے معاملات کی درستگی اور بحالی اطمینان بخش طریقے سے ہو سکے۔

73ء دستورالعمل بیکس ورق 50 الف 51 ب

74ء دستورالعمل بیکس ورق 51 ب 52 ب

75ء حاکم، ایک سرکاری افسر، خصوصاً اس کا مطلب فوجدار ہوتا تھا۔ جس کے پاس مشترک طور سے انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات ہوتے تھے۔

عرضداشت کے سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عامل نے ذاتی طور سے مواضعات کے معائنہ کی زحمت کی اور اس کے لیے مشہور ہوا کہ وہ رعیت پر مہربان ہے اور ایک منصف مزاج حاکم ہے۔ سوبھا سنگھ کو بھی باہر قدم نکالنے کی ہمت ہوئی۔ اس نے اپنے تعلقہ میں مزارعین سے ربط وضبط قایم کیا۔ انکو زراعت کے لیے آمادہ کیا۔ اور ضلع میں قلت کے حالات ہونے کے باوجود اس نو مالگذاری کی وصولیابی میں کامیابی ہوئی۔ بہرحال عرضداشت میں صریح طور پر عامل کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ زمیندار برابر مالگذاری کی ادائیگی کے لیے آمادہ ہے اور یہ کہ مفاد پرست لوگوں کی باتوں میں آکر عامل نے زمیندار کے خلاف اعلان جنگ کا ارادہ کیا جو سراسر غیر ضروری تھا۔ عرضداشت کے خاتمہ پر یہ التجا کی گئی ہے کہ اس کے تعلقہ کی جمع کا حساب موازنہ دہ سالہ[76] کی بنا پر اس میں نانکار اور دہ یک کی رقومات کو وضع کر کے کیا جائے[77]۔ پھر یہ کہ اگر یہ التجا قبول کر لی گئی تو زمیندار عامل کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوگا۔ اور اگر عامل نے اس کے بعد بھی مفاد پرست اور فتنہ انگیز لوگوں کا اثر قبول کیا اور سخت گیری پر آمادہ رہا تو پھر جو کچھ بھی ہو زمیندار ہر طرح سے نپٹنے کے لیے مجبور ہوگا۔ بالآخر یہ بات عامل جانتے ہی ہیں کہ زمیندار اپنا آبائی وطن بغیر جنگ کے نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ یہ اس کی عزت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا یہ امید ہے کہ تمام معاملے پر انصاف کے ساتھ غور کیا جائیگا اور جو صورت حال دیانت کے ساتھ بتائی گئی ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

یہ تھا عرضداشت کا خلاصہ جس کی جانچ سے واضح ہوتا ہے کہ زمیندار نے مالگذاری کی ادائیگی روک لی تھی۔ یہ اس حکم عدولی یا بغاوت کا کھلا ثبوت تھا۔ عامل چاہتا تھا کہ اگر زمیندار نے فوراً اپنی روش نہ بدلی اور مالگذاری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عامل کی خدمت میں حاضر نہ ہوا تو اس کے خلاف ایک باغی کی حیثیت سے کارروائی کی جائے گی۔ زمیندار یہ تسلیم کر رہا تھا کہ مالگذاری کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اس کا اصرار اس

---

76 موازنہ دہ سالہ جو تقسیم بھی کہلاتی ہے۔ اس کو قانونگو تیار کرتا تھا۔ اس میں مواضعات کی تعداد، قابل کاشت اراضی کا رقبہ، زیر کاشت آراضی، بنجر، جنگل، باغات، تالاب، نالے، آراضی مدد معاش کا رقبہ، ربیع اور خریف کی فصلوں میں جو اجناس بوئی گئیں اور ہر جنس پر مروجہ بھاؤ، جمع کی رقومات، تخمینے کی شرح، رسیدات وبقایا کی تفصیل وغیرہ وغیرہ اندراجات ہوتے تھے (دستور العمل عالمگیری ورق 141 الف) تاریخ مالگذاری بنگال صفحہ 165 دیوان پسند ورق 77 یہ گذشتہ دس سال کی پرگنہ کی آراضی کی صورت حال کی مکمل روئیداد ہوتی تھی۔

77 دہ یک بھی اصطلاح الکلنہ یا دو بسوا یا ریک دہائی کے معنوں میں ایک دوسری اصطلاح معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو Add 6.9 66 ورق 151 الف

بات پر تھا کہ مقررشدہ مالگذاری بہت زیادہ ہے اور گزشتہ برسوں کی نسبت خصوصاً جب سے اس کے تعلقہ میں اجارہ دار لگ گئے ہیں۔ مالگذاری کی رقم میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ وہ موخرالذکر اجارہ داروں سے اوپر نہیں بڑھ سکتا لہٰذا مجبوراً مالگذاری کے تصفیے سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کا تقاضہ یہ تھا کہ اگر مالگذاری کا حساب کتاب کیا جائے تو کل رقم موازنۂ دہ سالہ کی بنا پر مقرر کی جائے اور یہ کہ اس کی زمینداری کے حقوق بحال رہیں۔ ضمناً ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ مالگذاری کے ٹھیکے کے نتیجے میں مواضعات کی زراعت اور مزارعین تباہ ہو گئے۔ اور کسی نہ کسی سبب سے ٹھیکیدار بھی موقع سے غایب ہو گیا۔ عامل کو یہی طے کرنا پڑا کہ زمیندار سے معاملہ ٹھیک کرے جو کہ مزارعین کو زراعت کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔ عرضداشت میں تعلقہ مذکور کی جو مختصر تاریخ دی ہوئی ہے وہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سے بہت ساری معلومات سامنے آتی ہیں اور اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل میں جو حالات تھے ان کے بارے میں بہت سارے نتائج روشن ہوتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اس سے دوسرے ماخذوں کے شواہد کی تصدیق ہوتی ہے کہ اجارہ دار کی قبیح رسم اس زمانے میں جو ہمارے مطالعہ میں ہے بہت زیادہ عام ہو چکی تھی۔ اس سے بلاستثنیٰ زمیندار، کاشتکار اور زمین سب کی تباہی ہو رہی تھی۔ دوسری بات یہ کہ زمیندار کو مسلسل اجارہ دار کے خطرے کا مقابلہ تھا جو ایک طرف تو مالگذاری کی وصولیابی کے حق پر قبضہ جما رہا تھا۔ دوسری طرف اس کی موجودگی سے زمیندار کو مجبور" اور کرا ہیتا" اضافہ شدہ مالگذاری کی وصولیابی کے لیے آمادہ ہونا پڑتا تھا جس کا نتیجہ مواضعات کی تباہی کی صورت میں سامنے نظر آتا تھا۔ مواضعات کو آباد رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ یا تو پرانے زمینداروں کو برقرار رکھا جائے اور ان کو یہ یقین دلایا جائے کہ جملہ حساب کتاب قاعدے سے ہو یا پھر نئے زمیندار کا تقرر کیا جائے۔ یہ عمل اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل میں ہر جگہ عام نظر آتا ہے جس سے پوری زراعتی زندگی متاثر تھی۔ اس قباحت کی جڑیں بہت پیچھے جاگیرداری نظام کے بحران میں نظر آتی ہیں جو کہ عہد عالمگیری کے آخری برسوں میں گہرا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جاگیرداری نظام کے بحران کے ساتھ ہی وسیع پیمانے پر اجارہ کی رسم شروع ہوئی تھی جسکی وجہ سے زمیندار اور کاشت کار تباہ ہو گئے۔ اگرچہ یہی دو طبقے تھے جنکا مفاد آراضی کیساتھ مستقلاً وابستہ تھا یقیناً اس کے نتیجے میں مواضعات کی پیداوار بھی گھٹی تھی۔

مالگذاری ادا کرنے والے زمیندار کی حالت کے سلسلے میں مندرجہ بالا بحث اور اس کی بنیاد پر اخذ شدہ نتائج کی براہ راست ترتیب اب سے پہلے کے ایک مؤلف کی تحریر سے ہوتی ہے جس نے مروجہ عملدرآمد کی رسولمت کی بابت اٹھارہویں صدی کے بالکل اوائل میں لکھا تھا۔[78] نظام زمینداری

---

[78] ہدایت القواعد ورق 69 ب 66 ب

سے متعلق اپنے بیان میں مولف کہتا ہے کہ پچھلے وقتوں میں سرکاری حکام منصف مزاج تھے اور اپنے عہدو بیمان پر قایم رہتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ زمیندار آراضی پر کاشت کرانے میں دلچسپی لیتے تھے اور بغیر شکایت کے مالگذاری کی ادائیگی کرتے تھے۔ لیکن اس کے زمانے میں حالت یہ ہوئی ہے کہ چھوٹے درجے کے منصب داروں کو اونچے اور ذمہ داری کے عہدوں پر فائز کر دیا گیا ہے اور مالگذاری کا انتظام بحال رکھنے کے لیے ان کے پاس سپاہیوں کی قلیل تعداد ہوتی ہے۔ یہ قلیل فوج سرکش زمینداروں کو دبانے کے لیے اور قابو میں رکھنے کے لیے قطعی ناکافی ہے۔ منصب دار لوگ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے ہر سال مالگذاری کی رقم میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا چھوٹے زمینداروں پر ظلم ہوتا ہے۔ زمیندار پھر رعیت پر ظلم کرتے ہیں۔ مزارعین جب ظلم و زبردستی سے مجبور ہوتے ہیں تو وہ رعیتی علاقوں سے بھاگ کر ایسے زمینداروں کے علاقے میں آباد ہو جاتے ہیں جو فقط مقررہ مالگذاری ادا کرتے ہیں وہ بھی اس وقت جبکہ ان کو طاقت کے ذریعہ مجبور کیا جائے۔ چنانچہ پیشکشی زمینداروں کے علاقے روز بروز آباد ہوتے گئے اور ان میں زراعت کی حالت نے ترقی کی اور نتیجہ کے طور پر ایسے زمینداروں کی طاقت اور اقتدار میں اضافہ ہوا۔ دوسری طرف رعیتی زمیندار کمزور اور مفلس ہوتے گئے۔ وہ اس قابل نہیں رہ گئے کہ مالگذاری ادا کر سکیں اور جھوٹے بہانوں کا سہارا لینے لگے لہٰذا زمینداری کے پیشے کا اعزاز گھٹ گیا۔

زمیندار کی تقرری

ہم دیکھ چکے ہیں کہ زمیندار جو مزارعین کی انفرادی آراضی کی بنیاد پر مالگذاری ادا کرتے تھے وہ موروثی زمیندار تھے۔ موروثی زمینداروں کے حقوق بیع کے ذریعہ حاصل کیے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ مالگذاری ادا کرنے والے زمینداروں کا ایک دوسرا طبقہ تھا جن کی تقرری حکومت کے ذریعہ عمل میں آتی تھی۔ اس قسم کے تقرر کی ضرورت عام طور سے اس وقت پیش آتی تھی جب کوئی سرکش اور فتنہ انگیز قسم کا موروثی زمیندار مالگذاری کی ادائیگی سے انکار کر بیٹھتا تھا۔[79] ایسے موقع پر کوئی مناسب آدمی یا کوئی وفادار زمیندار جو مالگذاری باقاعدگی سے ادا کرتا تھا[80] یا کوئی قابل حاکم[81] اس علاقہ کا زمیندار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ جہاں باغی زمیندار

79ھ دستور العمل بیکس ورق 45 الف 88 ب 89 الف ۔ مرآۃ احمدی ج ۱ صفحہ 230

80ھ ایضاً ورق 89 - 88

81ھ اخبارات 137/38

کی بے دخلی عمل میں آئی ہو۔ عام طور سے اس قسم کے تقرر کے ساتھ ایک متعین مرتبہ وابستہ ہوتا تھا اور جس شخص کا تقرر ہوا ہے اس کو ایک مناسب پیشکش ادا کرنا لازم تھا۔[82] حکومت کی طرف سے جس زمینداری کا تقرر ہوتا تھا اور جس کو مرتبہ بھی عطا ہوتا تھا۔ اس کے لیے داغ اور تشبیہ کے قواعد کی پابندی لازم تھی۔ البتہ بعض صورتوں میں یہ قوانین عاید نہیں کیے جاتے تھے اور استثنا بھی ہوجاتا تھا۔[83] بہرحال اس قسم کی زمینداری جو سرکاری حکم کے ذریعہ حاصل ہوئی ایک اعتبار سے معمولی زمینداری سے مختلف تھی۔ یعنی یہ موروثی نہیں تھی۔ زمینداروں کی وفات کے بعد نئے امیدوار کی درخواست پر غور کیا جاتا تھا اور اگر وہ مناسب پیشکش ادا کرنے کے لیے آمادہ نظر آیا تو اس کی درخواست کی سفارش ہوتی تھی اور منظور کرلی جاتی تھی۔[84]

82ھ اخبارات 44/ 192

83ھ مرآۃ احمدی ج صفحہ 284 ـ 255

84ھ اخبارات 44/ 142 اخبارات 37 38/ 137

باب سوئم

مالگذاری کا مطالبہ اور تخمینے کے طریقے

فصل اوّل

زراعت پیشہ جماعت اور وہ چند لوگ جو تخمینہ اور وصولیابی کے کام سے وابستہ تھے، ان کو آراضی پر بعض حقوق حاصل تھے۔ ان حقوق کی بنا پر ان کو زمین کی پیداوار میں مختلف تناسب سے حصہ داری کا اختیار تھا۔ موضع کی مزروعہ آراضی کی پیداوار میں کاشتکار، زمیندار، قانون گو، چودھری اور پٹواری سب ہی حق رکھتے تھے اور سب کو حصہ ملتا تھا۔ ان کو ہم مقامی حقوق و مفادات سے تعبیر کرسکتے ہیں لیکن بادشاہ کا حصہ آراضی کی پیداوار میں زیادہ اہم تھا جو حاکموں اور نمائندوں کے ذریعہ سرکاری تصرف میں آجاتا تھا۔ ابوالفضل کے ایک قول کے مطابق پیداوار میں بادشاہ کا حصہ اجر بادشاہت کی حیثیت رکھتا تھا، جس کو وہ امن وقانون برقرار رکھنے نیز معاشرے کے تار وپود درست رکھنے کے بالعوض وصول کرتا تھا تاکہ خلق خدا آرام سے روزی روزگار کے کام میں لگی رہے[1]۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بادشاہ کا حق زمین کی پیداوار تک محدود نہ تھا بلکہ وہ ہر قسم کی املاک اور وسائل آمدنی یا پیداوار پر محصولات عاید کرنے کا مجاز تھا[2] اور متفرق محصولات آراضی مزروعہ یا چراگاہ پر یا دریا اور تالابوں کی پیداوار پر یا اہل حرفہ کی بنائی ہوئی مصنوعات پر یا چیزوں کی خرید وفروخت پر عاید کیے جاتے تھے بشمولیت اس محصول کے جو انتظامی امور کے اخراجات کے ضمن میں وصول ہوتا تھا۔ ان سب کو تین بڑے عنوانات میں تقسیم کرکے رکھا جاتا تھا یعنی مال، جہات اور سائر جہات یا سائر الجہات۔ تخمینے کے جو حسابات مہیا ہیں اور جو انتظامی اور مالی امور کی بیاضوں میں موجود ہیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان عنوانات کے تحت تخمینہ جداگانہ ہوتا تھا اور تخمینے کی جملہ میزان موضع

---

[1] آئین اکبری ج 2 صفحہ 205

[2] ایضاً صفحہ 205

کی جمع یا مالگذاری کا مطالبہ کہلاتی تھی۔

جمع یا مالگذاری

سولھویں صدی سے لیکر اوائل انیسویں صدی تک کے متعلقہ شواہد کے مطالعے سے ان محصولات کی شرح اور نوعیت صاف طور سے واضح ہوجاتی ہے اور مالگذاری کے مطالبے کی شرح اور نوعیت کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مال کی اصطلاح سے مالگذاری کا اصل تخمینہ مراد تھی جوکہ مزروعہ آراضی پر فصل کی شرح یا نقدی شرح کے حساب سے لگایا جاتا تھا۔ جہات وہ محصولات تھے جو مال کا تخمینہ لگانے کے سلسلے میں عاید شدہ اخراجات کو پورا کرنے کی غرض سے لیے جاتے تھے۔ سائر جہات یا سائر الجہات میں تمام دوسرے محصولات شامل تھے جو مال و جہات کے علاوہ اوپر وصول کیے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ سائر جہات کی اصطلاح کا استعمال جہاں وسیع مفہوم میں ہوتا تھا وہاں ساتھ ہی محدود مفہوم میں بھی ہوتا تھا۔ وسیع مفہوم کے اعتبار سے یہ سائر الجہات کا دوسرا نام تھا اور اس کے ذیل میں مال و جہات کے علاوہ متفرق محصولات شامل تھے۔ مگر محدود مفہوم میں جیساکہ وہ موضع کی جمع کے حسابات میں مستعمل تھا اس میں فقط وہ محصولات شامل تھے جو مال و جہات کی وصولیابی کے دوران عاید شدہ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اور زراعت سے وابستہ جماعت کے خرچوں کو بیباق کرنے کی غرض سے وصول کیے جاتے تھے[3]۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جو محصولات شامل تھے ان کو طلبانہ[4]، شہنگی[5]، پٹہ داری[6] اور صادر و وارد[7] کہا جاتا تھا۔

3۔ زیادہ مفصل بحث کے لیے لاحظہ ہو ضمیمہ س۔ مال و جہات اور سائر جہات کی نوعیت کے بارے میں جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل مآخذ میں درج شہادت کے مطالعہ کی بنیاد پر ہیں، آئین اکبری ج 2 صفحہ 205 خلاصۃ السیاق ورق 13 ب۔ فرہنگ کاردانی ورق 29 الف ب، 30 الف ب، 43 الف ب، 47 الف ب۔ پانچویں کمیٹی کی رپورٹ ج 2 صفحہ 742۔ مالگذاری ریکارڈ صفحہ 260۔ دستور العمل بیکس ورق 29 ب، 30 الف۔ منتخب چہار گلزار شجاعی ورق 94 ب

4۔ طلبانہ: گذارے کی رقم جوکہ مالگذاری کی ادائیگی کے سلسلے میں احکام حضوری پہنچانے والے ملازمین کی دیجاتی تھی

5۔ شہنگی: شہنہ جو فصلوں کی دیکھ بھال کیلیے تعینات ہوتا تھا اسکا حق ادا کرنے کیلیے عاید شدہ رقم کو شہنگی کہتے تھے۔

6۔ پٹہ داری: پٹہ کے سربراہ مالگذاری کے افسر اعلیٰ کا حق۔

7۔ صادر و وارد: واجبات کی خاص رقم جو موضع میں آنیوالوں پر مثلاً مسافر یاتری یا اجنبی اشخاص پر خرچ کی جاتی تھی

مالگذاری کے مطالبے کی حدود

مالگذاری کا مطالبہ اس مجموعی وصولیابی پر مشتمل تھا جس کا کہ تین واضح عنوانات یعنی مال، جہات اور سائر جہات کے تحت حوالہ دیا گیا ہے۔ اب یہ متعین کرنا رہ جاتا ہے کہ پیداوار کا کتنا حصہ مالگذاری کے مطالبے کے طور پر تصرف میں آجاتا تھا اور محصول کے ان تین جداگانہ عنوانات کے تحت کس قدر وصول ہوتا تھا۔ اکبر کے دور میں پیداوار پر اصل تخمینہ یا مال پیداوار کا ایک تہائی ہوتا تھا۔[8] مال کے علاوہ اور مزید پیداوار کا کچھ حصہ وجہوت یا جہات اور سائر جہات کے تحت وصول کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ 'آئین اکبری' میں واقع شہادت سے پتہ چلتا ہے۔[9] بہرحال یہ شہادت جو حکومت کے اصلی حصے کے بارے میں پتہ دیتی ہے کہ وہ پیداوار کا ایک تہائی تھا، ان علاقوں سے متعلق ہے جہاں پر فصل کی شرح نقدی شرح میں تبدیل ہو گئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ ان علاقوں کی بات ہے جہاں ضبط نافذ تھا۔ اس طرح ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ علاقے جہاں نقدی شرح پر عملدرآمد ہوتا تھا وہاں مالگذاری کا مطالبہ پیداوار کی ایک تہائی سے بڑھا ہوا تھا۔[10] اس شہادت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ پیداوار کا کونسا حصہ مال سے فاضل جہات اور سائر جہات کے تحت وصول ہوتا تھا۔ ان علاقوں میں جہاں نسق[11]، کنکوٹ[12] اور بھاؤلی[13] (فصل کی بٹائی) پر عموماً عمل ہوتا تھا، وہاں کی بابت ہمارے پاس کوئی حتمی شہادت اس بات کی نہیں ہے کہ آیا وہاں بھی مالگذاری کا تخمینہ تینوں عنوانات کے تحت جداگانہ ہوتا تھا۔ بہرحال ہمیں یہ علم ہے کہ کشمیر میں جہاں فصل کی بٹائی ہوتی تھی، مالگذاری کا مطالبہ پیداوار کا نصف[14] تھا اور اجمیر میں پیداوار کا ساتواں یا آٹھواں حصہ لیا جاتا تھا۔[15]

---

8 آئین اکبری صفحہ 205

9 آئین اکبری ج 2 صفحہ 205 اکبر کا فرمان مورخہ 983ھ۔ مذکورہ فرمان کی نقل علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں موجود ہے

10 مورلینڈ کے بیان کے مطابق اکبر کے عہد میں مالگذاری کا حسب معیاد مطالبہ پیداوار کا ⅓ تھا ملاحظہ ہو مسلم انڈیا کا نظام زراعت صفحہ 135۔ ڈاکٹر سرن یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مالگذاری کی وصولیابی کا طریقہ جو شیر شاہ کے زمانے میں ایک تہائی تھا بغیر کسی تبدیلی کے جاری رہا۔ مغلوں کی صوبائی حکومت صفحہ 217

11 گذشتہ اندراج کی بنا پر تخمینے کا ایک طریقہ

12 تخمینے کا ایک طریقہ جسمیں زمین کی پیمائش کی جاتی تھی اور فی بیگھہ پیداوار کا حساب سامنے رکھ کر جنس کی پیداوار کا حساب کیا جاتا تھا

13 اس کو غلہ بخشی اور بٹائی بھی کہتے تھے۔ تخمینے کے اس طریقے کی بنیاد واقعی بٹائی پر تھی۔

14 آئین اکبری ج 2 صفحہ 176، 175 15 آئین اکبری ج 2 صفحہ 127

اس موضوع سے متعلق اکبر کے فوراً بعد کے دو جانشینوں کے زمانے کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ بہرحال اورنگ زیب کے عہد کی بعض قیمتی شہادتیں ہمارے سامنے ہیں جن کے ذریعہ اس سوال کو تفصیل سے جانچنے میں مدد ملتی ہے۔ سہولت کی خاطر اس شہادت کو تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) ضبط کے علاقوں میں مالگذاری کا مطالبہ دکھلانے والی شہادت۔

(2) کنکوٹ اور بھاولی کے تحت مالگذاری کا مطالبہ دکھلانے والی شہادت۔

(3) مالگذاری سے متعلق عام ہدایات پر مشتمل شہادت۔

بعض حساب کی بیاضوں میں ان علاقوں کے تخمینے کا حساب موجود ہے جہاں ضبط کا عملدرآمد تھا۔ بہرحال سب سے زیادہ بیش قیمت اطلاع 'سیاق نامہ' کے اندر موضع گنیش پور کے تخمینے کے حساب کے ضمن میں ملتی ہے۔ یہاں ہم اس کا معائنہ کریں گے تاکہ مالگذاری کے مطالبہ کی وسعت کو جانچا جاسکے اور یہ متعین ہو کہ پیداوار کا کتنا حصہ تینوں عنوانات مال، جہات اور سائر جہات کے تحت وصول کیا جاتا تھا۔ تخمینے کا حساب اس رقم کو پیش کرتا ہے جس کا تخمینہ مال کے تحت ہوا تھا نیز مزروعہ آراضی کا وہ رقبہ جس میں مختلف اجناس[61] زیر کاشت تھیں مع ان کی نقدی شرح کے اس میں دکھایا گیا ہے۔ بہرحال چونکہ فی بیگھہ کی پیداوار نہیں دی گئی ہے لہذا حساب مذکورہ سے ہم کو یہ طے کرنے میں مدد نہیں ملتی کہ مال کے طور پر کا کتنا حصہ وصول ہوتا تھا۔ پھر بھی ہم فرض کرسکتے ہیں کہ اس کی وصولیابی پیداوار کے ایک تہائی کے حساب سے جاری رہی، جیسا کہ اکبر کے دور میں معمول تھا۔ یہ مفروضہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ کسی شہادت سے اس امر کا اشارہ نہیں ملتا کہ اس کے جانشینوں کے تحت مال کے متعینہ حصے میں کوئی تبدیلی عمل میں لائی گئی۔

حساب کی جانچ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہات کے محصولات مال کی رقم کا پانچ فیصدی ہوتے تھے اور سائر جہات کے محصولات مال و جہات کی میزان پر پندرہ فیصدی کے حساب سے لیے جاتے

---

[61] سیاق نامہ صفحہ 34۔ مال کے تخمینے کی تفصیلات حساب کی کتاب میں اس طرح ہیں:

مال کا تخمینہ جو روپیہ میں منتقل ہوا (برائے خریف)	مال کا تخمینہ جو روپیہ میں منتقل ہوا (برائے ربیع)
سولہ بیگھہ پندرہ بسوا مبادل 45 روپیہ 5 آنے	اٹھارہ بیگھہ مبادل 42 روپیہ ½ 12 آنے

کل میزان 88 روپے

خریف کے تخمینے کی فصلیں	تخمینہ شدہ رقبہ		فی بیگھہ شرح		تخمینہ شدہ رقم	
	بسوا	بیگھہ	آنے	روپے	آنے	روپے
شخ (ایک قسم کا چاول)	15	7	4	1	11	9
سالی (ایک قسم کا چاول)		2	8	2		5
نیشکر		5	10	5	2	28
منڈوا		2	4	1	8	2
					5	میزان 45
ربیع کا تخمینہ						
چنا	·	2	9	1	2	3
ارہر	·	2	4	1	12	3
گیہوں	15	7	·	50	1/4	24
گندم ۔ جو	15	6	14	1	12	11
					14 ½	میزان 42
					3¼	میزان کل 88

نوٹ ذیل نقشہ : جداگانہ اجناس کی رقوبات جمع کرکے مال کی مجموعی رقم کی میزان میں یہاں ایک آنہ کا فرق نظر آتا ہے۔ غالباً یہ مفصل حساب کی کسی غلطی کا نتیجہ ہے۔

تھے[14] اس کے معنی یہ ہوئے کہ مال کی رقم کے علاوہ جو رقم مزید وصول کی جاتی تھی وہ بیش فیصدی سے کچھ زیادہ اور اکیش فیصدی سے کچھ کم ہوئی۔ ہم یہ فرض کر چکے ہیں کہ پیداوار پر پہلی وصولیابی جس کو مال کہا جاتا تھا، وہ پیداوار کی ایک تہائی تھی۔ مال پر بیش فیصدی کے اضافے کا مطلب یہ ہوا کہ مالگذاری کا مطالبہ یا پیداوار میں حکومت کا کل حصہ ⅖ یا چالیس فیصدی ہوا۔

بھاولی اور کنکوٹ کے لیے ہمارے حسابات مالگذاری کا مطالبہ جداگانہ طور سے مال، جہات اور سائر جہات کے تحت پیش نہیں کرتے۔ ان میں فقط مجموعی پیداوار، رعیت کا حصہ اور سرکار کا حصہ دیا ہوا ہے[15]۔

مجموعی پیداوار حکومت اور رعیت کے درمیان برابر کے حساب سے تقسیم ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بٹائی اور کنکوٹ میں مالگذاری پیداوار کے نصف کے حساب سے مقرر ہوتی تھی۔ اس کی تائید دوسرے ماخذوں سے ہوتی ہے جن میں دیا ہوا ہے کہ مالگذاری کا تخمینہ لگاتے وقت یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ پیداوار کا

14۔ تخمینے کے حساب میں جہات اور سائر جہات کے لیے جو شرحیں متعین کی گئی ہیں ان کی تصدیق مال جہات اور سائر جہات کے طور پر دی ہوئی واقعی رقومات سے ہوتی ہے۔

	آنہ	روپیہ
مال	$2\frac{1}{4}$	88
جہات	$7\frac{3}{4}$	4
سائر جہات	15	103
میزان	9	196

15۔ خلاصۃ السیاق ورق 21 ب، 22 الف فرہنگ کاردانی ورق 32 ب۔ بھاولی تخمینے کا حساب دونوں ماخذوں میں اس طرح ہے: پرگنہ رامپور میں واقع ایک موضع کا بھاولی تخمینہ:

	میزان جنس	رعیت کا حصہ	حکومت کا حصہ
گندم	450 من	225 من	225 من

کنکوٹ کا تخمینہ جیسا کہ خلاصۃ السیاق میں دیا ہوا ہے (ورق 22 الف):

گندم	37 من	18 من 20 سیر	18 من 20 سیر

نصف حصہ حکومت کو حاصل ہو اور باقی نصف کلی طور سے کاشتکاروں کے پاس چھوڑ دیا جائے[19]

یہ شہادت اس نتیجے کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ جہاں تک فصل کی بٹائی اور کنکوٹ کا تعلق تھا حکومت کا حصہ یکساں طور سے پیداوار کا نصف متعین تھا۔ بہرحال اس نتیجے کی تائید وہ شہادت نہیں کرتی جو فصل کی بٹائی سے متعلق[20] ہے۔ موخر الذکر شہادت کے مطابق بٹائی کی شرح میں آراضی کی پیداوار، کاشت شدہ جنس اور کاشتکاروں کی حالت کے حساب سے جگہ جگہ فرق ہوتا تھا۔ راسک داس کے نام جاری شدہ فرمان میں ایک ہدایت یہ ہے کہ ان مواضعات میں جہاں کاشتکار غریب اور مفلوک الحال ہیں اراضی کا تخمینہ بٹائی کی بنیاد پر کیا جائے۔ اور یہ کہ حکومت کا حصہ جنس کے نصف یا ایک تہائی یا اس سے بھی کم کے حساب سے متعین ہو۔ ایک انتظامی بیاض، جو محمد شاہ کے عہد میں تالیف ہوئی، یہ ہدایت ہے کہ بٹائی میں کم از کم مالگذاری کا مطالبہ ہو جو ایک چوتھائی یا اس سے بھی کم ہونا چاہیے اور زیادہ نصف تک جاسکتا ہے[22]۔ تاریخ شاکر خانی میں ایک پٹّے[23] کی شکل محفوظ ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بٹائی میں کاشتکار اور حکومت کا حصہ بالترتیب $\frac{3}{5}$ اور $\frac{2}{5}$ متعین تھا[24] لہذا موضوع زیرِ نظر سے متعلق شہادت کی جانچ پڑتال سے یہ واضح ہوا کہ بٹائی میں مالگذاری کا مطالبہ جنس کے ایک چوتھائی اور نصف کے درمیان رہتا تھا اور یہ کہ حکومت کے حصے سے متعلق کوئی یکساں شرح متعین نہیں تھی۔ حکومت کے حصے میں یہ کمی بیشی مختلف اسباب کی بنا پر واقع ہوتی تھی۔ مثلاً زمین کی زرخیزی، کسی خاص جنس کے حاصل کرنے میں سرمایہ اور محنت کی لاگت، آبپاشی کی سہولت اور کاشتکاروں کی عام حالت وغیرہ۔ مآثر الامرا کے ایک اقتباس سے وہ اصول واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں جن کی بنیاد پر مالگذاری کے مطالبہ کی بٹائی

---

19. نگار نامہ منشی ورق 129 ب، 131 الف۔ دستور العمل بیکس ورق 63 الف ب، 64 الف، 71 الف

20. کنکوٹ کے لیے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ شرحیں مختلف تھیں نہ کسی شہادت سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کنکوٹ کی شرح نصف کے حساب سے یکساں تھی۔

21. نگار نامہ منشی ورق 129 ب، 131 الف

22. دستور العمل بیکس ورق 63 الف ب۔

23. انتقال آراضی کا اقرار نامہ جس میں انتقالِ آراضی کی شرطیں اور اس جنس کا تناسب یا قیمت جو کہ مالکِ آراضی کو ادا کی جائے گی دی ہوئی تھی۔

24. تاریخ شاکر خانی ورق 151 الف ب، 152 الف۔

کی جاتی تھی[25] یہاں ہم کو یہ پتہ چلتا ہے کہ مرشد قلی خاں نے بٹائی کے لیے مالگذاری کے مطالبے کی تین شرحیں مقرر کی تھیں۔ وہ آراضی جس میں بارش سے فصل تیار ہوتی تھی وہاں جنس کا نصف بطور مالگذاری لیا جاتا تھا۔ وہ فصلیں جن کی آبپاشی کنویں سے ہوتی تھی انمیں ایک تہائی جنس حکومت کے حصے کے طور پر متعین تھی اور دو تہائی کاشتکاروں کا حصہ تھا۔ البتہ اس آراضی میں جہاں نہروں سے آبپاشی ہوتی تھی تخمینہ کی شرح مختلف تھی۔ بعض جنسوں کی شرح میں مثلاً نیشکر اور انگور میں $\frac{1}{9}$ سے لگاکر $\frac{1}{4}$ تک کا فرق تھا۔ وہ زرخیز آراضی جس میں سرمایہ اور محنت کی لاگت سب سے کم آتی تھی اس کا تخمینہ جنس کے نصف حساب سے ہوتا تھا لیکن جن زمینوں پر کچھ سرمایہ اور کافی محنت کی ضرورت ہوتی تھی ان پر تخمینے کی شرح نیچے رہتی تھی۔ مالگذاری کا مطالبہ کرنے میں کاشتکاروں کی حالت ایک فیصلہ کن عوامل میں سے ایک تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قواعد فقط بٹائی کے لیے مخصوص نہ تھے بلکہ دوسری نوعیتوں کے تخمینے پر بھی عاید ہوتے تھے۔ یہ نتیجہ اس شہادت سے برآمد ہوتا ہے جو عام ہدایات کے زمرے میں شمار ہوتی ہے اور پیداوار کے اس حصے کو متعین کرتی ہے جس کو مالگذاری کے طور پر وصول کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے پر سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور حتمی شہادت وہ فرمان ہے جو مرآتِ احمدی میں موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا فرمان کے ضوابط کو تمام مملکت میں نافذ کرنا مقصود تھا اور ان کو وضع کرنے میں مختلف صورتوں کو ملحوظ رکھا گیا جو کہ ممکن طور سے مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کے وقت پیدا ہوسکتی ہیں۔ دراصل مالگذاری کے مطالبے کی حدود سے متعلق جملہ ضوابط کو احتیاط سے جانچنا ضروری ہے۔ ضوابط مذکور اس بات کو لازمی قرار دیتے ہیں کہ مالگذاری کا مطالبہ زیادہ سے زیادہ پیداوار کا نصف ہو اور کسی حال میں بھی یہ مطالبہ پیداوار کے نصف سے اوپر نہیں بڑھنا چاہیے۔ ایسے مقامات پر جہاں مالگذاری کا مطالبہ پیداوار کے نصف سے زیادہ ہوگیا ہے وہاں فوراً کم کردیا جائے۔ اصولی طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی تھی کہ مالگذاری مقرر کرتے وقت کاشتکاروں کی ادائیگی کی صلاحیت کو ملحوظ رکھا جائے[26] یہ بھی واضح تھا کہ مقامی حالات کو پوری طرح نظر میں رکھا جائے گا اور جس مخصوص علاقے میں جو مطالبہ مروج ہے جہاں تک ہوسکے وہی برقرار رکھا جائے گا۔ یہ امر کہ مخصوص علاقے

25۔ مآثر الامراء ج 3 جز ا صفحہ 498، 497 نسبتاً قبل کے دور کی شہادت سے استفادہ کرنے کا جواز یہ ہے کہ اس میں وہ اصول واضح طور پر دیے ہوئے ہیں جن کی رو سے مختلف اقسام کی آراضی پر مختلف شرحیں متعین تھیں۔ اس قسم کی حتمی شہادت پورے مغل دور کے لیے کہیں اور نہیں ملتی۔

26۔ مرآۃ احمدی ج ا صفحہ 271 - 270

کے مقامی حالات کا لحاظ کیا جاتا تھا، غلہ بخشی یعنی بٹائی کے اس طریقۂ کار سے بھی واضح ہوتا ہے جو ایسے علاقوں میں برتا جاتا تھا جہاں کاشتکار بہت زیادہ مفلس اور نادار تھے۔ ایسے علاقوں میں مالگذاری کی شرح اور زیادہ گھٹادی جاتی تھی اور وہاں فقط نصف اور ایک تہائی کے درمیان لی جاتی تھی[27]

مختصراً پہلی بات یہ کہ مالگذاری کا مطالبہ مختلف علاقوں میں سماجی اور زراعتی حالات کے مطابق مختلف تھا۔ اور ایک چوتھائی سے لیکر نصف کے درمیان اوپر نیچے ہوتا رہتا تھا۔ دوسرے زیادہ سے زیادہ پیداوار کا نصف ہوتا تھا۔ تیسری بات یہ کہ عام اصول کے طور پر کسی مخصوص علاقے کے زراعتی حالات کو مالگذاری مقرر کرتے وقت اچھی طرح نظر میں رکھا جاتا تھا اور کاشتکاروں کی صلاحیتِ ادائیگی مقدم سمجھی جاتی تھی۔ مالگذاری کے مطالبے میں ایسا اضافہ جس سے کاشتکار اکھڑ جائے اور زراعت تباہ ہو جائے واضح طور سے غیر پسندیدہ سمجھا جاتا تھا[28]

'نگار نامہ منشی' اور 'دستور العمل بیکس' میں موجود شہادت کے پیشِ نظر ان نتائج کے بارے میں شکوک پیدا ہو سکتے ہیں۔ مذکورہ مآخذ میں ہم کو مکرر یہ بات بتائی گئی ہے کہ پیداوار کا نصف حکومت کے حصے کے طور پر لینا چاہیے۔ یہ شہادت جس کا حوالہ ابھی دیا گیا ہے غالباً اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عام طریقہ نصف پیداوار مالگذاری کے طور پر لینے کا تھا۔ مندرجہ بالا سطروں میں ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ مغلوں کے ماتحت مالگذاری کی شرح یکساں طور پر نہیں تھی۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا دو مآخذ میں واقع شہادت کا مطلب کیا ہوا۔ دراصل نگار نامۂ منشی کی شہادت عام طور پر احکامات کی شکل میں ہے جو کہ شہزادوں کے ملازمین اس جاگیر کے تخمینے کے سلسلے میں جاری کرتے تھے جو کہ شہزادوں کو ملتی تھی۔ ان احکامات کا نفاذ واقعی طور پر ان مخصوص علاقوں تک محدود تھا جو کہ جاگیر کی حیثیت سے شہزادوں کے پاس تھے۔ اس شہادت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان علاقوں کا تعلق مملکت کے کس حصے سے تھا۔ بہرحال ہم فرض کر سکتے ہیں کہ ان علاقوں میں زراعت اچھی طرح ہوتی تھی اور ان کی آراضی زرخیز تھی۔ لہٰذا مالگذاری کا مطالبہ نصف کے حساب سے جائز تھا۔

---

[27] نگار نامہ منشی ورق 129 ب۔ 131 الف۔

[28] مرآۃِ احمدی ج ا صفحہ 270

[29] نگار نامہ منشی صفحہ 145، 144، 98، 62۔ دستور العمل بیکس 63 الف ب، 64 الف 71 الف۔ اسی مآخذ میں ایک دوسری جگہ پر حکومت کا حصہ پیداوار کا ⅓ دیا ہوا ہے۔ دستور العمل بیکس ورق 63 الف ب 64 الف۔ 71 الف۔

دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ آیا پیداوار کے نصف کا مطالبہ زیادہ سے زیادہ تھا یا کم سے کم ماٰخذ مذکورہ کے ایک اقتباس سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ وہاں یہ دیا ہوا ہے کہ پیداوار کے نصف کے حساب سے مالگذاری کا مطالبہ زیادہ سے زیادہ سمجھا جائے اور کسی حالت میں بھی نصف کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے[30]

جہاں تک دستور العمل بیکس کی شہادت کا تعلق ہے یہ مراد آباد سرکار میں تفویض کی گئی جاگیروں کے بارے میں ہے۔ یہ علاقہ حاصل خیزی کے اعتبار سے معروف تھا اور مملکت کے انتہائی خوشحال علاقوں میں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس علاقے کی زیادہ سے زیادہ مالگذاری پیداوار کے نصف کے حساب سے مقرر تھی۔

حاصلِ کلام یہ کہ مذکورہ ماٰخذ میں واقع ہدایات مقامی طور سے نافذ کرنے کے لیے تھیں۔ ان کے ذریعہ مملکت کے تمام حصوں میں مالگذاری کی یکساں شرح کا نفاذ مقصود نہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ پیداوار کا نصف مالگذاری کے مطالبے کی زیادہ سے زیادہ حد تھی۔

معاصر ماٰخذ میں دی ہوئی متعلقہ شہادت کا معائنہ مندرجہ ذیل بیان سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اوپر یہ دکھایا جا چکا ہے کہ ضبط کے تخمینے میں کل مالگذاری کے مطالبے پیداوار کا 2/5 یا چالیس[40] فیصدی تھا۔ بٹائی اور کنکوٹ میں نصف پیداوار وصول کی جاتی تھی جو کہ مالگذاری کی زیادہ سے زیادہ شرح تھی۔ کم سے کم کی شرحیں مختلف طور پر 1/2، ایک چوتھائی اور ایک تہائی دی ہوئی ہیں[31]۔ مالگذاری کی شرح میں یہ کمی بیشی مختلف اسباب کی بناء پر واقع ہوتی تھی۔ مثلاً آراضی کی حیثیت، کاشت شدہ جنس کی نوعیت، آبپاشی کی ضرورت، فصل کی تیاری میں محنت اور سرمایہ کی لاگت اور کسانوں کی عام حالت۔ لیکن سب سے زیادہ اہم معاملہ جس سے مالگذاری کے مطالبے کا بوجھ واقعی طور پر متعین ہوتا تھا وہ تھا تخمینے کا طریقہ جو کہ زیرِ مطالعہ زمانے میں عام طور پر برتا

30۔ نگار نامہ منشی صفحہ 154

31۔ یہ نتیجہ کہ پیداوار کا نصف مالگذاری کی سب سے زیادہ شرح تھی اور دوسرے یہ کہ شرحیں یکساں نہیں تھیں ان باتوں کی تصدیق اس تفتیش سے بھی ہوتی ہے جو کہ انگریز حکام نے ابتدا میں کی تھی۔ شمال مغربی صوبے کے مالگذاری ریکارڈ کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان آراضیات پر جہاں وصولی نقد ہوتی تھی اور ان پر جہاں جنس کی صورت میں ہوتی تھی، مالگذاری کی شرحیں جداگانہ تھیں اور ہر پرگنہ میں شرح بدل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک ہی پرگنہ کے اندر ایک سے دوسرے گاؤں تک شرح کا اختلاف عام تھا جس میں اصل چیز زمین کی زرخیزی تھی۔ ریکارڈوں میں جو مالگذاری کی شرحیں دی ہوئی ہیں وہ اس طرح ہیں، 1/8، 1/7، 1/6، 1/5، 1/4، 1/3، 2/5، 1/2، (ملاحظہ ہوں مالگذاری ریکارڈ صفحہ 260، 262، 289)

جاتا تھا۔ اکثر و بیشتر ایک پورے موضع یا مواضعات کے مجموعے کا تخمینہ سابقہ کاغذات کی بنیاد پر لگایا جاتا تھا اور جن لوگوں کی خدمات مالگذاری کے لیے حاصل کی جاتی تھیں وہ زمیندار اور تعلقدار ہوتے تھے۔ موجود شہادت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ رضامندی کے مرحلے تک پہنچنے کے لیے تخمینہ لگانے والے حکام اور زمیندار میں زبردست رسہ کشی ہوتی تھی اور دونوں طرف سے چالیں چلی جاتی تھیں۔ بالآخر زیادہ ہشیار فریق کی مدد چید سے معاملہ طے پاتا تھا۔ ہذا مالگذاری کے مطالبے کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ تخمینے کے ان مختلف طریقوں کی نہایت غور سے جانچ پڑتال کی جائے جن کا حوالہ ہمارے آخذ میں ملتا ہے۔

فصل دوئم

تخمینے کے طریقے

اٹھارویں صدی کے نصف اول کی تاریخ سے متعلق آخذ کے اندر زیر مطالعہ زمانے میں رائج تخمینے کے طریقوں کی بابت کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ جواہر مل بیکس کی تالیف 'دستور العمل بیکس' واحد معاصر مآخذ ہے جس میں کہ اس موضوع سے متعلق اطلاعات ملتی ہیں۔ یہ کتاب سنبھل مراد آباد میں 1144ھ/ 32 - 1731ء میں لکھی گئی۔ بعض قابل قدر معلومات ان رپورٹوں اور کاغذات کے ذریعہ مل جاتی ہیں جو اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں انگریزی حکومت کے استفادے کی خاطر تیار کیے گئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اکبر کے زمانے سے تخمینے کے نہایت معروف اور سب جگہ تسلیم شدہ طریقے نسق، ضبط، کنکوت اور بھاولی تھے۔ ان میں سے بہت سے طریقے شمالی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جوں کے توں جاری رہے لیکن وہ حدود جہاں مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک کا نفاذ تھا ضرور تبدیل ہوتے رہے۔ یہ تبدیلی بیشتر سیاسی اور انتظامی حالات میں رونما ہونے والی تبدیلی سے مربوط تھی۔ دوسرے یہ کہ اورنگ زیب کے عہد میں مالگذاری کے نظام میں بعض نئے رجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ جاگیرداری کا انحطاط اور اس کے ہمراہ اجارے کا وسیلۂ عمل ایسی صورت حال پیدا کرنے کا ذمہ دار تھا کہ تخمینے کے پرانے طریقوں سے کامیابی سے جاری رہنا مشکل ہو گیا۔

ہست و بود

عظیم مغلوں کے تحت تخمینے کا طریقہ جسے 'ہست و بود' کہتے تھے، دراصل ایک معروف طریقۂ کار تھا۔ اس میں کھڑی فصل کا معائنہ کیا جاتا تھا اور معائنہ کی بنیاد پر متوقع پیداوار کا اندازہ لگایا جاتا

تھا[32] دستورالعمل بیکس میں ہست و بود کی جو تعریف دی ہوئی ہے اس کی تصدیق اُس بیان سے ہوتی ہے جو فرہنگ کاردانی میں ملتا ہے۔ دستورالعمل بیکس کے مطابق قاعدۂ مذکور کی رو سے متعلقہ حاکم کھڑی فصل کا معائنہ کرتا تھا، چودھریوں اور قانون گویوں کی رضامندی سے جمع کا تخمینہ لگاتا تھا[33] اس اصطلاح کی تعریف محمد حسین کی کتاب میں بھی ملتی ہے، جو بعد میں لکھی گئی۔ مولف کہتا ہے کہ لفظی طور سے یہ اصطلاح کھڑی فصلوں پر معمول کی جاتی تھی اور تخمینے کے طریقے کی رو سے اس کا مطلب کھڑی فصلوں کی بنیاد پر تخمینہ ہوتا تھا، نہ کہ مزروعہ آراضی کا مجموعی رقبہ۔ تخمینے کا یہ طریقہ اُس عمل سے مختلف تھا جس کے مطابق ہلوں کی تعداد یا جوت کی آراضی کے رقبے کی بنیاد پر جمع کا حساب لگایا جاتا تھا[34]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے زیادہ ظالم قسم کے حکام فصلوں کے پکنے سے پہلے کھیت میں وارد شدہ نقصان کو تخمینے کے دوران ملحوظ نہیں رکھتے تھے یا اگر کوئی رقبہ جوتا گیا مگر بویا نہیں گیا یا قابل کاشت زمین بغیر بوئے چھوڑ دی گئی ایسی صورت میں وہ لوگ تمام قابل کاشت آراضی کا تخمینہ لگا کر زمیندار یا کاشتکار کے نام اندراج کر ڈالتے تھے ان حالات میں زمیندار کو واقعی کھڑی فصلوں کی بنیاد پر تخمینہ کرانے کا حق حاصل تھا[35]۔ اس طرح تینوں مآخذ کی شہادت اس امر سے متفق ہے کہ ہست و بود کے تحت کھڑی فصلوں کے معائنے کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جاتا تھا نہ کہ جوتی ہوئی زمین، زمیندار یا کاشتکار کے نام پر اندراج شدہ رقبے کی رو سے۔ دستورالعمل بیکس میں ہم کو مزید یہ بتایا گیا ہے کہ جمع میں اضافہ یا کمی اس وقت کی جاتی تھی جب کھڑی فصل کے رقبے کا معائنہ اور تصدیق کا عمل مکمل ہو جاتا تھا۔ یہ بات کہ تخمینے کا یہ طریقہ آراضی کے مالک کے لیے منصفانہ اور مناسب تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے تخمینے کا مطالبہ خود زمیندار کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ اس سے تخمینہ لگانے والے حاکم کا کام سہل اور ہلکا ہو جاتا تھا اور متعلقہ فریقین تخمینے کے عمل پر خرچ ہونے والی رقم سے بھی بچ جاتے تھے۔ البتہ اس طریقے کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ اس کی بدولت زمیندار اور رعیت کو ظالم اور لالچی قسم کے حکام کی دراز دستی نہیں جھیلنی پڑتی تھی۔ بالواسطہ طور پر اس سے مملکت کا مقصد بھی حاصل ہوتا تھا، کیونکہ مطمئن اور خوشحال کاشتکار مزروعہ آراضی کے رقبے کو بڑھانے پر توجہ

32۔ فرہنگ کاردانی ورق 32 الف

33۔ دستورالعمل بیکس اوراق 63، 62

34۔ Add 66-3، ورق 84 الف

35۔ ایضاً ورق 84 الف

کرتے تھے۔ اس طرح سلطنت کی مالگزاری میں اضافہ ہوتا تھا۔ درحقیقت دستورالعمل بیکس کا مولف تخمینے اور وصولیابی کے طریقوں سے متعلق باب کے خاتمے سے قبل ان نکات کی طرف صراحت سے اشارہ کرتا ہے اور ایک کامیاب عامل کو چند الفاظ میں نصیحتیں پیش کرتا ہے۔ وہ عامل کو یاددہانی کراتا ہے کہ کاشتکار کو خوشحال اور مطمئن رکھنا خود اس کے مفاد میں بہتر ہوگا۔ اور یہ کہ اس مقصد کو ہست و بود کا طریقہ اختیار کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ تخمینے کا سب سے بہتر طریقہ وہی ہے[26]۔

اس طرح عامل کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ پورے پرگنے کا تخمینہ ہست و بود کے طریقے سے لگائے اور فردِ چولساں کرے[27]۔ البتہ یہ متعین کرنا مشکل ہوگا کہ عامل کس حد تک اپنی حیثیت کو حکومت کے نقصان یا اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرتا تھا۔

کنکوٹ

کنکوٹ تخمینے کا دوسرا اہم طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ طریقہ رعیت کے سامنے پہلے چارۂ کار کے طور پر اس وقت پیش کیا جاتا جبکہ کسی وجہ سے اس کو ہست و بود کا عمل قابلِ قبول نہ ہو، جیسا کہ اکبر اور اورنگ زیب کے عہد حکومت سے واضح ہوتا ہے۔ اس طریقے کے مطابق جس آراضی میں فصلیں لگی ہوئی ہوں اس کی پیمائش کی جاتی تھی اور مجموعی پیداوار کا اندازہ کرلیا جاتا ہے۔ ضبط، کنکوٹ کے خسرے میں مندرجہ ذیل اندراجات ہوتے تھے۔

(1) آسامی یا کاشتکار کا نام

(2) کھیت کی لمبائی

26ء دستورالعمل بیکس 76 الف ب

27ء دستاویز میں مندرجہ ذیل تفصیلات دکھائی گئی ہیں : (1) کاشت کا رقبہ (2) دامی سالِ کامل یا رقومات جمع، داموں میں اس سال کی جس سال کی پوری قابل کاشت آراضی کا تخمینہ لگایا گیا (3) دامی سالِ اکمل یا رقومات جمع اس سال کی جس سال وہ سب سے زیادہ تھیں (4) شرح ڈولِ سال حال، اس میں سالِ جاری کی تخمینہ شدہ جمع کی رقومات دکھائی جاتی تھیں بشمولیت اس متوقع آمدنی کے جو مالگذاری کے علاوہ ہوگی اور اس میں یہ تصدیق ہوتی تھی کہ تخمینہ رعیت کی رضامندی اور چودھری قانونگو کے مشورے سے لگایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو دستورالعمل بیکس اوراق 69 ب، 65 الف

(3) کھیت کی چوڑائی۔

(4) زیر کاشت مجموعی رقبہ۔

(5) تباہ شدہ فصلوں کا رقبہ۔

(6) کھڑی فصلوں کا باقی رقبہ۔

(7) مختلف فصلوں کے تحت رقبہ[38]۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر ایک کاشتکار کی انفرادی آسامی کی پیداوار کا اندازہ کھڑی فصلوں کے پیمائش شدہ رقبے کی بنیاد پر اور علاقے میں فی بیگھہ یا بسوا پیداوار کا اوسط سامنے رکھ کر کیا جاتا تھا۔ اگر کاشتکار اس طرح کے تخمینے سے مقرر شدہ جمع[39] میں اضافہ ہو جانے کی شکایت کرتا تھا تو اس کی جانچ کا طریقہ یہ تھا کہ جنس کے نمونے کو تول کر پیداوار کا تعین کر لیا جاتا تھا۔ امین کے لیے لازم تھا کہ وہ کھڑی فصل کا کوئی ایک بسوا انتخاب کرلے اور دوسرا بسوا رعیت کو انتخاب کرنے کی آزادی تھی۔ ان دو بسوں کی فصل کاٹ کر جدا صاف کی جاتی تھی اور غلہ تول لیا جاتا تھا۔ تخمینے میں کسی قسم کی کمی یا بیشی مجموعی پیداوار کے مذکورہ طریقے سے لگاتے ہوئے حساب کی بنیاد پر کی جاتی تھی[40]۔ جمع بندی، کیموٹ کے اندراجات کی بنیاد پر تیار کی جاتی تھی[41]۔ تخمینے کی رُو سے غلے کی جمع رائج الوقت قیمت کے حساب سے نقدی میں منتقل کرلی جاتی تھی۔ اور ہر آسامی (کاشتکار) کے تخمینے کا حصہ اس کے نام کے آگے دکھایا جاتا تھا[42]۔ اس طرح اس طرح اس زمین کی پیمائش جس میں فصل کھڑی ہے، ضبط اور کنکوٹ دونوں میں مشترک تھی اور جمع بندی تیار کرتے وقت نقد شرح کا نفاذ ہوتا تھا اور دونوں طریقوں کے تحت مالگذاری نقدی میں دکھائی جاتی تھی۔ دونوں طریقوں کے تخمینے میں اہم فرق یہ تھا کہ کنکوٹ

38۔ دستورالعمل بیکس، ورق 70 ب۔

39۔ جمع : یہاں اس کا مطلب تخمینہ شدہ مالگذاری سے ہے۔

40۔ دستورالعمل بیکس ورق 70 ب۔ مزید ملاحظہ ہو دستورالعمل مہدی علی خاں ورق 28۔

41۔ کیموٹ : مالکوں کی کتاب۔ مالکوں اور دائمی پٹہ داروں کے تحت دیکھیے ولسن کا حاشیہ صفحہ 446 - 447

42۔ دستورالعمل بیکس ورق 718۔ آئین ج 1 صفحہ 199 : فرہنگ کاردانی ورق 32 ب خلاصۃ السیاق ورق 21 الف ب۔

میں فی بیگھہ پیداوار کا اندازہ متعلقہ فریقین کی باہمی رضامندی سے کیا جاتا تھا یا کچھ بسوں کی جنس کو بطور نمونہ تول لیا جاتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں کنکوٹ کے مطابق کم و بیش اصل پیداوار پر تخمینہ لگایا جاتا تھا اور فصلوں کو جو نقصان ہوتا وہ کاشتکار اور حکومت کے درمیان برابر تقسیم ہو جاتا تھا۔ بہر حال ضبط کے ماتحت تخمینے کا طریقہ یہ تھا کہ فی بیگھہ اوسط پیداوار کو دیکھ کر قیاس یا توقع کے ذریعہ کچھ پیداوار طے کر لی جاتی تھی اور اگر آفات آسمانی کی وجہ سے فصلوں کو نقصان ہو گیا تو چھوٹ بھی دی جاتی تھی۔ مگر ایسی صورت میں کہ فصلوں کی پیداوار دوسری وجوہات کی بنا پر مثلاً خراب بیج، کمزور زمین، ناکافی آبپاشی وغیرہ کے نتیجے میں اوسط سے بہت نیچے گر گئی تو چھوٹ کا کوئی بندوبست ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس طرح کنکوٹ کا طریقہ ظاہرہ طور سے کاشتکاروں کی حمایت کرتا تھا۔ ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ضبط یا کنکوٹ کے درمیان کافی رد و قدح ہوتی ہوگی۔ اس دور کی مالگذاری کی بیاضوں میں بلا استثنا حکّام متعلقہ کے نام یہ ہدایت نظر آتی ہے کہ صاحب آسامی کو تخمینے کے مختلف طریقوں میں سے انتخاب کا پورا موقعہ دیں، مگر حکّام اور اہلکار موقعہ پر پہنچ کر ونائب مالگذاری کے احکامات کی کس قدر تعمیل کرتے تھے یہ کہنا فی الحال مشکل ہے۔

بھاولی

تخمینے کا تیسرا طریقہ بھاولی کہلاتا تھا۔ یعنی متعلقہ فریقین کے درمیان پہلے سے طے شدہ شرطوں کے مطابق فصل یا جنس کی بٹائی ہو جاتی تھی۔ بھاولی کے معاملے پر عملدرآمد کی دو شکلیں تھیں، ایک خوشہ بٹائی اور دوسری غلہ بٹائی۔ خوشہ بٹائی میں یہ ہوتا تھا کہ حکومت اور کاشتکاروں کے درمیان $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{3}$، $\frac{1}{4}$، یا $\frac{1}{5}$ کے حساب سے خوشے تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ اور اسی کے مطابق خسرہ تیار ہوتا تھا۔ غلہ بٹائی عام طور پر چنار بٹائی کہلاتی تھی اور اس میں واقعی طور پر غلے کی تقسیم ہو جاتی تھی۔[43] خسرہ بھاولی مندرجہ ذیل اندراجات پر مشتمل ہوتا تھا۔[44]

(۱) آسامی کا نام

---

[43] دستور العمل بیکس اوراق 71 ب، 27 الف۔ آئین اکبری ج ا صفحہ 99۔ فرہنگ کاردانی ورق 32 ب۔ خلاصۃ السیاق ورق 13 الف ب۔ ایک دوسری جگہ تخمینے کے اس طریقے کو غلہ بخشی بٹائی کہا گیا ہے۔

[44] دستور العمل ورق 72 الف

(2) کھیت کی لمبائی۔

(3) کھیت کی چوڑائی۔

(4) مجموعی رقبہ۔

(5) مجموعی پیداوار۔

(6) رعیت کا حصہ

(7) حکومت کا حصہ

(8) مجموعی اخراجات

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلے کی تقسیم اس وقت عمل میں آتی تھی جب کاشتکار پر وارد شدہ واجبی اخراجات وضع کر لیے جاتے تھے[45] اور جمع بندی اس کے مطابق تیار کی جاتی تھی۔ یہ شہادت موجود ہے کہ اگر رعیت کی طرف سے عرضداشت پیش ہوتی تو سال کے ابتدا میں بھی بھاولی کا انتظام طے ہو جاتا تھا۔ ایسے تخمینے کی صورت میں پٹہ بھاولی باقاعدہ طور سے لکھا جاتا تھا اور رعیت کو دیا جاتا تھا۔ شہادت مذکور کا بیان یہ ہے کہ موضع مذکورہ کے مقدم، رعیت اور مزارعین کی عرضداشت کے مطابق سالِ گذشتہ کی جمع کی بنیاد پر تخمینہ کیا گیا اور یہ شرط قرار پائی کہ جب فصلیں پک جائیں گی' تو طے شدہ شرائط کو پورا کیا جائے گا[46]۔ بھاولی کے سلسلے میں سرکاری نکتۂ نظر کا اظہار اس مقولے سے اچھی طرح ہوتا ہے کہ "بٹائی لٹائی است" یعنی بٹائی میں لوٹ ہوتی ہے (جہاں تک کاشتکاروں کا تعلق ہے)۔ بٹائی میں بہت زیادہ چوکنا رہنا پڑتا تھا اور مسلسل نگرانی کی ضرورت ہوتی تھی جس کی وجہ سے کچھ فالتو اخراجات ہو جاتے تھے' جو غالباً حکومت اور مزارعین کے درمیان برابر بانٹ دیے جاتے تھے۔ اس طرح نتیجے کے طور پر مملکت کی مجموعی مالگذاری میں کمی ہو جاتی تھی۔ بہرحال مقامی اہلکاران کی انتہائی کوشش کے باوجود پیداوار کے کچھ حصے کی خرد برد کے امکانات بالکل ختم نہیں ہوتے تھے تاوقتیکہ بٹائی واقعی طور سے نمٹ نہ جائے۔ مندرجہ بالا مقولے کی درستی اور بٹائی کے انتظامات کے سلسلے میں سرکاری عدم رضامندی کی وجہ دراصل یہی تھی۔ ایسے بندوبست کے لیے لازمی تھا کہ مانگ خود مزارعین کی طرف سے ہونی چاہیے اور عام طور سے تخمینے سے متعلق حکام کا یہ

---

45 دیوان پسند ورق 81۔

46 دستور العمل بیکس ورق 62 ب

47 ایضاً ورق 71 ب

فریضہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس مانگ کو منظور کریں گے۔ البتہ عملی طور پر حاکمِ تخمینہ اپنے اختیارِ تمیزی کے استعمال میں کافی آزاد ہوتا تھا اور وہ مزارعین کی عرضداشت مسترد کرتے ہوئے یہ جواز پیش کرنے کا مجاز تھا کہ ایسے بندوبست کے نتیجے میں مملکت کا نقصان ہوتا ہے۔

عملِ کیموٹ

تخمینے کا یہ طریقہ اس طرح تھا کہ جریب کی مدد سے مزروعہ آراضی کی پیمائش کر کے منتخب[48] کی تیاری کر لی جاتی تھی۔ پرگنے کے لیے جمع بندی کیموٹِ جنسی کی بنیاد پر تیار کی جاتی تھی[49]۔ کیموٹ جنسی کی اصطلاح کے معنی زیادہ صاف نہیں ہیں۔ غالباً اس سے وہ کاغذ مراد ہے جس میں غلّے کے حساب سے مقررشدہ جنس کی شرح یا مطالبہ دکھایا جاتا تھا[50]۔ اگر اوپر کا یہ مفروضہ صحیح ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تخمینے کا وہ طریقہ جس کو کیموٹ کہا گیا ہے، وہ ضبط کے بدل کی ایک شکل تھی۔ منتخب کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تخمینہ پورے موضع کا کیا جاتا تھا، انفرادی املاک کا نہیں کیا جاتا تھا۔

عملِ جنسی

اس کی نوعیت یہ تھی کہ کھلیان میں پڑی ہوئی فصل کا سرسری اندازہ کر لیا جاتا تھا اور رعیت سے ایک معاہدہ رہتا تھا جس کے مطابق ادائیگی جنس کی صورت میں کی جاتی تھی[51]۔

---

48 اس کاغذ میں موضع کی ہر بوئی ہوئی جنس کے تحت علیحدہ رقبہ دیا ہوا تھا اور یہ انفرادی کاشتکار سے قطع نظر پورے موضع کی جمع تیار کرنے میں کام آتا تھا۔ اگر دمولیا بی ہر کاشتکار سے علیحدہ ہوتی تھی تو جمع بندی میں اس کاشتکار کا مزروعہ رقبہ، ہر جنس کا رقبہ علیحدہ کر کے دکھایا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو دیوان پسند اوراق 2 ب، 18 الف

49 دستورالعمل بیکس ورق 72 الف ب۔

50 کیموٹ: حصے داری کا حساب دکھانے والا کاغذ جس کی مدد سے موضع حصہ داریوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس میں رعایا کا تخمینہ ان کے حصوں کے مطابق دیا ہوا ہوتا تھا اور تخمینے کی شرح درج ہوتی تھی۔ (ولسن کا حاشیہ صفحہ 285، 584)۔ اگر کیموٹ کا لفظ تخمینے کی حسب اندراج شرح کے مفہوم میں آتا ہے تو ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کیموٹ اجناس کا وہ کاغذ ہوتا تھا جس میں غلّے کے حساب سے تخمینے کی رقم دی ہوئی ہوتی تھی۔

51 دستورالعمل بیکس ورق 72 الف ب۔

سربستہ

تخمینے کا یہ طریقہ ایک طرح سے سرسری تخمینہ معلوم ہوتا ہے اور بیاض میں یہ دیا ہوا ہے کہ حاکم تخمینہ کو پورے پرگنے کا سرسری تخمینہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر پورے پرگنے کا سرسری تخمینہ کیا جائے تو ایسی صورت میں مواضعات کے اور جمع کی تقسیم چودھریوں اور قانونگویوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑنی چاہیے[53] متن[54] میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسا عمل ان کو یہ موقعہ دے گا کہ وہ لوگ اپنے مواضعات کی جمع دوسرے مواضعات پر منتقل کر دیں گے اور اس طرح اپنے مواضعات کی پوری آمدنی اپنی جیب میں رکھیں گے۔ بہرحال تنہا ایک موضع کے سرسری تخمینے کی بابت کوئی حتمی حکم امتناعی نہیں جاری کیا گیا۔ لہٰذا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ایک موضع حتیٰ کہ ایک پرگنے کے سلسلے میں سرسری تخمینے کا وجود تھا۔ البتہ اعلیٰ حکام یقیناً اس کو ناپسند کرتے تھے۔

تشخیص نقدی

اکبر کے زمانے میں نقدی کا مطلب وہ رقم تھی جو یکجا تخمینے کی رو سے بطور نقد وصول ہوئی۔ البتہ مذکورہ اقتباس میں یہ اصطلاح ظاہری طور سے تخمینے کے مفصل طریقے کے مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔ تخمینے کا یہ طریقہ جو نقدی کہلاتا تھا اس زمانے میں اتنا معروف تھا کہ اس کے لیے کسی بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ تخمینہ اور وصولیابی کے ابواب میں ضبط کا کوئی حوالہ نہیں دیا جاتا تاہم کو نقدی کی اصطلاح کی تشریح دوسرے ماخذ میں دیکھنی پڑے گی۔ دراصل انیسویں صدی کے اوائل کی ایک تالیف میں اس اصطلاح کی تعریف ملتی ہے۔ صاف طور سے تخمینے کے طریقے کو نقدی کہا گیا ہے۔ اس کی رو سے مزروعہ اراضی کی پیمائش کی جاتی تھی۔ زرعی پیداوار سے متعلق مقامی حالات کے بارے میں معلومات کی جاتی تھیں اور نقدی شرح کا حساب لگانے کے لیے مروجہ قیمتوں کی فہرست کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ نقدی کی تعریف جیسا کہ اوائل انیسویں صدی کی ایک بیاض میں مذکور ہے، بغیر کسی شک کے اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ نقدی دراصل ضبط کا ایک دوسرا نام تھا۔ یہ بھا ولی

---

[52] دستور العمل بیکس ورق 72 الف ب

[53] ایضاً 66 ب

[54] ایضاً 66 ب

کا بدل تھا جس میں کے وصولیابی بطور نقدی کی جاتی تھی[55]

تخمینے کے طریقوں سے متعلق مندرجہ بالا اجمالی معلومات میں 'دیوان پسند' کی شہادت کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، جو انیسویں صدی کے پہلے چوتھائی زمانے میں مرتب ہوئی۔ ضابطۂ مالگذاری سے متعلق یہ بیاض ضبط اور بھاولی کا ذکر کرتی ہے اور تخمینے کے ایک ایسے طریقے کو بیان کرتی ہے جس کو ہم آسانی سے شناخت کر کے کہہ سکتے ہیں وہ 'نسق' تھا۔ ضبط 'کنکوٹ' اور بھاولی کے خسروں کو انہیں تفصیلات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو خلاصۃ السیاق' میں ملتی ہیں۔ 'دیوان پسند' میں موضع کے 'سیاحۂ تشخیص' کی نقل سے پہلے جو مختصر تعارف ہے اس کے ذریعہ ہماری رسائی تخمینے کے بندوبست اور اس کی عملی صورت تک ہو جاتی ہے[56] مولف ہم کو آراضی کی صورتحال سے روشناس کراتا ہے اور تخمینے کے انتظامات یہ کہہ کر پیش کرتا ہے موضع کی مالگذاری کے بندوبست سے متعلق جملہ معاملات عام طور پر زمیندار کے ساتھ طے پاتے تھے۔ جمع تیار کرتے وقت حاکم تخمینہ کو اراضی مزروعہ کی پیمائش کرنی پڑتی تھی۔ اس کا منتخب یعنی فصل کی ہر جنس کے مجموعی رقبے کا مختصر بیان تیار کرتا تھا اور پھر اس کے مطابق حساب لگا کے جمع بندی تیار کرنی ہوتی تھی۔[57] زمینداروں کو تخمینے کے ذریعہ موضع کی مقررہ جمع اور اس کی ادائیگی کے سلسلے میں تحریری معاہدہ داخل کرنا پڑتا تھا جس کو قبولیت کہتے تھے جس اقتباس کا یہاں حوالہ ہے اس میں تخمینے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ پورے گاؤں کے سلسلے میں زمینداروں کے ساتھ ضبط کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ضبط کا معاملہ کرنے کی ایک دوسری شکل بھی تھی وہ یہ کہ خسرہ کھاتہ بندی کی بنیاد پر کاشتکاروں کی انفرادی املاک کا تخمینہ کر لیا جاتا تھا۔ خسرہ کھاتہ بندی کے کاغذ میں مختلف کاشتکاروں کی زیر کاشت اجناس کا رقبہ درج ہوا ہوتا تھا۔ اس قسم کے عمل کو عمل خام کہتے تھے اور اس کے تحت ہر کاشتکار کی انفرادی املاک کا جداگانہ تخمینہ لگایا جاتا تھا اور مالگذاری اس سے براہ راست لی جاتی تھی۔ ایسے انتظامات اس وقت کیے جاتے تھے جب زمیندار ضبط کے اوپر رضامند نہ ہوں یا رعیت سے مالگذاری کی وصولیابی کے سلسلے میں مجبوری ظاہر کریں۔ بہرحال اگر حاکم تخمینہ یہ محسوس کرتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک طریقہ زمینداروں کیلئے پریشانی کا باعث ہوگا یا ان کی اجتماعی حیثیت اور مرتبے کو متاثر کرے گا، تو تخمینے کے ایک تیسرے طریقے کو اختیار کرنے کی آزادی تھی۔ اس قاعدے کے تحت موضع کی جمع کا تخمینہ جاری سال کی جمع کے اندازے کی بنیاد پر

---

[55] Add 6603 ورق 79 الف

[56] دیوان پسند' اوراق 9 ب، 10 الف، 18 الف ب، 21 الف ب۔

[57] ایضاً 15 الف ب

کرلیا جاتا تھا، جس کو سرکاری حاکم تیار کرتا تھا۔ اس میں سال گذشتہ کے بقایا اور رسیدات کو سامنے رکھا جاتا تھا اور پچھلے دس سالوں کی جمع کی رقومات اور اضافے کے مطابق تیار کی ہوئی جمع، جو قانونگویان اور مقدموں سے متعلق معلومات رکھنے والے افراد کے پاس ہوتی تھیں، ان سب کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ تخمینے کا معاہدہ زمینداروں سے کیا جاتا تھا اور وہ معاہدے پر دستخط کرتے تھے جس کی رو سے وہ لوگ حکومت کو مقررہ جمع کی ادائیگی کا اقرار کرتے تھے۔ ایسا تخمینہ دو یا تین سال کے لیے کیا جا سکتا تھا۔ زمیندار کے ہاتھ میں پٹہ دے دیا جاتا تھا اور وہ اپنی طرف سے اس کے بدلے قبولیت کی دستاویز حوالے کرتا تھا[52]

تخمینے کے اس طریقے پر جو ابھی بتایا گیا، احتیاط کے ساتھ غور و خوض کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس میں تخمینے کے اس طریقۂ کار کے تمام ضروری عناصر موجود ہیں، جو عظیم مغلوں کے تحت نسق کہلاتا تھا۔ نسق کی طرح تخمینے کا یہ طریقہ بھی جو 'دیوان پسند' میں بتلایا گیا ہے سابق دس سال کے کاغذات اور سال گذشتہ کی بقایا و رسیدات کی رقومات پر مبنی ہوتا تھا۔ اورنگزیب کے تحت عام طور پر انتظامی کارروائی مقدموں اور زمینداروں کے ساتھ کی جاتی تھی لیکن بلا تفریق معاملہ سال بسال کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ 'دیوان پسند' میں تخمینے کا جو طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اس کے تحت انتظام دو یا تین سال کے لیے بھی ہوتا تھا یعنی ہر سال کے بجائے مخصوص مدت ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ تخمینے کا تیسرا طریقہ جو 'دیوان پسند' میں بتایا گیا ہے اس اعتبار سے نسق کہا جا سکتا ہے کہ اس میں معاملہ زمینداروں کے ساتھ کیا جاتا تھا مگر جہاں تک سالانہ انتظام کے بجائے مدت یا دور کا تعلق ہے وہ نسق سے مختلف ہے۔ لہٰذا معلوم یہ ہوتا ہے کہ 'دیوان پسند' میں مذکورہ تخمینے کا طریقہ نسق کی بدلی ہوئی شکل تھی اور اس کے ذریعہ انگریزی زمانے میں عارضی و استمراری بندوبست کے انتظام کا میدان تیار ہوا۔

یہاں پر اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مآخذ میں بتلائے گئے تخمینے کے طریقوں کا بیان مکمل ہو جاتا ہے۔ ہم کو تخمینے کے مختلف طریقوں کی علاقائی تقسیم کے بارے میں سنہ 1788ء میں تیار شدہ ایک یادداشت کے ذریعہ چند حقائق کا پتہ اور چلتا ہے۔ یہ یادداشت برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس میں پیمائش آراضی کی مختلف اکائیوں کا بیان ہے اور شمالی ہندوستان کے مختلف حصوں میں تخمینے کے جو الگ الگ طریقے رائج تھے ان کا ذکر ہے[53]۔ ہم کو یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اودھ میں بیگھے کا رقبہ متعین کرنے کے ایک سے زیادہ

52۔ دیوان پسند اوراق 15 ب، 16 الف۔

53۔ Add 6586، ورق 164 الف ب۔

طریقے تھے اور رعیت پر فی بیگھ کے حساب سے مالگذاری مقرر ہوتی تھی۔ یہاں اس نتیجے کا جواز مل جاتا ہے کہ اودھ میں ضبط کا دستور زیادہ تھا۔[59] الٰہ آباد میں بھی تخمینے کا عام طریقہ ضبط ہی معلوم ہوتا ہے۔ پنجاب میں زمینداروں کے ماتحت علاقوں میں تخمینہ "غلہ بخشی" کے طریقے سے کیا جاتا تھا۔ اور زمیندار کا حصہ پیداوار کا نصف یا ایک تہائی مقرر ہوتا تھا۔ بادشاہ کے ماتحت عملداری میں ضبط کا قاعدہ نافذ تھا اور بیگھہ 60 x 60 گز کا ہوتا تھا۔ پیمائش مکمل ہونے کے بعد تخمینہ اور وصولیابی نقد کی صورت میں کیجاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہان آباد کے صوبے میں پیمائش اور بٹائی دونوں کا رواج ساتھ ساتھ موجود تھا اور حکومت کا حصہ پیداوار کا نصف یا ایک تہائی مقرر تھا۔

1777ء میں ایک رپورٹ تیار کی گئی جس میں انگریزوں سے پہلے بنگال میں مالگذاری انتظام کی روئیداد پیش کی گئی ہے۔ اس سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہار میں اکثر بیشتر محالوں کا تخمینہ نقد کی صورت میں کیا جاتا تھا۔ پٹے جاری کرتے وقت واجب الادا رقم بطور مالگذاری دکھادی جاتی تھی اور وصولیابی حسب معمول ابواب[60] کے تحت کی جاتی تھی بعض مواضعات میں کنکوٹ پر عمل ہوتا تھا اور وصولیابی کے کام میں امین، کاشتکار اور زمیندار شریک رہتے تھے۔

اوپر جس شہادت کا خلاصہ پیش کیا گیا اس کی جانچ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شمالی ہندوستان کے مختلف حصوں میں تخمینے کے مختلف طریقے مثلاً ضبط، کنکوٹ اور غلہ بخشی ایک ساتھ موجود تھے۔ ساتھ ہی ہم اس وقت تخمینے کے چند نئے طریقوں کی بابت سنتے ہیں، یہ تھے سربستہ، عمل کمیوٹ، عمل جنسی اور تخمینے کا ایک ایسا طریقہ جس کو نسق کی بدلی ہوئی شکل کہا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ تخمینے کے یہ طریقے سولھویں اور سترھویں صدی میں مروج رہے ہوں مگر ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ شاید یہ طریقے بعض علاقوں تک محدود تھے لہذا جو تالیفات مرکز میں مرتب ہوئیں ان میں ان کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ طریقے سترھویں صدی کے آخری چوتھائی یا اٹھارویں صدی کے شروع میں آراضی کے بدلے ہوئے حالات کی ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر رونما ہوئے۔ یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ ہست و بود کا طریقہ جو عظیم مغلوں کے تحت نسبتاً کم معروف

59۔ دستور العمل مہدی علی خاں، کے بیان کے مطابق ابتدائی انیسویں صدی میں اودھ میں سرکار بہرائچ میں تخمینے کے مروجہ طریقے نقدی اور کنکوٹ تھے۔ ملاحظہ ہو دستور العمل مہدی علی خاں ورق 12 الف ب

61۔ راستے مایان اور قانونگویوں کی روئیداد Add 6592 ورق 112 ب

62۔ مالگذاری سے علاوہ اور علیحدہ مروجہ اعداد۔

تھا بعض علاقوں میں خاصا اہم ہوگیا اور درحقیقت تخمینے کی سب سے بہتر انتظامی کارروائی کے طور پر اس کی سفارش کی جانے لگی۔

دوسرے تخمینے کے احکام لازمی طور سے کاشتکاروں اور زمینداروں کو یہ رعایت دیتے تھے کہ شاہی قلمرو کے اندر رائج الوقت طریقوں میں سے جس طریقے کے مطابق چاہیں اپنے اختیار سے تخمینہ کرائیں۔ اس نتیجے کے حق میں عام طور پر بیاضوں میں اشارے ملتے ہیں۔ بہرحال بیاضوں کی شہادتوں کے مطالعے کے دوران یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس قسم کی تحریریں عمل کے بجائے اصولی اور نظریاتی رجحان زیادہ پیش کرتی ہیں۔ کاشتکار اور زمیندار کو تخمینے کا طریقہ انتخاب کرنے کا جو حق تھا اس میں مقامی اور علاقائی دستور کے بموجب رکاوٹ بھی پڑسکتی تھی۔ حاکم تخمینہ کو جو اختیار تمیزی حاصل ہوتا تھا اس پر بھی بہت کچھ دار و مدار تھا کہ کس علاقے میں کونسا طریقہ کار استعمال کیا جائے۔ تیسرے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمع بندی دو طریقوں سے تیار کی جاتی تھی۔ مثلاً یا تو منتخب کی بنیاد پر تیار کی جاتی تھی جس میں ہر جنس کے تحت رقبہ دکھایا جاتا تھا اور پورے موضع کے تخمینے کی وصولیابی زمیندار سے کی جاتی تھی یا پھر خسرہ کھاتہ بندی کی بنیاد پر تیار کی جاتی تھی۔ اس کاغذ میں ہر جنس کے تحت رقبے اور کاشتکاروں کی انفرادی املاک دی ہوتی تھیں۔ اور وصولیابی کاشتکاروں سے انفرادی طور پر کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ ایک صورت میں پورے موضع کی مالگذاری کا مطالبہ یکجائی دکھایا جاتا تھا، دوسری صورت میں کاشتکاروں کی انفرادی املاک پر دکھایا جاتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبل والے طریقے پر عام طور سے عمل ہوتا تھا اور بعد والا طریقہ بطور استثنا برتا جاتا تھا۔ وصولیابی عموماً زمینداروں سے یا ان کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ اگر زمینداروں کی طرف سے رعیت سے مطالبے کی وصولیابی کے سلسلے میں معذوری کا اظہار ہو اور وہ مقررہ مالگذاری کا ذمہ نہ لیں تو ایسی صورت میں کاشتکاروں سے براہ راست جمع بندی کی بنیاد پر جس میں ہر کاشتکار کا تخمینہ دکھایا ہوا ہوتا تھا انفرادی طور پر وصولیابی کی جاتی تھی۔ البتہ عام قاعدے کے بموجب پورے موضع کے تخمینے کا رجحان زیادہ تھا اور وصولیابی زمینداروں سے یا ان کے ذریعہ کی جاتی تھی۔ اس امر واقعی کی تصدیق کہ عام طور سے تخمینہ پورے موضع کا کیا جاتا تھا ان سرسری شواہد سے بھی ہوتی ہے جو اورنگزیب اور محمد شاہ کے عہد کی دستاویزوں میں ملتے ہیں۔ ان دستاویزوں سے ہمارے علم میں یہ بات آتی ہے کہ زمینداروں اور مقدموں سے مقررہ جمع کی وصولیابی اور خزانے میں ادائیگی کے بارے میں تحریری معاہدہ ہوتا تھا[63]

63۔ فرہنگ کاردانی ورق 34 ب۔ دستور العمل بیکس ورق 166 الف۔ب۔

یہ مسئلہ متعین کرنا رہ گیا کہ موقعہ پر ہر سال مفصل تخمینہ لگایا جاتا تھا یا محض زیرکاشت رقبے کی کمی بیشی اور پیداوار کے دیگر عوامل پر نظر رکھتے ہوئے مندرجہ کاغذات جمع پر نظرثانی کرلی جاتی تھی بالگذاری سے متعلق ادبی ذخیرے کے ابواب میں جہاں تخمینے کے طریقے دیئے ہوئے ہیں وہاں عام طور پر اسکو واضح کیا گیا ہے کہ حاکم متعلقہ کو سال کے شروع میں شخصی طور پر موضع کے ہر کھیت کا معائنہ کرنا چاہیے اور تخمینے کی نگرانی کرکے سالانہ جمع مقرر کرنی چاہیے۔ بہرحال 'خلاصۃ السیاق' اور 'دیوان پسند' کی شہادتوں کے مطابق معمول یہ تھا کہ گذشتہ کاغذات میں مندرج جمع کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جاتا تھا اور واقعی طور سے مفصل تخمینے کی نوبت اس وقت پیش آتی تھی جب زمینداروں یا کاشتکاروں کی طرف سے اس قسم کا مطالبہ کیا جائے

ادائیگی کا قاعدہ

اکبر کے عہد میں نقد ادائیگی کا قاعدہ ایک مروجہ دستور بن چکا تھا، مگر عامل کو ہدایت ہوتی تھی کہ اگر کاشتکار نقدی ادا کرنے پر رضامند نہ ہو تو جنس کی ادائیگی قبول کرلی جائے۔ بہرحال کاشتکاروں کو عام طور سے سمجھا کر آمادہ کیا جاتا تھا کہ قسط واجب ہونے پر مالگذاری کا مطالبہ نقد ادا کریں تو بہتر ہے[64] غلے کی چارہ جوئی کے سلسلے میں کیا قواعد تھے اس کا کوئی پتہ کاغذات سے نہیں چلتا۔ ہدایات کی عدم موجودگی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ غالباً جنس کی صورت میں ادائیگی بہت محدود پیمانے پر ہوتی تھی۔ لہٰذا قواعد جمع کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ بعد کی شہادت سے جو عالمگیر کے عہد کے آخری ایام اور اس کے بعد کے عہد سے تعلق رکھتی ہے اس بات کی اچھی طرح تصدیق ہوتی ہے کہ مملکت کے بیشتر وسیع حصے میں نقد کی صورت میں ادائیگی کا طریقہ عام تھا۔ انتظامی بیاضوں میں تخمینے کے جو حسابات نقل ہیں وہ یہ دکھاتے ہیں کہ ان علاقوں میں بھی جہاں کنکوٹ اور بھادلی کا[65] عمل نافذ تھا، حکومت کے غلے کی صورت میں وصول شدہ حصے کا حساب نقدی میں منتقل کردیا جاتا تھا۔ 'دیوان پسند' کے مولف کی اطلاع کے مطابق بھادلی میں ہر کاشتکار کے اوپر مالگذاری کا مطالبہ غلے کی صورت

64ے اکبرنامہ ج 2 صفحہ 382 ، 383 - آئین اکبری ج ۱ صفحہ ۱۹۹ ، 201 - مسلم انڈیا کا نظام زراعت مورلینڈ صفحہ 114

65ے خلاصۃ السیاق اوراق 3 الف ب ، 15 الف - فرہنگ کاردانی 33 ب -

میں مقرر ہوتا تھا لیکن اس کا حساب نقدی میں منتقل کر کے وصولیابی نقد کی جاتی تھی اور غلہ کاشتکار کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔[66] اسی طرح وہ معاہدے جن پر مقدموں، زمینداروں، اور چودھریوں کے دستخط ہیں اور جن کی نقلیں مذکورہ عہد کے انتظامی ادب میں موجود ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مالگذاری کا تخمینہ نقدی میں ہوتا تھا اور یہ کہ دستخط کنندگان حسب قرار داد مقررہ رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے تھے۔[67] خلاصۃ السیاق' میں ایک جگہ نقل ہے کہ موضع اورنگ شاہ پور میں واقع پرگنہ کیرتا پور کا تخمینہ مبلغ پانچسو پچیس روپیہ تھا۔ وہاں کے مقدم نے حسب قرار داد پٹہ رقم مذکورہ کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کر کے دستخط کیے۔[68] دوسری جگہ ایک تالیف میں جو اٹھارویں صدی کے آخری چوتھائی حصے میں مکمل ہوئی ہم یہ پاتے ہیں کہ شہنشاہی قلمرو کے اندر پنجاب میں پیمائش کا دستور تھا اور عامل پٹے کے اندراجات کے بموجب، جس میں مالگذاری دی ہوئی ہوتی تھی، مطالبے کی رقم نقد وصول کرتا تھا۔[69]

اس طرح جو شہادت ملی ہے اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نقد کی صورت میں ادائیگی کا قاعدہ عام تھا۔ بہر حال مقامی رواج اور قاعدوں کی بنا پر اور کسی خاص علاقے میں آراضی کے مخصوص حالات کے پیش نظر ضروری ہوتا تھا کہ حسب معمول قاعدے سے انحراف بجا اور قابل جواز سمجھا جاتا تھا۔ ایسے حالات میں جنس کی ادائیگی کو خارج از امکان نہیں سمجھا جاتا۔

مالگذاری کے مطالبے کی ادائیگی پورے سال پر پھیلی ہوئی چار یا چھ قسطوں میں کی جاتی تھی اور ہر قسم کی رقم مخصوص طور سے تحریری اقرار نامے اور پٹے کی دستاویز دونوں میں درج ہوتی تھی۔[70]

---

66 دیوان پسند 21 ب

67 دستور العمل بیکس اوراق 66، 67، 68۔ خلاصۃ السیاق ورق 11 ب۔ فرہنگ کاردانی ورق 34 الف۔

68 خلاصۃ السیاق ورق 11 ب

69 6586 ورق 164 الف

70 فرہنگ کاردانی اوراق 34 الف ب، 35 الف۔ دستور العمل بیکس ورق 67

باب چہارم

نظام مالگذاری

فصل اوّل

مالگذاری کا تخمینہ اور وصولیابی دیوانِ وزارت یا وزارتِ مال کے سپرد تھی جو کہ چار مختلف سطحوں پر کام کرتی تھی یعنی مرکز، صوبہ، سرکار اور پرگنہ۔ یہ کام مختلف مراتب کے حکام کی مدد سے ہوتا تھا جن کا سربراہ دیوانِ کل یا وزیر ہوتا تھا۔ اس کو دیوانِ اعلیٰ بھی کہتے تھے[1]

اکبر نے جہاں تخمینے اور وصولیابی کے طریقوں میں اصلاح کی لگاتار کوشش کی وہاں اس پر بھی برابر توجہ دی کہ ایسا معقول انتظامی عملہ اور مشینری تیار کی جائے جو مالگذاری کے جملہ انتظامات کو نہایت سہولت سے انجام دیدیا کرے۔ صوبوں کی زیادہ عملی بنیاد پر تشکیلِ نو، جداگانہ وزارت کی حیثیت سے وزارتِ مال کا وجود، جو کہ وکیل سے آزاد تھی، صوبائی دیوان کے عہدے کا وجود، جو کہ وزیر کا براہِ راست نمائندہ تھا۔ یہ چیزیں انتظام مالگذاری کے اندر اکبر کی جدت کہی جا سکتی ہیں۔ اس کے دو جانشینوں کے تحت جو انتظامی مشینری وجود میں آئی وہ اٹھارویں صدی کے وسط تک مسلسل کام کرتی رہی اور اس میں جو تھوڑا سا تغیر ہوا اس سے اس کے ڈھانچے میں کوئی خاص اور قابلِ ملاحظہ فرق نہیں آیا۔

---

[1] دیوان کی اصطلاح پر بحث کرتے ہوئے مرحوم ابن حسن نے کہا ہے "مغلوں کے تحت اس لفظ کا استعمال مال اور اقتصاد کے سربراہ کی حیثیت سے بالکل متعین اور محدود ہے۔ اکبر کے تحت وزیر کا لفظ بہت کمی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دیوان کا عہدہ اور اس کا استعمال زیادہ ہے۔ جہانگیر کے عہد میں ترتیب بالکل بدل جاتی ہے۔ اور وزیر کی اصطلاح کمی بیشی کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ البتہ شاہ جہاں کے تحت یہ لفظ نہایت متعین ہو جاتا ہے۔ وزیر کو دیوانِ کل کی حیثیت سے مشخص کیا جاتا ہے اور محکمہ میں اسکے دوسرے رفقاء دیوان کہلاتے ہیں (مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ صفحہ ۱۹۸)

وزیر

دیوانِ کل کے عہدے کی ابتدا کا سراغ اکبر کے آٹھویں سالِ جلوس میں ملتا ہے جبکہ مظفر خاں دیوانِ کل یا وزیر مقرر ہوا[3]۔ اکبر اور جہانگیر کے ادوار کو تجربے اور ارتقا کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ شاہجہاں کے دور تک دیوانِ کل یا دیوانِ اعلیٰ کے عہدے کا ارتقا مکمل ہو چکا تھا۔ وزارتِ مال، متعدد محکموں میں تقسیم ہو چکی تھی جو مجموعی طور سے دیوانِ کل کے زیرِ اختیار تھے اور پورا کاروبار واضح اور مفصل ضوابط کی رو سے انجام پاتا تھا[4]۔ اورنگزیب کے دور میں وزارتِ مال کے سربراہ کو وزیر حق کہ وزیرِ اعظم اور وزیرِ معظم بھی کہا جاتا تھا[4]۔ بہرحال انتظامی امور اور حسابات سے متعلق بیاضوں میں اس کو دیوانِ اعلیٰ ہی کہا گیا ہے[5]۔ ہٰذا یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ دونوں اصطلاحیں متبادل تھیں۔ اور اگرچہ تاریخوں میں وزارتِ مال کے سربراہ کو وزیر کے عنوان سے یاد کیا ہے مگر اصطلاحی طور پر اس کو دیوانِ اعلیٰ کہا جاتا تھا۔ بعد کے مغلوں کے تحت مرتب شدہ تاریخوں میں اس کا حوالہ بطور وزیر کے ملتا ہے۔

وزیر کے اختیارات اور حیثیت۔

دیوانِ اعلیٰ کے اختیارات کی وسعت اور اس کے اقتدار کا دائرہ سلطنت کے تقریباً تمام انتظامی امور کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ وہ سلطنت کے انتظامیہ اور مال سے متعلق حکام کے تقرر کی سفارش کا مجاز تھا۔ مثلاً صوبہ دار، دیوان، فوجدار، امین اور خزانے کے تمام حکام کا تقرر اس کی سفارش سے عمل میں آتا تھا۔ جاگیروں اور عطیاتِ مددِ معاش پر اس کی نگرانی اور تصرف مزید تھا۔ ان باتوں کے پیشِ نظر گویا انتظامیہ، مال اور خزانے سے متعلق جملہ اختیارات اس کے ہاتھ میں تھے۔ غالباً یہی واقعی صورت تھی جس پر روشنی

---

[2] اکبرنامہ ج 2 صفحہ 197 متن میں وزارتِ دیوانِ کل پڑھا جاتا ہے۔

[3] مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ صفحہ 301 ۔ 304 ۔

[4] منتخب اللباب ج 2 صفحہ 235 ۔ مآثر الامراء ج 1 جز 1 صفحہ 310 ، 313 جز 2 صفحہ 531 ، 532 ، 533 ۔ عالمگیرنامہ صفحہ 832 ، 837 ۔

[5] خلاصۃ السیاق ورق 15 ب ۔ دستور العمل مجمل ورق 144 الف ۔ فرہنگ کاروانی ورق 27 ب ، 28 الف ۔

ڈالنے کی غرض سے سرکاری دستاویزوں میں اس کو مدار المہامی اور جملۃ الملکی کے عنوانات سے یاد کیا گیا ہے۔[6] انتظامی بیاضوں کے بیانات سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ سب سے بڑا حاکم تھا اور مالیات و انتظامیہ کے تمام معاملات پر اس کو پورا اختیار تھا۔

'فرہنگِ کاروانی' کے مولف کے مطابق سلطنت کا انحصار دیوانِ اعلیٰ پر تھا۔ اس کو مکمل اختیارات حاصل تھے اور وہ انتظامیہ و مالیات کے جملہ مسائل سے نمٹنے کا مجاز تھا۔[7] 'خلاصۃ السیاق' کے بیان کی رو سے دیوانِ اعلیٰ وہ شخص تھا جو مالیات اور انتظامیہ کے معاملات کی نگرانی کرتا تھا اور ساتھ ہی امورِ شرعی و عرفی (دنیاوی) کے بارے میں بھی مجاز و مختار تھا۔ وہی شاہی احکامات و ضوابط کا نفاذ کرتا تھا۔ اس کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ شاہی خزانے کی ثروت کو بڑھانے نیز سپاہیوں اور رعایا کی بہبود کیلئے کوشش کرے۔ وہ ان عاملوں کا تقرر کرتا تھا جو رعایا کی خوشحالی میں اضافہ کریں اور ایسے لوگوں کو معزول کرتا تھا جو ظلم اور طول دستی سے پیش آئیں۔[8] ایک دوسری جگہ ہم نے پڑھا ہے کہ دیوانِ کل کا عہدہ حکومت میں سب سے بڑی حیثیت کا مانا جاتا تھا۔ تمام دوسرے عہدیدار مثلاً بخشی، میر سامان، مشرف، تحویلدار و زمیندار وغیرہ اس کے ماتحت ہوتے تھے۔[9] مندرجہ بالا شہادت کی جانچ سے جو بطور سند سامنے ہے واضح یہ ہوتا ہے کہ :

(1) دیوانِ اعلیٰ سلطنت میں انتظامیہ کا سب سے بلند حاکم ہوتا تھا۔

(2) اس کو جو اختیار و اقتدار حاصل تھا وہ وزارتِ مال کے معاملات سے مزید اور متجاوز تھا۔

(3) انتظامیہ کا تمام کام اس کی نگرانی اور تصرف میں رہتا تھا۔

امورِ منصبی

دیوانِ اعلیٰ کے امورِ منصبی کا مطالعہ اور وزارتِ مال کا طریقۂ کار، جیسا کہ انتظامی بیاضوں میں دیا ہوا ہے، ان مشاہدات کی تصدیق کرتا ہے جو مندرجہ بالا سطور میں پیش کیے گئے ہیں۔ یہ شہادت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دیوانِ اعلیٰ کے اختیارات اور امورِ منصبی نہایت وسیع تھے اور انتظامیہ کے اکثر و

6۔ دستور العمل عالمگیری ورق 173 الف

7۔ فرہنگ کاروانی ورق 27 ب

8۔ خلاصۃ السیاق ورق 15 الف

9۔ دستور العمل عالمگیری ورق 112 الف

بیشتر کاموں کا احاطہ کرتے تھے۔ مذکورہ امورِ منصبی میں شاہی ملازمین کا تقرر، امورِ عامّہ کی انجام دہی اور جو عرضداشتیں منصبداروں کے وکیلوں کی طرف سے پیش کی جائیں یا دوسرے حکام پیش کریں، ان پر فیصلہ کرنا وغیرہ شامل تھے۔

تقرر

معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری ملازمین کے سارے اہم تقرر اسی کی سفارش پر ہوتے تھے۔ اس قسم کے تقرر سے متعلق تمام کاغذات دیوانِ خالصہ کے دفتر میں رہتے تھے۔ تقررات مذکورہ میں مندرجہ ذیل عہدے شامل تھے[۱۱۱]

(الف) صوبہ دار، فوجدار، کروڑی، امین اور محالات کے مشرف۔

(ب) شاہی خزانوں کے افسران مثلاً فوطہ دار، برآمد نویس، داروغہ، امین اور مشرف۔

(ج) سزاول جو مختلف افسران سے کاغذات جمع کرنے کے لیے مقرر ہوتا تھا۔

(د) امین اور کروڑی ان باقی یا محالات کے جن پر از سرِ نو حکومت کا تصرف ہو لیکن جاگیر کے لیے نامزد ہوں۔

(ہ) تحصیلدار یعنی سرکاری مطالبات کی وصولیابی پر تعینات افسران۔

(و) زمیندار۔

دستخط

یہ واقعہ کہ وہ بھی بہت سی دستاویزات، حسابات اور اندراج ناموں[۱۱۲] پر دستخط کرتا تھا، مختلف محکموں کی کارکردگی پر اس کے احاطۂ اختیار اور تصرف کے بارے میں واضح اشارہ کرتا ہے۔ وہ فرامین (بشمولیت عطیات اراضی مددِ معاش) پروانہ جات یادداشت، تمسک، یعنی عہد یاروں اور ان کے ضامنوں کی طرف

---

[۱۱۰] ایضاً ورق ۱۴۴ ب۔ ضوابط عالمگیری ورق 32 ب

[۱۱۱] دستور العمل عالمگیری ورق ۱۴۴ ب۔ ضوابط عالمگیری ورق 32 ب

[۱۱۲] دستور العمل عالمگیری ورق ۱۴۴ الف ب۔ ضوابط عالمگیری ورق 30 ب 31 الف ب 37 الف ب فرہنگ کاروانی 31 ب۔ ضوابط عالمگیری 93 ب

سے دیے گئے اقرار نامے، اور فروحقیقت، یعنی جاگیروں سے متعلق سفارشات وغیرہ کی پشت پر اپنے دستخط کرتا تھا۔ کاغذات سیاہہ یا بخشیوں کے دفاتر کی کارروائیاں اس وقت تک با ضابطہ نہیں تھیں جب تک کہ ان پر وزیر کے دستخط نہ ہوں۔ غرضیکہ اس کے دستخطوں سے مندرجہ ذیل کاغذات گذرتے تھے :۔

(1) سیاہہ اور ڈول[13] ۔ جاگیر و نقدی[14] کے۔

(2) صوبجات میں تعینات منصبداروں کی توجیہہ۔[15]

(3) صوبائی خزانوں اور پرگنہ میں نقدی کی تخفیف کی روئیداد۔

(4) مدد معاش پانے والوں کی عرضداشتیں۔

دیوانِ کل کو کاغذات اور مسودات سے نمٹنے کے دفتری مشاغل کے علاوہ لوگوں کے استغاثے بھی سننے پڑتے تھے جو "داروغہ فریادیان" کی معرفت پیش ہوتے تھے۔ اسی طرح منصبداروں اور دیگر حکام کے وکیل اپنے موکلوں کے مقدمات دیوانِ کل کی پیشی میں گذارتے تھے۔[16]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ صوبیدار، دیوان اور وقائع نویس کے عہدوں پر فائز حکام سے براہ راست باز پرس کا مجاز تھا۔ وہ لوگ اپنی تعیناتی روانگی سے قبل وزیر کی خدمت میں رسمی ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اور وہ ان کو خصوصی ہدایات اور مشوروں سے نوازتا تھا۔[17]

وزارت کے محکمے

وزارتِ مال کی تنظیم ایک سے زیادہ شعبوں یا محکموں میں ہوتی تھی۔ سب سے زیادہ اہم محکمے دیوانِ خالصہ، دیوانِ تن، مستوفی اور دار الانشا کے تھے۔ موخر الذکر کا تعلق فرامین اور شاہی احکام کی تیاری سے تھا۔[18] وزارتِ مال کے دوسرے شعبے عطیات مددِ معاش سے اور نقد تنخواہ پانے والے لوگوں کی تنخواہوں سے سروکار رکھتے تھے۔

---

[13] ڈول : وہ کاغذ جس میں منصب داروں کی تنخواہوں کا تخمینہ دیا ہوا ہوتا تھا۔

[14] نقدی : تنخواہیں جو نقد ادا کی جاتی تھیں۔ مزید ان منصب داروں کے لیے کہا جاتا تھا جو نقد تنخواہ پاتے تھے۔

[15] توجیہہ : بیان وجہ یا حلیہ کا کاغذ۔

[16] دستور العمل عالمگیری، ۱۴۷ الف۔ ضوابط عالمگیری 86 ب، 93 الف

[17] ہدایت القواعد 6 الف ب، 9 الف ب

[18] دستور العمل عالمگیری ۱۹۱ الف، ۱۹۶ الف۔ ضوابط عالمگیری 34 ب، 37 الف

دیوانِ اعلیٰ کے ماتحت کام کرنے والے سب سے بڑے افسران دیوانِ خالصہ اور دیوانِ تن ہوتے تھے[19]

دیوانِ خالصہ

دیوانِ خالصہ کا تقرر براہ راست شہنشاہ، دیوانِ اعلیٰ کی سفارش پر کرتا تھا۔ اس کے دفتر میں متعدد اندراجات ہوتے تھے۔ نیز صوبوں اور پرگنوں سے مالگذاری کے کاغذات موصول کیے جاتے تھے[20]۔ وہ پروانوں پر اپنے دستخط کرتا تھا اور یہ جملہ لکھتا تھا "عرض دیدہ شدہ" تمام شاہی ملازمین مثلاً صوبیدار، دیوان، فوجدار اور امین وغیرہ کے تقرری کے احکامات پر دستخط کرتا تھا۔ اس کا دفتر خالصہ محالوں کی جمع کے طومار تیار کرتا تھا۔ اور شاہی خاندان کی خواتین کی تنخواہوں کے کاغذات مرتب کرتا تھا۔ اس کے دفتر میں متعدد کاغذات صوبائی دیوان، امین کروڑی محال سیر کے متصدی اور افسرانِ خزانہ وغیرہ کے پاس سے پہنچتے تھے[21]۔ دیوانِ خالصہ سلطنت کی جمع کا طومار تیار کرتا تھا اور اس کو شہنشاہ کے حضور میں پیش کرتا تھا[22]۔

دیوانِ تن

دیوانِ تن جس کے ذمے منصبداروں کے تقرر اور جاگیروں کی تفویض کا کام تھا، تفویض کی فردِ حقیقت تیار کرتا تھا۔ اس کے دفتر میں متعدد کاغذات تیار ہوتے جو تفویض، پائے باقی، زمینداروں کی خصوصی روئیداد صوبیداروں کے ڈول جاگیر، پائے باقی کے طومار اور منصبداروں کے مراتب وغیرہ سے متعلق ہوتے تھے[23]۔ اس کے پاس منصبداروں کی فہرست، ہرسال کی رقومات حاصل، سیاہہ داغ و تصحیح اور تمسک وغیرہ کے کاغذات رہتے تھے[24]۔

---

[19] دستورالعمل عالمگیری 34 الف، 35 الف

[20] فرہنگ کاروانی 27 ب۔

[21] دستورالعمل عالمگیری 141 الف، 148 ب۔ ضوابط عالمگیری 34 الف، 35 ب

[22] فرہنگ کاروانی 28 الف۔

[23] فرہنگ کاروانی 29 الف ب۔ علم نویسندگی 156 الف

[24] دستورالعمل عالمگیری 146 الف ب۔ ضوابط عالمگیری 35 ب۔ 36 ب۔ فرہنگ کاروانی ورق 4، 30 الف۔

مستوفی

مستوفی کا کام عاملوں کے حسابات کی جانچ کرنا تھا۔ اس جانچ میں عامل سے اور رعیت سے لے جانے والی رقمات کو علیحدہ دکھایا جاتا تھا۔ عامل کے ذمے جو واجبات ہوتی تھیں ان کی روئیداد دیوان کے سامنے پیش کی جاتی تھی جو تخفیف کا حکم دے سکتا تھا۔ تخفیف ہونے کے بعد عامل کو بقایا کی جلد از جلد ادائیگی کے سلسلے میں اقرارنامہ داخل کرنا پڑتا تھا۔ رعایا سے جو مالگذاری وصول نہیں ہوئی وہ ان کے ذمے بقایا میں دکھائی پڑتی تھی اور جن عاملوں کا نیا تقرر ہوتا تھا ان کو اقرارنامہ دینا ہوتا تھا کہ بقایا وصول کرکے خزانے میں جمع کریں گے۔[25] مستوفی کے لیے یہ دیکھنا لازم تھا کہ ایک معینہ وقت کے اندر عاملوں سے تمام واجبات کی وصولیابی مکمل ہوگئی۔ خزانے میں داخلے کی تصدیق ان سے حاصل کرکے دفتر اندراجات میں محفوظ رکھی جاتی تھی۔

مستوفی کو عاملوں کے پاس سے متعدد کاغذات موصول ہوتے تھے جن میں عاملوں کی وصولیابی اور اور اخراجات کا مطلق حساب اور فوطہ دار کے تصرّف میں نقدی کی رسیدات اور ادائیگی کا حساب وغیرہ شامل تھے۔[26]

شہنشاہ اور وزیر

اورنگزیب کے دور کے وزیر مثلاً فاضل خان، جعفرخان اور اسدخان نہایت وسیع انتظامی اور جنگی تجربہ رکھنے والے لوگ تھے۔[27] اور بادشاہ کو ان کی وفاداری، ہوشیاری، صلاحیت، ایمانداری اور دُورستکاری پر پورا اعتماد تھا۔ لیکن چونکہ وزیر[28] کے کام کی تفصیلات کو شہنشاہ بذاتِ خود ملاحظہ کرتا تھا۔ لہٰذا اس کا قطعی امکان نہیں تھا کہ وزیروں نے بادشاہ کی خواہشات سے انحراف کے بارے میں کبھی سوچا بھی ہو۔ بہرحال ان کو حاکم اعلیٰ کا سابق مقام ضرور حاصل رہا۔ ان کے ذمے کوئی بھی فوجی یا سیاسی خدمت کی جاسکتی تھی۔

---

[25] دستورالعمل مجملی 159 ب

[26] ایضاً 110 ب

[27] مآثرالامراء ج ا جز صفحہ 310، 311، 312 جز 2 صفحہ 531، 532، 533۔

[28] مآثرالامراء ج 1، جز 1، صفحہ 355

بہادر شاہ کی تخت نشینی کے وقت سے وزیر کی حیثیت میں ایک تبدیلی نظر آتی ہے۔ تاریخوں کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِ آخر کے مغلوں سے وابستہ تمام وزیر اس فوجی خدمت کے عوض میں جو انہوں نے شہنشاہ کو تاج کے حصول یا اس کے حریف کو پست کرنے کے سلسلے میں انجام دی ہے اس اعلیٰ عہدے کے لیے بطورِ استحقاق دعویٰ کرتے تھے۔ یہی سبب تھا جس کی بنیاد پر منعم خان، ذوالفقار خان، عبداللہ خان اور محمد امین خان کی تقرری عمل میں آئی[29]۔ بہرحال اپنے باپ کی وفات کے بعد قمرالدین خان عہدے کے لیے موروثی حق کے طور پر دعوے دار ہوا۔ مگر اس کا دعویٰ نظام الملک کے حق میں مسترد کر دیا گیا[30]۔ اس تقرر کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ قمرالدین خان اور شہنشاہ کے امیدوار خانِ دوراں کے درمیان وزارت کا جھگڑا ختم کیا جائے[31]۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ نظام الملک سلطنت کا سب سے زیادہ با اقتدار امیر تھا اور دکن کی صوبہ داری اس کے تصرف میں تھی۔ اس کو برطرف یا ناراض کرنے میں خطرہ یہ تھا کہ دکن کے اوپر شاہی دسترس ختم ہو سکتی تھی۔ دوسری بات یہ کہ سلطنت کی تیزی سے بگڑتی ہوئی حالت پر قابو پانے کے لیے اس کی حمایت اور معاونت نہایت ضروری تھی۔ لیکن تقرر کے دو برس کے اندر اس نے دہلی کو خیرباد کہہ دیا تاکہ شہنشاہ سے انتظام کی اصلاح کے سوال پر جو اختلاف اونما ہوا تھا اس سے دامن بچالے۔ اس کے دہلی سے چلے جانے کے بعد قمرالدین خان اس عہدے پر فائز ہوا جس کو سات ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج کی سربراہی بھی مسلمہ طور سے حاصل رہی[32]۔

اس طرح عہدِ آخر کے مغلوں کے ماتحت وزیر کے عہدے پر استحقاق کی بنیاد حسبِ ذیل باتوں پر تھی :-

(۱) قابلِ قدر فوجی خدمت جو شہنشاہ کو تاج کے حصول یا اس کے کھلم کھلا مخالفین کو پست کرنے کے سلسلے میں انجام دی گئی ہو۔

(۲) اس حقیقت کا اعتراف کہ دعوے دار دراصل سلطنت کا سب سے زیادہ با اقتدار امیر ہے اور اس کی حمایت سے انحطاط پذیر سلطنت کو استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔

29ء تقرر کا بیان اور وہ حالات جن کے تحت تقرر عمل میں آیا۔ ولیم ایروِن کی کتاب عہدِ آخر کے مغل میں پڑھا جا سکتا ہے۔

30ء تذکرۃ الملوک 130ب، 131الف

31ء تذکرۃ الملوک 130ب، 131الف۔ "عہدِ آخر کے مغل" ایروِن ج 2 صفحہ 105

32ء احوال الخواقین 184 الف

ان وجوہات کی روشنی میں وزیر کا تقرر گویا اورنگ زیب کے زمانے کے مروجہ عمل سے بالکل مختلف تھا اس سے وہ تبدیلی واضح ہوتی ہے جو شہنشاہ اور وزیر کی باہمی حیثیتوں میں واقع ہو چکی تھی۔ عہدۂ مذکور پر تقرر ایک طرح کا دعویٰ اور استحقاق سمجھا جانے لگا، درحالیکہ وہ انتظامی قابلیت اور تجربے کے مدِنظر شہنشاہ کی خصوصی مہربانی تھی۔ دوسرے یہ حقیقت سامنے آئی کہ وزیر کا عہدہ اب لازمی طور سے امور انتظامی تک محدود نہیں رہا بلکہ بیشتر سیاسی اور فوجی نوعیت کا ہو گیا۔ مجموعی طور سے اس کا یہ مطلب نکلا کہ وزیر کی حیثیت اور اقتدار میں اضافہ ہوا اور اسی تناسب سے شہنشاہ کے وقار اور اقتدار میں کمی آئی۔ اس صورتِ حال میں اکبر کی اس مسلسل اور طولانی جدوجہد کا خاتمہ نظر آتا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ اس عہدے پر فائز ہونے والے کو محض وزارتِ مال کے سربراہ کی حیثیت سے رکھا جائے اور اس مقام سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ نئی صورتِ حال نے وزیر اور شہنشاہ دونوں کے اقتدار اور حیثیت کو کمزور کیا۔ یہ صحیح ہے کہ بہادر شاہ اور اس کے سلیم الطبع وزیر منعم خان کے درمیان مخلصانہ روابط تھے جس کی وجہ سے کوئی زبردست مشکل پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن عہدۂ مذکور کی نوعیت اور اس کے کردار کی تبدیلی نیز وزیر و شہنشاہ کی باہمی حیثیتوں میں واقع شدہ فرق کی بنا پر نہایت آسانی سے اختلاف رونما ہونے کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی۔ ایسے امکانی اختلاف کی صورت میں وزیر مجبور تھا کہ مملکت کے اندر واقعی اقتدار ہاتھ میں رکھنے کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگا دیتا۔ ایسا اختلاف سلطنت کی توانائی اور انتظامی استحکام برباد کرنے کا باعث ہو سکتا تھا اور مغل سلطنت کے زوال میں اضافے کا سبب بن سکتا تھا۔ بہادر شاہ کے دور میں واقعی طور سے یہی ہوا اور معاصرین نے محسوس کیا، مثال کے طور پر تاریخ 'شاکر خانی' کا مولف بیان کرتا ہے کہ مغل سلطنت کا انحطاط بہادر شاہ کے دور سے شروع ہوا جبکہ شہنشاہ نے وزیر کے عہدے کے لیے بوڑھے اور وفادار اسد خان کا دعویٰ منعم خان کے حق میں منتقل کر دیا۔ اسد خان وزیر کے عہدے کے لیے سب سے زیادہ با اہلیت آدمی تھا لیکن اس سے وکیل کا عہدہ قبول کرنے کیلئے کہا گیا۔ اسد خان نے ایک تابعدار اور وفادار ملازم کے ظاہری آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے شاہی حکم کی تعمیل کی، مگر کام جو اس کے سپرد ہوا اس کی انجام دہی میں اچھی طرح دل لگانے سے معذور رہا۔ یہ معتدل حکومت کے انحطاط کی ابتدا تھی، وقت گذرنے کے ساتھ جس کی رفتار تیز ہو گئی۔[۱۱۲]

---

۱۱۲ تذکرۃ الملوک 50 الف

اس ناگزیر اختلاف اور جو سیاسی صورتیں اس کے نتیجے میں پیدا ہوئیں ان کی کہانی دوسری جگہ بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ موجودہ مطالعے کے اعتبار سے جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ سارا اختلاف وزیر کے عہدے کے گرد مرکوز تھا۔ لہٰذا لازمی طور سے اس کے ساتھ مالگذاری کا انتظام مختلف سطحوں پر خصوصاً مرکز میں بدعنوانی کا شکار رہا۔ اب ہم اس موضوع کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

وزارتِ مال کی کارکردگی

منعم خان سنہ 1707ء میں وزیر مقرر ہوا اور فروری سنہ 1711ء تک اس عہدے پر برقرار رہا۔ اس کا دور مملکت کے معاملات میں سستی اور بدعنوانی سے پاک تھا۔ اس کے برخلاف اس نے انتظام کی تفصیلات سے گہری دلچسپی لی اور مملکت کے امور کی انجام دہی کے سلسلے میں جو ضابطۂ کار تھا اس سے مطابقت برتنے کا پوری طرح خیال رکھا۔ اس کی وزارت کے زمانے میں بعض اصلاحات نافذ کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔[34] سب سے اہم اصلاح اس طریقے میں کی گئی جس کی رُو سے منصبداروں پر مرکزی حکومت کے مویشی اور گھوڑوں کے چارے کے سلسلے میں رقم عائد کی جاتی تھی۔ اس کے بعد اس عنوان کے تحت مطالبے کی تمام رقم میں مکمل تخفیف کردی گئی جس سے جاگیرداروں کو بہت زیادہ سہولت ہوئی۔ لوگ اس زمانے میں ہر طرح کے ظلم سے آزاد تھے۔ چنانچہ معاصر مورخ خافی خان اس کو احسان مندی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔[35] مجموعی طور سے وہ ایک کامیاب وزیر سمجھا گیا جس نے مملکت کے امور کو قابلِ تعریف طور سے انجام دیا۔[36]

جہاندار کے وزیر ذوالفقار خان نے شہنشاہ کی مثال پیش نظر رکھی۔ وہ عیش و عشرت سے بسر کرتا تھا۔ اور مملکت کی نگرانی کے لیے وقت نکالنے سے قاصر تھا۔ اس نے اپنے تمام اختیارات سابھا چند کو جو کہ دیوانِ تن تھا منتقل کردیئے تھے۔ تمام موجودہ شہادتوں میں یہ صریحی اشارہ نظر آتا ہے کہ اس اقدام سے پہلی بار بے ربطی پیدا ہوئی اور امورِ مملکت کی طرف سے غفلت برتی جانے لگی۔ مالگذاری کے اجارے کا عمل بھی نافذ ہوگیا۔ وزیر کے خلاف یہ بھی کہا جانے لگا کہ وہ بخیل ہے اور اپنے ماتحتوں کو ترقی سے روکتا ہے۔[37]

34ھ جاگیرداریات سے متعلق فصل ملاحظہ ہو۔

35ھ منتخب اللباب ج صفحہ 675

36ھ تذکرۃ الملوک 113 ب۔

37ھ "عہدِ آخر کے مغل" ایروین ج 1 صفحہ 197

بہرحال فرخ سیر کے عہد میں جاکر وزیر اور شہنشاہ کے درمیان یہ اختلاف بالکل نمایاں ہو گیا۔ اس کی ابتدا اسی کے عہد حکومت کے بالکل شروع میں دیوان اور صدر کے تقرر کے سلسلے میں ہوئی۔[38] مصالحت کی بہت سی کوششوں کے باوجود، جن کا مقصد یہ تھا کہ امور مملکت ہموار طریقے سے چلتے رہیں، وزارت مال کے معاملات سخت بے ربطی کا شکار ہو گئے۔ اہم فیصلوں کے صدور اور ان کے نفاذ کے سلسلے میں جو رسہ کشی ہوئی اس میں بالعموم وزیر کو بالادستی حاصل ہوئی۔ اور سلطنت کے نظم و ضبط کا تمام اقتدار اس کے دیوان، رتن چند کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ موخرالذکر نے ہر شعبہ کے کام میں مداخلت شروع کی، جس کی وجہ سے امور مملکت کے تمام قواعد و ضوابط درہم برہم ہو گئے۔ خالصہ آراضیات کو اجارے پر دینے کا عمل وسیع ہو گیا۔ یہ بدعنوانی نہایت بڑے پیمانے پر پھیل گئی، اور مختلف عہدوں پر تقرر حاصل کرنے کے لیے پیشکش دی جانے لگی۔[39]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزارت مال میں بدعنوانی کافی پہلے یعنی 1714ء / 1124ھ میں داخل ہو چکی تھی۔ اسی وقت سے امور مملکت کی انجام دہی کے طریقوں کے بارے میں اختلافات کی بنا پر کارکردگی پر اثر پڑنا شروع ہوا۔ وزیر اور اس کے بھائی امیرالامراء حسین علی خاں نے مطالبہ کیا کہ جملہ تقررات اور مناصب کی تفویض یا ان میں کسی قسم کی ترقی اور اسی طرح انتظامی اقدامات کا معاملہ بغیر ان دونوں بھائیوں کی سفارش اور مشورے کے عمل میں نہیں آنا چاہیے۔ شہنشاہ کی رائے اس کے بالکل خلاف تھی۔ اس نے میر جملہ کو اپنے نائب اور نمائندے کی حیثیت سے مقرر کیا اور اس کو اپنی طرف سے دستخط ثبت کرنے کا اختیار عنایت کیا۔ شہنشاہ نے مکرر اس بات کا اعلان کیا کہ میر جملہ کے دستخط کو ہمارے قول اور دستخط کے مترادف سمجھا جائے۔ اس کی وجہ سے امور مملکت کی انجام دہی میں سخت مشکل پیدا ہوئی۔ یہ صورت حال وزیر کے دیوان رتن چند کے بے روک اقتدار کی وجہ سے اور زیادہ پیچیدہ ہو گئی۔ اس کو سلطنت کے معاملات اور وزارت مال کے امور کی بابت پورے اختیارات دے دیے گئے۔ وہ کسی عرضداشت کو اس وقت تک آگے نہیں بڑھاتا تھا تاوقتیکہ خود اپنے اور اپنے مالک کے لیے ایک بڑی رقم عرضداشت کنندہ سے وصول نہیں کر لیتا تھا۔ دوسری طرف جو میر جملہ سے ملتا تھا اور اس سے منصب کی تفویض یا اس میں اضافے یا کسی دوسرے عہدے پر تقرر کے سلسلے میں گذارش کرتا تھا۔ وہ قبول

---

[38] تذکرۃ الملوک 122 الف۔

[39] منتخب اللباب ج 2 صفحہ 739، 775، 776۔ سیرالمتاخرین ج 2 صفحہ 407، 408۔

کرلی جاتی تھی۔ وہ اپنے دستخط شہنشاہ کے نایب اور نمائندے کی حیثیت سے بغیر کوئی نقد رقم مانگے ثبت کردیتا تھا۔ یہ عمل بظاہر وزارتِ مال کے ربط وضبط کے خلاف تھا اور اس کی وجہ سے سید برادران کا اقتدار اور اعزاز مجروح ہوا[80]۔

1717ء تک وزیر کی حیثیت صاف نظر آتی ہے۔ عبداللہ خاں کا دیوان رتن چند مختلف محکموں پر اس قدر حاوی اور بااختیار ہوچکا تھا کہ تصدیقوں کا اپنے محکموں کے اندر کوئی اختیار ہی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ بات خاص طور سے مالگذاری کے سلسلے میں اور زیادہ صحیح تھی۔ اس کا اختیار اتنا بڑھ چکا تھا کہ دیوان تن اور دیوانِ خالصہ صفر محض بن کررہ گئے تھے۔ اس نے خالص پرگنات کا پٹہ اجارے پر اس طرح کرنا شروع کیا کہ گویا کوئی خرید وفروخت کی کارروائی ہے اور اس میں لاکھوں بنائے۔ اس بات سے شہنشاہ مخالف ہوگیا[81]۔

اس وقت دیوانِ خالصہ اور دیوانِ تن کے عہدوں پر بالترتیب اعتصام خاں اور رائے رایان جہاں شاہی فائز تھے۔ دونوں حاکموں کو خاصی مشکل صورت حال کا سامنا تھا۔ وہ دونوں وزیر کو ناراض کیے بغیر شہنشاہ کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔ اعتصام خاں کا رجحان اور اس کا گوشۂ نرم بیشتر شہنشاہ کی طرف تھا جبکہ رائے رایان، عبداللہ خاں کو خوش رکھنا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے ان کو ہر طرف سے تنقید جھیلنی پڑی اور اپنے عہدوں سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوئے۔ اعتصام خاں نے درحقیقت 1719ء میں استعفیٰ پیش کیا اور عنایت اللہ خاں کو دیوانِ خالصہ اور دیوانِ تن کی پیشکش بشمولیت نظامت کشمیر کی گئی۔ وہ بہرحال وزیر کے زبردست اختیار واقتدار کے پیشِ نظر اس پیشکش کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ لہٰذا مصالحت کی صورت نکالی گئی اور عنایت اللہ خاں نے دونوں عہدے قبول کرلیے۔ وزیر اور عنایت اللہ خاں کے درمیان جو اقرار نامہ ہوا اس کی شرطیں مندرجہ ذیل تھیں:۔

(1) عنایت اللہ خاں مالگذاری سے متعلق کوئی معاملہ شہنشاہ کے سامنے پیش نہ کرے گا۔ تاوقتیکہ پہلے سے وزیر کے علم میں نہ لائے اور اس کی اجازت حاصل نہ کرلے۔
(2) وہ سرکاری عہدوں پر تقرر سے متعلق براہ راست کوئی سفارش نہیں کرے گا۔
(3) رتن چند خالصہ آراضیات سے متعلق معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

---

[80] منتخب اللباب ج 2۔ صفحہ۔ 739

[81] ایضاً ج 2 صفحہ 773

(4) وزیر کو امورِ مملکت کی انجام دہی کے لیے ہفتہ[42] میں ایک بار یا دو بار دفتر میں رہنا ہوگا۔

1713ء میں عنایت اللہ خاں نے بعض تجویزیں پیش کیں جن میں یہ بھی شامل تھا کہ جزیہ دوبارہ عاید کر دیا جائے۔ وہ مناصب اور قیمتی جاگیریں جو ہندوؤں، کاشمیریوں اور خواجاؤں نے فریب اور چالاکی سے حاصل کی ہیں ان میں کمی کی جائے اور واپس لی جائیں۔ شہنشاہ نے ان تجویزوں کو منظور کیا اور عنایت اللہ خاں نے ان کے نفاذ کا فیصلہ کر لیا۔ یہ بات رتن چند اور وزارت مال کے تمام اہم افسران کے لیے زبردست شکایت کا باعث ہوئی۔ انھوں نے وزیر کے سامنے معاملہ پیش کیا جس نے نئی تجاویز کے نفاذ کی بابت اپنی رضامندی سے انکار کر دیا۔ بہت سے لوگ عنایت اللہ خاں کے خلاف ہو گئے۔ دونوں طرف سے الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ وزیر اور عنایت اللہ خاں کے درمیان جو اقرار نامہ ہوا تھا وہ جاتا رہا۔ وہ اکثر آپس میں جھگڑتے تھے۔ لیکن چونکہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہ تھا اس لیے بادلِ نخواستہ آپس میں کام چلاتے تھے۔[43]

ایک دوسرا واقعہ اور ہے جس کی روئیداد سے وزارتِ مال کی کارکردگی میں پیدا شدہ بے ربطی پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آراضیاتِ خالصہ کے ایک عامل کے حسابات کی جانچ کی گئی تو اس کے ذمے ایک بڑی رقم واجب الادا نکلی۔ عنایت اللہ خاں نے رقم کی وصولیابی کی غرض سے عامل کو قید کر دیا۔ یہ رتن چند کا پروردہ اور اسی کے ہاتھ کا مقرر کیا ہوا تھا۔ موخر الذکر نے عامل کو چھڑانے کی کوشش کی، مگر عنایت اللہ خاں اپنے مقام سے نہ ہلا۔ ایک روز عامل کسی طرح قید سے بھاگ نکلا اور رتن چند نے اس کو پناہ دے دی۔ عنایت اللہ خاں نے شہنشاہ کو معاملے کی اطلاع دی اور عامل کو رتن چند کے گھر سے گرفتار کرنے کے لیے چیلے تعینات کر دیئے گئے۔ دونوں طرف سے سخت و سست الفاظ کا استعمال ہوا۔ اور جھگڑا ناگزیر نظر آیا۔ شہنشاہ نے قطب الملک کی سرزنش کی اور رتن چند کو برخاست کرنے کے لیے کہا۔ لیکن عبداللہ خاں کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔[44]

42ء منتخب اللباب ج 2 صفحہ 773 متن میں یہ بھی درج ہے کہ شہنشاہ چونکہ وزیر سے ناراض تھا اور وہ ذاتی طور سے عیش و عشرت میں ڈوبا تھا۔ لہٰذا موخر الذکر نے پچھلے کئی مہینوں سے امورِ منصبی کو انجام دینا چھوڑ رکھا تھا اور مملکت کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ مزید ملاحظہ ہو سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 408

43ء منتخب اللباب ج 2 صفحہ 773، 775۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 408

44ء منتخب اللباب ج 2 صفحہ 273، 276۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 407

فرخ سیر کے بعد ابوالبرکات تخت پر بیٹھا۔ اس کے ماتحت عبداللہ خاں کا اختیار واقتدار اور زیادہ بڑھ گیا۔ دیانت خاں دیوان خالصہ اور بخت مل دیوان تن مقرر ہوئے۔ لیکن سرکاری دفتروں میں تمام حکام بشمولیت ان حکام کے جو محکمۂ عدل میں تھے، رتن چند کے بلا اختیار ماتحتوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے[45] رتن چند مسلسل طور سے انتظامیہ، مالیہ اور عدلیہ کے امور پر اختیار اور اقتدار استعمال کرتا رہا۔ حتیٰ کہ سلطنت کے مختلف حصوں میں قاضیوں کا تقرر بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔[46]

سید برادران کے زوال کے بعد وزیر کا عہدہ محمد امین خاں کے سپرد ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو زبردست اختیار واقتدار حاصل تھا۔ اور نوجوان بادشاہ کی یہ مجال نہ تھی کہ اس کے خلاف اپنی طاقت کا اظہار کر سکے۔ 'احوال الخواقین' کے مولف نے دراصل اس پر سید برادران کے نقش قدم پر چلنے کا الزام لگایا ہے۔ محمد امین خاں نے شہنشاہ کو ایک برائے نام ہستی بنا کر رکھ دیا۔[47] بہرحال وزیر نے اپنے عہدے کے فرائض کو قابلیت کے ساتھ انجام دیا اور اگر اس کی اچانک موت سے یہ کام منقطع نہ ہوتا تو اورنگزیب کے عہد کے مروجہ قواعد وضوابط دوبارہ موثر طریقے سے عمل میں آگئے ہوتے۔[48] بدقسمتی سے اس کے مختصر دور میں وزارت مال کے معاملات کو درست سطح پر لانے کے لیے کوئی خاص کام نہیں ہو سکا۔

نظام الملک فروری سنہ 1722ء[49] میں وزیر ہوا اور دسمبر سنہ 1723ء تک اس عہدے پر مامور رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک نے اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد تحقیقات شروع کیں۔ جن سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ سید برادران کے زوال سے قبل غیر معمولی اور بے مثال طور سے مناصب اور جاگیروں کی تقسیم عمل میں آئی۔ اور نہایت فیاضی کے ساتھ شہزادے، شاہی خاندان کی خواتین، امرا اور راجہ مناصب وجاگیروں سے مستفیض ہوئے۔ اس کی وجہ سے شاہی خزانے کی مالیات میں کمی آگئی۔ یہ امر بھی واضح ہوا کہ نقد تنخواہ پانے والے شاہی ملازمین کی تنخواہیں بہت زیادہ بڑھا دی گئیں ہیں۔ نظام الملک نے مکمل تحقیقات کے بعد

45ھ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 775، 776۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 407

46ھ احوال الخواقین 178 الف۔ تذکرۃ الملوک 130 ۔

47ھ احوال الخواقین 178 الف

48ھ تذکرۃ الملوک 103 الف۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 455 ۔شاہنامہ منور الکلام 86 الف۔
احوال الخواقین 81 ب۔ تاریخ 12 الف۔ "عہد آخر کے مغل" ج 2 صفحہ 948

49ھ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 948 ۔سیر المتاخرین صفحہ 455، 456 ۔ شاہنامہ منور الکلام 86 الف

اور مالگذاری کے کاغذات کی جانچ کے نتیجے میں بادشاہ کی خدمت میں گذارش کی کہ انتظام مالگذاری کے حالات میں فی الفور اصلاح عمل میں لائی جائے اور یہ کہ اورنگزیب کے عہد کے مروجہ قواعد وضوابط کو فوراً نافذ کردیا جائے۔ اس نے اصلاحات کا ایک جامع منصوبہ پیش کیا، جو عمل میں نہ لایا جاسکا اس لیے کہ اس نے اپنے کو نہایت اہم امرا کے محاذ کے سامنے بے بس پایا۔ اس محاذ میں شہنشاہ کے سارے منظور نظر خصوصاً اس کی دودھ شریک کوکی بہن، حافظ خدمت گار خاں اور خان دوراں، میر بخشی شامل تھے۔[50]

وزارت مال کی روزمرہ کارکردگی میں جو شخصیت سب سے زیادہ با اثر تھی، اور جس کی طرف سے نہایت موثر مداخلت ہوئی، وہ کوکی تھی۔ اس عورت کی ذات میں دلفریبی، ہوشیاری، اور قابلیت یکجا جمع تھیں۔ شہنشاہ کا قلمدان اس کے سپرد تھا اور وہ شہنشاہ کی طرف سے اپنے دستخط ثبت کرتی تھی اس سے اس کو لاکھوں روپیہ رشوت لینے کا موقع ملتا تھا۔[51] اس نے خدمت گار خاں کو جو شہنشاہ کا منظور نظر تھا، اپنے اعتماد میں لے لیا۔ اور لوگوں سے بڑی بڑی رقمیں اپنے اور شہنشاہ کے لیے وصول کیں۔ وہ یہ بہانہ بناتی تھی کہ پیش کش مملکت کے مفاد میں وصول کی جاتی ہے۔ تاکہ خزانے کی ثروت بڑھے، مگر یہ اس بدعنوانی کو چھپانے کا ایک عذر تھا جس کی وجہ سے تمام وزارت مال کی کارکردگی بدنظمی کا شکار تھی۔[52]

اس طرح نظام الملک نے امور مملکت کو قواعد وضوابط کے تحت لانے کے لیے، ضروری اصلاح کے نفاذ کے سلسلے میں اپنے کو بے بس پایا۔ جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو اس نے وزارت مال کے معاملات میں حیدر قلی خاں کی بیجا مداخلت کے خلاف شہنشاہ سے شکایت کی۔ شہنشاہ حیدر قلی خاں کی کارروائیوں کو اور خاص کر وزارت مال کے معاملات میں اس کی مداخلت کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ لہٰذا اس کو گجرات چلے جانے کا حکم دے دیا گیا، لیکن کوکی کے مذموم اثرات جاری رہے۔ جس کی رشوت خوری نے سلطنت کے وقار کو مجروح کر کے رکھ دیا۔ نظام الملک نے کوکی سے اس ناگوار حرکت کو ترک کرنے کے لیے کہا لیکن اس نے کوئی دھیان نہ دیا اور شہنشاہ کو مداخلت کی مجال

---

[50] شاہ نامہ منور الکلام 83 الف ب، 86 الف۔ احوال الخواقین 18 ب، 82 الف ب سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 455، 456۔

[51] تاریخ شاکر خانی 15 ب۔

[52] منتخب اللباب ج 2 صفحہ 940

نہ ہوئی۔[53]

اس طرح سنہ 1723ء تک وزیر کی حیثیت خاصی کمزور ہو گئی تھی۔ اور وہ ان اختیارات کے استعمال سے مجبور تھا جو فی الواقع اس کے عہدے سے تعلق رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور سے انتظامی اور خاص طور سے وزارتِ مال کی حالت ابتر ہو گئی۔ اور امورِ مملکت کو درست طریقے سے انجام دینا محال ہو گیا۔[54]

بہت جلد یہ بات محسوس ہونے لگی کہ شہنشاہ اور وزیر کے درمیان کھلم کھلا اختلاف ناگزیر اور یقینی ہے۔ بہرحال یہ صورت حال اس لیے سامنے نہ آئی کہ دسمبر سنہ 1723ء میں نظام الملک نے دہلی چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے پانچ مہینے تک وزیر کی ذمہ داری اس کے بیٹے غازی الدین اور اس کے نایب نے انجام دی۔ آخر کار جولائی سنہ 1723ء میں وزیر کا عہدہ قمرالدین خاں کے سپرد ہو گیا۔[55]

اب ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ وزیر کے عہد میں جو اتار چڑھاؤ بہادر شاہ کی تخت نشینی سے لے کر وزارتِ مال کی کارکردگی میں جو بتدریج انحطاط کے وقت تک واقع ہوئے ان کے بارے میں چند عام مشاہدات پیش کر سکیں۔

جو شہادت موجود اور مہیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منعم خاں کے تقرر کے وقت سے وزیر کے اختیار میں اضافہ شروع ہوا اور یہ رجحان محمد امین خاں کی وفات تک جاری رہا۔ مجموعی طور سے ایسا نظر آتا ہے کہ اہم امراء کی زوردار مخالفت کے باوجود وزیر کو بہت زیادہ اختیارات حاصل تھے۔ شہنشاہ کی حمایت

53ھ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 947۔ احوال الخواقین 183 ب، 184 الف۔ احوال الخواقین کا مولف کہتا ہے کہ انتظام بچوں کا کھیل ہو گیا تھا۔ جو کام دیوان کے امور منصبی میں آتا ہے اسے بخشی انجام دیتا تھا اور قاضی کے فرائض کوتوال نے سنبھال لیے تھے۔

54ھ احوال 182 ب، 183 الف ب، 194 الف ب۔ سیر ج 2 صفحہ 465 "عہد آخر کے مغل" ج 2 صفحہ 133، 198۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بعد میں شہنشاہ اور وزیر کے درمیان مصالحت کرانے کی بھی کچھ کوششیں کی گئیں۔ نظام الملک نے اپنے عہدے پر برقرار رہنے کے لیے آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ شہنشاہ مجوزہ اصلاحات کے نفاذ پر رضامند ہو جائے اور اجارہ داری کے عمل کا خاتمہ کر دیا جائے۔ بالآخر یہ کوششیں ناکام ہوئیں اور وزیر نے دکن جانے کا ارادہ کر لیا۔ (بعد کے مغل 2 صفحہ 136)

55ھ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 957، 973۔ تذکرہ 131 ب۔ "عہد آخر کے مغل" ج 2 صفحہ 137، 138

اور سہارے کی بدولت وہ اعلیٰ ترین اختیارات کا مالک تھا۔ اور اکثر شہنشاہ اور اس کے منظورِ نظر لوگوں کی خواہشات سے بھی صرفِ نظر کر جاتا تھا۔ محمد امین خاں کی وفات کے بعد وزارت کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ نظام الملک کے زمانے میں وزیر کے اختیار و اقتدار میں نمایاں طور سے کمی ہو گئی۔ صاف طور سے نظر آتا ہے کہ وزیر کے بڑھتے ہوئے اختیار و اقتدار کے بالمقابل اختلاف کی قوتیں بہت کافی مضبوط ہو چکی تھیں جن کے سامنے اس کو نہ صرف اپنے جائز امور کی انجام دہی سے بلکہ خود عہدے سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہرحال اس تازہ صورت حال نے وزارتِ مال کی کارکردگی میں نہایت خرابی پیدا کی۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں یعنی اس وقت جبکہ وزیر کو بلا روک ٹوک اختیار حاصل تھا اور اس وقت بھی جب وہ جائز اختیارات کے سے بھی مجبور تھا، وزارتِ مال کی کارکردگی بُری طرح بگڑی اور سلطنت کا انتظامی استحکام درہم برہم ہوا۔

دوسرا وزیر قمرالدین خاں اس عہدے پر بیس برس سے زیادہ فائز رہا۔[55] اس کی وزارت کے زمانے میں وزارتِ مال کی کارکردگی میں اور زیادہ انحطاط پیدا ہوا۔ کیونکہ بہت ہی اہم مسائل درپیش تھے۔ مثلاً مرہٹوں کی دستبرد، شمال و مغرب کی طرف سے خطرہ، صوبہ داروں کا بڑھتا ہوا آزادی کا رویہ، اس وجہ سے وزیر اور شہنشاہ کے درمیان کا اختلاف غالباً ختم ہو گیا یا اس کی اہمیت اور معنویت جاتی رہی۔ البتہ اختلاف کی غیر موجودگی کے باوجود عملداری اور انتظامی عملے کو نئے سرے سے تشکیل دینے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ برخلاف اس کے وزیر اور دیگر شاہی وزرا امورِ مملکت سے کامل بے پرواہی برتتے رہے۔ دربار کا بدلا ہوا ماحول، شہنشاہ اور اس کے وزیر کی عیش پرستی اور رنگین مزاجی، اس کے علاوہ سیاسی اور فوجی مسائل، یہ سب ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے غالباً بہت کم وقت مل پایا کہ وزارتِ مال کو درست طریقے سے تشکیل دیا جاتا اور اس میں درستی بحال کی جاتی۔ غالباً وہ مرحلہ آ گیا تھا کہ جب کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

'تذکرۃ الملوک' کا مولف اس بے ربطی کا ایک واضح بیان پیش کرتا ہے جو وزارتِ مال کے اندر نظام الملک کی رخصت کے بعد واقع ہوئی۔ دیوانِ خالصہ اور بخشی نے اپنے کو عیش و عشرت کی نذر کر دیا اور اپنے فرائض کی انجام دہی سے غافل ہو گئے۔ واقعہ یہ تھا کہ وہ امورِ مملکت کو انجام دینا اپنے مرتبے سے کمتر سمجھتے تھے۔ انہوں نے تمام کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا یعنی ان

---

[55] مآثر الامراء ج ۱، جز ۱ صفحہ 358 - 361

منشی لوگوں کے ہاتھ میں جو عام طور پر ہندو تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شاہی انتظام کے اندر بدانتظامی پھیل گئی نیز حکام کا تقرر و تنزل، منصب میں اضافہ یا تخفیف اور سپاہیوں کی تنخواہ کی تقسیم یہ سارے معاملات پیشکاروں اور منشیوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔[57]

فصل دوئم

صوبائی اور مقامی انتظام

دیوان صوبہ:۔ وزارت مال کے براہ راست نمائندے کی حیثیت سے 'دیوان صوبہ' کے عہدے کا قائم کرنا اکبر کا کام تھا۔ صوبائی دیوان بشمولیت دیگر افسران کے ہر صوبے میں چوبیسویں سال جلوس میں مقرر کیا گیا۔[58] اس کے چالیسویں سال جلوس تک صوبائی دیوان کا اقتدار اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ صوبہ دار سے آزاد ہو گیا تھا۔ وہ دیوان اعلیٰ کے ذریعہ شہنشاہ کے سامنے جوابدہ تھا۔ اور اپنے کاغذات براہ راست وزیر کو پیش کرتا تھا۔[59]

تقرر:۔ دیوان صوبہ کا تقرر وزیر کی سفارش پر کیا جاتا تھا۔ ضابطہ یہ تھا کہ امیدوار کے بارے میں ضروری اطلاعات پر مشتمل تحریری بیان داخل کیا جاتا تھا جو اصطلاح میں حقیقت کہلاتا تھا۔ یہ شہنشاہ کے سامنے پیش ہوتا تھا اور اس کی منظوری کے بعد تقرر کے حکم پر وزیر اپنے دستخط کرتا تھا جو اصطلاح میں پروانہ خدمت کہلاتا تھا۔[60] 'فرہنگ کاردانی' کے اندر پروانے کی ایک نقل موجود ہے۔ جس کا عنوان "پروانہ خدمت دیوانی و امینی" ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انتظام سے متعلق تمام افسران یعنی جاگیردار، فوجدار، کروڑی، زمیندار، چودھری، قانونگو اور حتیٰ کہ رعیت وغیرہ کو اس بات پر مطلع ہونا لازم تھا کہ کسی شخص کے تبادلے کی بنا پر صوبے کی دیوانی اور امینی کا عہدہ اس آدمی کے سپرد ہوا جس کا شاہی حکمنامہ میں نام لیا گیا ہے۔ حکمنامہ میں یہ کہا جاتا تھا کہ ان کو چاہیے کہ شخص مذکورہ کو اس کے عہدے سے متعلق تمام معاملات کا مجاز و مختار تصور کریں اور مالیہ و انتظامیہ کے جملہ معاملات میں اس سے رجوع کریں۔ ان کو ہر گز شخص

57۔ تذکرۃ الملوک 132 الف

58۔ اکبر نامہ ج 2 صفحہ 676۔ مزید ملاحظہ ہو ابن حسن "مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ" صفحہ 165۔

59۔ اکبر نامہ ج 2 صفحہ 676۔ مزید ملاحظہ ہو ابن حسن، مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ، صفحہ 165۔

60۔ فرہنگ کاردانی 28 الف

مذکورہ کے احکام اور ہدایت سے حکم عدولی نہیں کرنا چاہیے۔[61]

اختیارات اور امور :۔ دیوانِ صوبہ کو صوبائی انتظام میں ایک اہم حیثیت حاصل تھی۔ اور اس کا اختیار و اقتدار صوبے کے انتظامی اور مالی معاملات تک وسیع تھا۔[62] اس پر یہ لازم تھا کہ انتظامی اور مالی معاملات سے متعلق مقدمات کی جانچ کرائے اور سرکاری مطالبات کی وصولیابی اور بازیافت کے لیے پوری کوشش کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے متنوع فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ زیرِ کاشت رقبے کی توسیع کے سلسلے میں اقدامات کرتا رہے گا تاکہ پرگنات کی خوشحالی میں اضافہ ہو۔ خزانے کا تحفظ اور نگرانی اس کے اہم امور میں شامل تھا۔ وہ اس بات کے لیے ذمہ دار تھا کہ باقاعدہ منظوری کے بغیر کوئی رقم کسی کے تصرف میں نہ آئے اور کہیں خرچ نہ ہو۔ اس کو یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ زرِ نقد کی رسیدات جو فوجدار نے بھیجی ہیں اور جو صوبائی مرکز میں واقع شاہی خزانے کے جمع ہوئی ہیں ان کو باقاعدہ طور سے فوطہ دار کے کارندوں کے حوالے کیا جانا چاہیے۔[63]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرگنوں کے عامل دیوانِ صوبہ کی ماتحتی اور نگرانی میں رہتے تھے۔ 'فرہنگ کاروائی' کے مولف کی اطلاع کے مطابق دیوانِ صوبہ پر لازم تھا کہ وقت مقررہ پر امینوں اور کروڑیوں کو بھیجے اور ایک خاص وقت کے اندر ان سے مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کا کام مکمل کرائے۔[64] اس کو یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ ضروری کاغذات مثلاً جمع کے شرح نامے، روزآنہ وصولیابی اور اخراجات کے کاغذ (جس کو روزنامچہ تحصیل جمع و خرچ کہتے تھے۔) وغیرہ کو فوطہ دار سے مرتب کرائے اور پرگنوں کی وصولیابی و اخراجات کی روئیداد بشمولیت نسخہ دیوانی[66] کو ان کے ذریعہ حسبِ ضوابط وزارتِ مال کو بھجوائے۔ اس کے امور منصبی میں

61۔ ایضاً 28 ب۔

62۔ ایضاً 28 ب۔

63۔ ایضاً 28 ب۔

64۔ فرہنگ کاروانی 28 ب۔

65۔ نگار نامہ منشی صفحہ 134، 145

66۔ نسخہ دیوانی۔ جملی کا دوسرا نام تھا۔ یہ جامع حسابات کی کتاب تھی جو دیوان کے دفتر میں رہتی تھی۔ اس میں خالصہ محالوں کی آمد و خرچ کی تفصیلات ہوتی تھیں۔ اگر کچھ بقایا میں ہے تو وہ بھی درج ہوتا تھا۔ خالصہ محالوں کے فوطہ دار، جو حساب آمد و خرچ کا پیش کرتے تھے اسکی بنیاد پر یہ اندراج تیار کیا جاتا تھا۔ (خلاصۃ السیاق 35 ب)

یہ بھی تھا کہ کارندوں سے کامل طور پر باخبر رہے تاکہ ان میں سے کوئی غیر قانونی رقومات جو حکومت کی طرف سے ممنوع یا معاف کردی گئی ہیں، وصول نہ کرے۔ اس کے علاوہ یہ بھی اس کے ذمے تھا کہ اگر عاملوں نے کوئی بدعنوانی کی ہے تو اس کو پکڑے جو کاغذِ خام کی بنا پر ممکن ہو سکتا تھا یعنی موضع کے وہ کاغذات پٹواری مرتب کرتا تھا جن میں ہر قسم کی وصولیابی دکھائی جاتی تھی۔ اگر عاملوں نے اس قسم کی بدعنوانی کی ہے تو اس کی بازیافت کی جاتی تھی۔ اگر کوئی عامل بدعنوانی یا کسی دوسری بدیانتی کا مجرم پایا گیا تو دیوان کے لیے ضروری تھا کہ معاملے کی اطلاع شہنشاہ کو دے تاکہ ایسے عامل کی جگہ کسی دوسرے کا تقرر کیا جائے۔[۴۷] آخری بات یہ کہ اس کو اپنے دفتر میں تقریباً تیس کتابچے رکھنے پڑتے تھے اور نسخۂ دیوانی اور دیگر کاغذات[۴۸] وزارتِ مال کو پیش کرنے پڑتے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ان تمام کاغذات کی نقلیں جہاں کا دیوان کرے اور چھ مہینے کے بعد یا سال کے آخر میں جیسا کہ اس صوبے میں مروج رہا ہو ان کو وزارتِ مال میں بھیجے۔ تبادلہ یا معزولی کی صورت میں اس کو تمام کاغذات کی نقلیں جن پر اس کی مہر ثبت ہوتی نئے دیوان کے حوالے کرنی پڑتی تھیں۔[۴۹]

وہ کاغذات جو دیوان صوبہ کے دفتر میں رہتے تھے ان کی فہرست کے معاینے سے دیوان کے

---

۴۷ خلاصۃ السیاق ملاحظہ ورق 16 الف ب بو ضمیمہ د۔

۴۸ نگارنامہ منشی صفحہ 135۔ فرہنگ کاروانی 28 الف۔ دیوان صوبہ کے دفتر میں رکھے جانے والے تمام کاغذات کی مکمل فہرست کے لیے ضمیمہ د۔

۴۹ دوسرے کاغذات جو وزارتِ مال کو بھیجے جاتے تھے ان کے نام 'فرہنگ کاروانی' میں دیئے ہوئے ہیں۔ یعنی جمع بندی کے طومار، روزنامچۂ تحصیل، جمع و خرچ فوطہ دار، مجمل پرگنات' (فرہنگ کاروانی 28 الف)

(الف) طومار جمع بندی یا طومار جمع۔ یہ معمول کا کاغذ تھا جسے پرگنہ امین تیار کرتا تھا۔ اس میں پرگنہ کی مجموعی جمع بشمولیت مال و جہات اور سائر جہات کے دی ہوئی ہوتی تھی۔ ساتھ ہی اس کے اندر پرانے نو آباد آئمہ مواضعات کی تفصیل بھی ہوتی تھی۔ (خلاصۃ السیاق 21 ب' 23 ب 24 الف ب)

(ب) روزنامچۂ تحصیل:۔ یعنی روزآنہ رسیدات کے حساب کی کتاب (خلاصۃ السیاق 28 ب)

(ج)۔ جمع و خرچ فوطہ دار۔ فوطہ دار کے دفتر میں جمع خرچ کا حساب رہتا تھا اس کی کتاب۔

(د) مجمل پرگنات:۔ پرگنے کی آمدنی اور خرچ کا خلاصہ اس میں درج رہتا تھا۔ اس کو جمع و خرچ پرگنہ بھی کہتے تھے۔ (خلاصۃ السیاق 29 ب)

اختیاراتِ نگرانی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ انتظام مالگذاری کے شعبوں پر اس کا حکم نافذ تھا۔ جن میں خالصہ، جاگیر، آراضی مدد معاش اور زمینداریاں وغیرہ بھی شامل تھیں۔ موخرالذکر میں وہ بھی تھیں جن پر مالگذاری مقرر تھی اور وہ بھی جن پر پیشکش یعنی متعینہ رقم لی جاتی تھی معلوم یہ ہوتا ہے کہ منصبداروں کے سپرد جاگیروں پر اور منصبداروں وسپاہیوں کو دی جانے والی نقد تنخواہوں پر بھی اس کو تھوڑا بہت اختیار حاصل تھا۔ آراضی مدد معاش کی تصدیق اور تجدید سے متعلق تمام کاغذات اس کے دفتر میں رہتے تھے۔ وہ صوبائی ٹکسالوں پر بھی نگرانی رکھتا تھا اور دیوان کی عدالت سے سزا یاب ہونے والے قیدی جن قیدخانوں میں رکھے جاتے تھے ان کے کاغذات کا معائنہ بھی اس کے ذمے تھا۔ خالصہ محالوں میں کام کرنے والے تمام افسران اپنے دفتروں کے حسابات اور اندراجات کی نقلیں اس کے پاس بھیجتے تھے اور وہ ان کو ضروری احکامات صادر کرتا تھا۔[70] ان نتائج کی تائید 'ریاض السلاطین' میں پائی جانے والی شہادت سے ہوتی ہے۔ موخرالذکر میں یہ بیان موجود ہے کہ انتظامی اور مالی معاملات، تخمینے اور وصولیابی کا کام، اور سرکاری خزانے سے متعلق آمد و خرچ کی نگرانی وغیرہ جملہ امور دیوان صوبہ کے تحت تھے۔[71]

مالی اور انتظامی تقسیمات :۔ مالی مقاصد کے لیے ایک صوبہ سرکاروں، پرگنوں اور محالوں میں منقسم ہوتا تھا۔ کم و بیش یکساں تخمینے کی شرح کے متعدد مواضعات پر مشتمل مالی اکائی کو محال کہتے تھے۔ اسی کو پرگنہ بھی کہتے ہیں۔ دونوں اصطلاحوں میں خاص فرق یہ تھا کہ پرگنہ متعدد مواضعات پر مشتمل مالی اور علاقائی اکائی کو ظاہر کرتا تھا۔ البتہ محال خالص مالی اکائی تھی۔[72] مثلاً محال کرہ پارچہ[73] اور محال سائر بلدا۔[74] پرگنے میں ایک سے زیادہ محال بھی شامل ہو سکتی تھی۔[75] مگر عام طور پر اس میں ایک ہی محال ہوتی تھی

70ے خلاصۃ السیاق 16 ب

71ے ریاض السلاطین صفحہ 244، 245

72ے مرآۃ احمدی۔ ضمیمہ صفحہ 180، 181، 223

73ے کپڑا بازار سے جو وصولیابی ہوتی تھی اس کو علیحدہ محال کرہ پارچہ کے عنوان کے تحت دکھایا جاتا تھا۔

74ے شہر میں جو متعدد محصولات عائد کیے جاتے تھے مثلاً چیزوں کی خرید فروخت پر، چیزوں کے نقل و حمل پر وغیرہ۔ ان کو ایک علیحدہ مالی اکائی تصور کیا جاتا تھا اور وہ محال سائر بلدا کے عنوان سے دکھائے جاتے تھے۔

75ے مرآۃ احمدی، ضمیمہ صفحہ 193

لہٰذا دونوں اصطلاحیں احتیاط سے قطع نظر ایک دوسرے کے متبادل استعمال ہوتی تھیں۔ متعدد پرگنے سرکار کو تشکیل دیتے تھے اور سرکار کا انتظام مالگذاری دیوان سرکار کے ماتحت ہوتا تھا۔

انتظامی اکائی :- انتظامی مقاصد کی غرض سے ایک صوبہ متعدد انتظامی اکائیوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ جس کو فوجدار کہتے تھے، اور ہر ایک میں ایک فوجدار متعین رہتا تھا۔ بعض علاقوں میں اس کو چکلہ کہتے تھے۔ فوجداری ایک پرگنہ یا متعدد پرگنات یا بعض اوقات ایک سرکار پر مشتمل ہوتی تھی۔ فوجدار دراصل دو عہدوں کا مالک ہوتا تھا یعنی وہ فوجی سپہ سالار بھی تھا اور ساتھ ہی اس کو اپنے زیر انتظام علاقے میں انتظامی افسر اعلیٰ کا اختیار بھی تھا۔ وہ امن اور قانون برقرار رکھنے کے لیے ذمہ دار تھا۔ ساتھ ہی انتظام مالگذاری سے بھی وابستہ ہوتا تھا۔[76] اور مقدمات کی سماعت کے وقت عدالت کی صدارت کرتا تھا جس میں قاضی اور مفتی موجود رہتے تھے۔[77] البتہ اس کی خصوصی ذمہ داری یہ تھی کہ زور طلب زمینداروں سے مالگذاری وصول کرے۔[78] اس کے ذمہ یہ بھی تھا کہ مالگذاری کی وصولیابی میں عاملوں کی مدد کرے۔[79] خواہ وہ خالصہ میں مامور ہوں یا جاگیر محالوں میں۔[80]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ عام طور سے پرگنہ ایک انتظامی اکائی کی حیثیت رکھتا تھا، خواہ وہ فوجداری کے حصے پر مشتمل ہو۔ پرگنے کے افسران کا تقرر مثلاً قاضی، مفتی، قانونگو اور چودھری، براہ راست مرکزی حکومت کی طرف سے کیا جاتا تھا اور وہ عامل کی ماتحتی سے آزاد تھے۔ وہ براہ راست

---

[76] مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو "مغلوں کے تحت فوجدار اور فوجداری" مجلہ میڈیول انڈیا۔ ج 1961 صفحہ 22، 35

[77] منتخب وقائع دکن صفحہ 79

[78] سیاق نامہ صفحہ 68

[79] آئین اکبری ج ۱، صفحہ ۱۹۷ سیاقنامہ صفحہ 67 انشائے روشن کلام، ورق 3 الف۔

[80] صوبے کی تمام محالیں خالصہ یا جاگیر کے تحت نامزد تھیں۔ خالصہ محالیں وہ تھیں جن میں مالگذاری عامل یا کروڑی کے ذریعہ وصول ہوتی تھی (خالصہ میں کام کرنے والے عامل کو کروڑی کہتے تھے) ان کا تقرر دیوان اعلیٰ کرتا تھا اور وصولیابی سرکاری خزانے میں جمع ہوتی تھی۔ دوسری طرف جاگیر محالیں وہ تھیں جو منصبداروں کو ان کی تنخواہوں کے عوض میں ملتی تھیں اور وہ ان جاگیروں سے مالگذاری وصول کرنے کے مجاز تھے۔ وہ یا تو خود مالگذاری وصول کرتے تھے یا اپنے عامل مقرر کرتے تھے۔

مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے احکامات حاصل کرتے تھے اور اگر عامل مالگذاری کی وصولیابی اور تخمینے کے سلسلے میں شاہی ضوابط کی حکم عدولی کرے تو مؤثر طور سے مداخلت کرسکتے تھے۔[91] ان حقائق کی بنا پر ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ عامل کا اختیار خواہ وہ خالصہ میں ہو یا جاگیر محالوں میں مجموعی طور پر مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی تک محدود تھا۔ جاگیر اور خالصہ علاقوں سے متعلق شہادت کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ دونوں میں انتظام مالگذاری کا طریقہ کم و بیش یکساں تھا۔

دیوان سرکار

مغلوں کے ماتحت انتظام مالگذاری کے جو مطالعات اب تک کیے گئے ہیں ان میں دیوان سرکار کے عہدے کی بابت بہت زیادہ توجہ ابھی نہیں دی گئی ہے۔ تاریخوں اور دستاویزوں کے بعض حوالوں سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ سرکار میں تعینات مالگذاری کا افسر اعلیٰ دیوان کہلاتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر سرن کے بیان کے مطابق سرکار کا مالگذاری کا افسر اعلیٰ عمل گذار ہوتا تھا۔[92] بہرحال متعلقہ شہادت سے ڈاکٹر سرن کے اظہار کردہ خیال کی حمایت نہیں ہوتی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمل گذار پرگنے کی سطح کا ایک حاکم تھا۔ ہم ذرا تفصیل کے ساتھ عامل کی حیثیت اور اس کے علاقائی اختیار کی جانچ تھوڑی دیر میں کریں گے۔ مگر فی الحال ہم اس شہادت کی جانچ مناسب سمجھتے ہیں جس کا رجحان یہ ہے کہ سرکار کا حاکم مالگذاری دیوان کہلاتا تھا۔ 'مراۃ احمدی' میں ہم نے پڑھا ہے کہ اورنگزیب کے پندرھویں سال جلوس میں اسلام نگر سرکار کے دیوان شمس الدین کے نام یہ حکم جاری ہوا کہ وہ چند مواضعات جاگیر کے طور پر توانگر کے راجہ کے سپرد کردے۔[93] ایک دوسری عبارت میں بند سورت میں اسکے امین اور دیوان کی حیثیت سے روشن ضمیر کے تقرر کا ذکر ہے۔[94] معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیوان صوبہ کی طرف سے دیوانوں اور امینوں کو ہدایات جاری کی گئی تھیں کہ شاہی دربار کو بھیجے جانے والے خطوط کے سرعنوان اور اخیر میں اپنے دستخط ثبت کریں۔[95] اور جو

---

91 دستور العمل بیکس، 37ب، 38الف، 41ب، 42الف، 43الف ب نگارنامہ منشی صفحہ 83، 90، 91، 40

92 سرن، مغلوں کی صوبائی حکومت صفحہ 784

93 مراۃ احمدی ج ا صفحہ 284، 285

94 ایضاً ج ا صفحہ 234

95 ایضاً صفحہ 374

شہادت مذکورہ ہوئی اس سے حسب ذیل نکات کی وضاحت ہوتی ہے:۔

(۱) دیوان صوبہ کے نیچے ماتحت دیوان تھے۔

(۲) سرکار میں ایک افسر دیوان نام کا ہوتا تھا جو مالگذاری کے بعض معاملات سے متعلق تھا۔ مثلاً جاگیروں کی تفویض۔

'مرآۃ احمدی' کی شہادت سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے اس کی براہ راست تصدیق اور تائید 'نگارنامہ منشی' میں واقع شہادت سے ہوتی ہے۔ اس میں ایک تقرر کا خط ہے جو کہ سرکار سنبھل کے دیوان کے نام جاری کیا گیا۔[86] صوبہ الہ آباد کے ایک چکلے[87] میں واقع متعدد پرگنات کے دیوان کی تقرری کے سلسلے میں ہم نے تالیف مذکور میں کسی اور جگہ بھی پڑھا ہے۔ 'دستورالعمل بیکس' میں بھی ہماری نظر سے تقرری کا ایک خط گذرا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دیوان متعدد پرگنوں کا حاکم ہوتا تھا۔[88] اگر ان حقائق کو 'مرآۃ احمدی' کی شہادت کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے تو ہمارے اس نتیجے کی پرزور تائید ہوتی ہے کہ سرکار کی سطح پر مالگذاری کا افسر اعلیٰ دیوان کہلاتا تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ 'دیوان صوبہ' کے نیچے متعدد ماتحت درجے کے دیوان کام کرتے تھے۔ اور ماتحت دیوان کا احاطۂ اختیار سرکار یا پرگنوں کے مجموعے پر وسیع تھا۔

امورِ فرائض

دیوانِ سرکار کے امور و فرائض 'نگارنامہ منشی' میں دیے ہوئے ہیں۔ اس کی ذمہ داری نگرانی کی نوعیت کی تھی یعنی پرگنوں میں جو افسران اس کے ماتحت کام کر رہے ہیں ان کے رویہ پر نظر رکھتا تھا۔ وہ حسب ہدایت یہ دیکھنے کے لیے کہ سرکاری افسر رعیت سے پیداوار کے نصف سے زیادہ کی وصولیابی نہ کریں، ضروری کارروائی کرنے کا مجاز ہوتا تھا۔ اگر اس کے ماتحت کام کرنے والے کسی افسر کے خلاف کوئی الزام ثابت ہو جائے تو وہ اس کا تبادلہ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے ذمہ دار تھا کہ کروڑی اور فوطہ دار سرکاری مطالبات میں خرد برد نہ کریں۔ اگر حسابات کی جانچ سے کسی افسر کے خلاف بدعنوانی ظاہر ہو تو دیوان اس کو اپنی پیشی میں حاضر ہونے کا حکم دیتا تھا اور اس سے مبینہ بیان

---

86 نگارنامہ منشی، 121 ب

87 ایضاً، 97 الف ب

88 دستورالعمل بیکس، 18 الف ب

کی ہوئی بدعنوانی کی بابت جواب طلب کیا جاتا تھا۔ بہرحال عاملوں کی امکانی بدعنوانی کو پہلے سے روکنے کے لیے دیوان ایک اقرار نامہ قانونگویوں اور چودھریوں سے اس بات کا حاصل کر لیتا تھا کہ اگر کسی قسم کی بدعنوانی سرزد ہو تو وہ لوگ فوراً دیوان کو اطلاع دیں گے۔[۸۹]

پرگنے میں انتظام مالگذاری کا بڑا حاکم عامل یا عمل گذار ہوتا تھا۔ البتہ جہاں تک افسرانِ پرگنہ کا تعلق ہے ڈاکٹر سرن کا بیان ہم کو عمل گذار یا عامل کے احاطۂ اختیار کی بابت اختلاف میں مبتلا کرتا ہے موصوف کا بیان نقل کرنے کے قابل ہے:

"سرکار کے اندر مالگذاری کا حاکم اعلیٰ عامل یا عمل گذار ہوتا تھا۔ اس کی مدد کے لیے ایک بڑا عملہ ہوتا تھا جن میں سب سے زیادہ اہم بتیکچی تھا۔[۹۰] مزید اگلی عبارت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ "پرگنے میں شقدار، عامل، کارکن، اور فوطہ دار مسلسل طور سے شیر شاہ کے وقت سے چلے آ رہے تھے۔ تخمینے اور وصولیابی کا خاص کام عامل کے ذریعہ کارکنوں کی مدد سے انجام پاتا تھا۔ البتہ عملے کے بقیہ افراد اور نیم سرکاری اہلکار یعنی قانونگو، پٹواری، مکھیہ، شقدار بھی ظاہرہ طور سے اس کی بہت کچھ مدد کرتے تھے۔[۹۱] اوپر کے بیان کی جانچ سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

(1) عمل گذار جو عامل بھی کہلاتا تھا سرکار میں مالگذاری کا سب سے بڑا حاکم تھا۔

(2) پرگنے میں تخمینے اور وصولیابی کا خاص کام عامل انجام دیتا تھا۔

یہ بیان زیادہ متعین اور واضح نہیں ہے اس میں یہ اشارہ ضرور ہے کہ پرگنات اور سرکار میں مالگذاری کے سب سے بڑے افسر کا نام ایک ہی تھا لیکن ان کے علاقائی اختیار میں فرق تھا۔ اور عامل پرگنہ شاید عامل سرکار کا ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ بہرحال عاملِ پرگنہ کو عمل گذار یا عامل سرکار کے ماتحت افسروں میں شامل نہیں کیا گیا ہے جو کہ بتیکچی، کارکن، فوطہ دار یا خزانہ دار کہلاتے تھے۔ البتہ ڈاکٹر سرن نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل ظاہر ہے یعنی عامل یا عمل گذار سرکار کے انتظام مالگذاری کا سربراہ تھا۔

ڈاکٹر اشتیاق قریشی نے بہ عنوان "اکبر کے تحت افسرانِ پرگنہ"[۹۲] میں اس سوال پر ذرا زیادہ تفصیل

---

۸۹ نگار نامہ منشی 97 الف ب، 121 الف ب، 123 الف ب۔ دستور العمل بیکس 17 ب، 18 الف ب۔

۹۰ سرن: مغلوں کی صوبائی حکومت صفحہ 284۔

۹۱ ایضاً صفحہ 284

۹۲ اسلامک کلچر ج 16، 1942، صفحہ 87، 99

سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے عامل کو عمل گذار کی حیثیت سے مشخص کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ عمل گذار پرگنہ کے انتظام کا سربراہ تھا۔ ان کی دلیلوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(1) جو فرائض اس کے سپرد کیے جاتے تھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق براہ راست کاشتکاروں سے اور مواضعات کے مکھیہ سے ہوتا تھا۔ ایسا افسر، سرکار جیسی بڑی اکائی کا سربراہ نہیں ہو سکتا تھا۔

(2) وہ پیمائش کرنے والے عملے کا نگراں ہوتا تھا۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ پوری سرکار کے لیے پیمائش کرنے والے عملے کی ایک اکائی ہوتی ہو۔ اس لیے کہ تخمینے کا طریقہ زیر کاشت آراضی کی نہایت مفصل اور مکرر پیمائش کا متقاضی تھا۔

(3) وہ خزانے کی کارکردگی کی نگرانی بھی کرتا تھا اور آئین میں خزانے کا جو بیان ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرگنے کا خزانہ دار تھا۔

ڈاکٹر قریشی نے جو دلیلیں پیش کی ہیں ان میں خاصہ وزن ہے۔ البتہ وہ اتفاقی شہادت پر مبنی ہیں۔ خوش قسمتی سے اس موضوع پر زیادہ متعین شہادت بھی موجود ہے۔ اس میں واضح اشارہ یہ ہے کہ پرگنے میں انتظام مالگذاری کا سربراہ عامل یا کروڑی ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر پرگنہ، دھولقہ کے عامل نے شیر خاں فوجدار سورت کے خلاف یہ شکایت کی کہ فوجدار کی ایما پر عامل مذکور کے ماتحت مواضعات سے مویشی ہانک لیے گئے۔[93] پرگنہ پاٹن دلو کا کروڑی عبدالرحمن اس لیے منتقل کر دیا گیا کہ رعیت نے اس کے خلاف شکایت کی تھی۔[94] دوسرے ماخذ میں بھی عامل کو افسر پرگنہ بتایا گیا ہے۔ 'اقبال نامۂ جہانگیری' میں محمد سعید کا حوالہ پرگنہ جالندھر کے عامل کی حیثیت سے دیا گیا ہے۔[95] پرگنہ جولار میں ہم ایک کروڑی کا تقرر دیکھتے ہیں۔[96] 'نگار نامہ منشی' میں ہماری نظر سے گزرتا ہے کہ پرگنہ دادرین کا امین اور کروڑی محمد ہاشم اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔[97] 'فرہنگ کاردانی' میں وضاحت کے ساتھ

---

[93] مرآۃ احمدی ج صفحہ 329

[94] ایضاً ج 1، صفحہ 305

[95] اقبال نامہ صفحہ 179، 180

[96] وقائع صوبہ اجمیر صفحہ 84

[97] نگار نامہ منشی 33، 34 الف

کروڑی کو پرگنے کا افسر بنایا گیا ہے۔[98] اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ عامل یا عمل گذار پرگنے کے انتظام کا سربراہ ہوتا تھا۔

اس نتیجے کی تائید خلاصۃ السیاق میں پائی جانے والی شہادت سے ہوتی ہے 'خلاصۃ السیاق' کے بیان کے مطابق عامل یا عمل گذار پرگنہ کی سطح پر مقامی انتظام کا سربراہ ہوتا تھا۔ اکبر کے اٹھارویں سال جلوس میں ہر محال کی جمع کا تخمینہ لگایا گیا ہے اور ایک کروڑ مالیت پر مشتمل مالگذاری کی وصولیابی کا کام ایک عامل کے سپرد کر دیا گیا۔[99] ابتدا میں کروڑی کے عہدے میں پرگنہ کے انتظامی افسر اور وصولیابی کے کام، دونوں امور شامل تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں بعض تنظیمی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں اور پہلی بار پرگنہ امین کا عہدہ قائم کیا گیا۔ دیوان اعلیٰ اسلام خاں نے (13 تا 19 سال جلوس) ہر محال میں ایک پرگنہ امین مقرر کیا جس کا کام یہ تھا کہ پورے سال محال میں مقیم رہ کر جمع کا تخمینہ لگائے۔ فوجداری کا عہدہ اور مالگذاری کی وصولیابی کا کام کروڑی کے سپرد کر دیا گیا۔ امین اور کروڑی کی حیثیت اور امور کو اگلے وزیر سعد اللہ خاں (بیسویں سال جلوس) کے زمانے میں جداگانہ طور پر مشخص اور معین کر دیا گیا۔ اس نے متعدد پرگنوں کی چکلہ کی صورت میں تشکیل کی اور ہر چکلہ میں امین اور فوجداری کے عہدے قائم کیے جو ایک ہی آدمی کے پاس رہتے تھے۔ کروڑی جو کہ افسر پرگنہ کی حیثیت سے بحال ہوا سرکاری مالگذاری کی وصولیابی کا مجاز تھا اور اس کارکردگی کے معاوضے میں مجموعی رقم کا پانچ فیصدی اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس طرح محال کا کروڑی ماتحت حیثیت میں پہنچ گیا اور اسے امین اور فوجدار کے ضروری احکامات حاصل کرنا لازم ہو گیا۔[100]

لہٰذا واضح ہوا کہ عامل اور امین کے عہدے ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے اور ہر ایک کو اپنے مخصوص امور انجام دینے پڑتے تھے۔ عام طور سے ان دو عہدوں پر دو مختلف آدمی تعینات کیے جاتے تھے لیکن اس عمل میں کوئی سختی نہیں تھی اور بعض اوقات ایک ہی آدمی دونوں عہدے سنبھال لیتا تھا۔ اسی طرح ایک فوجدار کے پاس عامل یا امین کا عہدہ بھی ہو سکتا تھا۔ سنہ 1696ء/ 1108ھ میں سید محسن گجرات میں واقع پرگنہ دھولقہ کا عامل اور امین مقرر کیا گیا۔ 1697ء/ 1109ھ میں محمد باقر اسی پرگنے کا فوجدار اور امین مقرر ہوا۔ اس سے قبل کی تاریخ میں امانت خاں کو

---

98. فرہنگ کاردانی 128 الف ب

99. خلاصۃ السیاق 25 ب، 26 الف ب۔ اکبرنامہ ج 3، صفحہ 87

100. خلاصۃ السیاق 25 ب، 26 الف ب۔

پرگنہ پٹن دیوکو امینی اور فوجداری کے عہدے سپرد کیے گئے۔[101]

عامل کے امور و فرائض کا بیان جیسا کہ آئین میں دیا ہوا ہے، سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں کے لیے درست نہیں مانا جا سکتا۔ اس لیے کہ اکبر کے تحت عامل پورے پرگنے کے انتظام کا سربراہ ہوتا تھا اور اس کو امین، فوجدار اور عامل کے اختیار مشترکہ طور سے حاصل تھے۔ شاہجہاں کے دور میں اہم تبدیلیاں لائی گئی تھیں اور عامل کو امین اور فوجدار کے ماتحت ایک کمتر حیثیت میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ مالگذاری کی وصولیابی اور اس کام سے براہ راست دیگر معاملات کی انجام دہی پر تعینات ہوتا تھا۔

امور

عامل کا ابتدائی کام[102] یہ تھا کہ تمام قابلِ کاشت آراضی پر کاشت کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرے اور قابلِ کاشت آراضی مذکورہ کی مقررہ مالگذاری وصول کرائے۔ 'خلاصۃ السیاق' میں کہا گیا ہے کہ اس کو یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ نسق کے اقرار نامے کے تحت جتنے مجموعی رقبے کا اندراج ہوا ہے وہ پورا زیرِ کاشت آنا چاہیے اور زیرِ کاشت رقبے میں کسی قسم کی کمی حکماً واقع نہیں ہونا چاہیے وہ ہر ٹپہ میں ایک ٹپہ دار مقرر کرتا تھا جو ٹپہ میں قیام کرکے ہر موضع اور ہر کاشتکار سے قریبی رابطہ رکھتا تھا تاکہ کسی موضع میں قابلِ کاشت آراضی بیکار پڑی نہ رہ جائے اور کاشتکار دوسری جگہ نہ چلا جائے۔ قابلِ کاشت آراضی پر کاشت کے اہتمام کی غرض سے اس کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ امین سے تقاضہ کرے تاکہ زراعتی مقاصد کے لیے مفلس اور محتاج کاشتکاروں کو قرض دیا جائے۔ اس کے بعد اس کا دوسرا کام یہ تھا کہ مالگذاری کی وصولیابی کے سلسلے میں ضروری کارروائیاں کرے۔ وہ چند سوار اور پیادے کاشتکاروں کی نگرانی کے لیے مقرر رکھتا تاکہ وہ لوگ مالگذاری کی ادائیگی میں آنا کانی نہ کریں۔ اس کو ایک مدت معینہ کے اندر مالگذاری وصول کرکے دینا پڑتی تھی۔ یہ رقم امین کے ذریعہ تیار کردہ حسبِ تخمینہ کا غذات مالگذاری یعنی طومار جمع بندی پر مبنی ہوتی تھی۔ وہ اس وصولیابی کو

---

[101] مرآۃ احمدی ج ۱، صفحہ 291، 292، 330، 334

[102] یہ بیان مندرجہ ذیل شہادتوں پر مبنی ہے:۔ ہدایت القواعد 29 الف۔ دستور العمل بیکس 62 ب 63 الف ب۔ خلاصۃ السیاق، 25 ب، 26 الف ب۔ نگارنامہ منشی صفحہ 136، 137۔

خزانے میں جمع کردیتا تھا۔

دوسرے وہ امین اور فوجدار کے ساتھ مشترکہ طور سے مقامی خزانے میں جمع شدہ رقم کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ وہ خزانے کو اپنی اور امین کی مہر کے ساتھ مقفل کرتا تھا اور اس پر غیر معمولی نگرانی کرتا تھا۔ البتہ اس کو دیوان کی پیشگی منظوری کے بغیر ایک کوڑی بھی خرچ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔

تیسرے وہ نیم سرکاری افراد مثلاً چودھری، قانونگو اور مقدم کے معاوضے کا معاملہ طے کرتا تھا۔ سال کے آخر میں بشرطیکہ مجموعی وصولیابی ہوگئی ہو، وہ مذکورہ افراد کا معاوضہ وضع کردیتا تھا جس کو نانکار رسوم اور انعام کہتے تھے۔ وہ خود بھی مجموعی وصولیابی پر پانچ فیصدی معاوضے کا مستحق تھا۔[103]

آخر میں وہ متعدد کتابچے تیار کرنے اور ان کو دربار میں ارسال کرنے کا ذمہ دار تھا۔ یہ کتابچے ہر فصل کے آخر میں ارسال کیے جاتے تھے۔ اس کو پورے سال کی آمدنی اور خرچ کا ایک گوشوارہ بھی داخل کرنا پڑتا تھا۔[104]

عامل کے حسابات کی جانچ

عامل کے دفتر میں وصولیابی کے جو حسابات رہتے تھے ان کی باقاعدہ جانچ ہوتی تھی۔ اگر یہ دیکھا گیا کہ اس میں تخمینے کے مطابق مالگذاری اور دوسرے منظور شدہ واجبات سے زیادہ کچھ وصول کیا ہے تو اس قسم کی وصولیابی کا مجموعی طور سے حساب لگایا جاتا تھا اور یہ رقم اس سے واپس لے لی جاتی تھی۔ یہ عمل برآمدیا برآمد عاملان کہلاتا تھا۔ ایسی ناجائز وصولیابی حکومت کا مطالبہ سمجھی جاتی تھی اور عامل اس کے سلسلے میں جواب دہ تھا۔[105] اس عمل کی ابتدا شاہ جہاں کے زمانے سے نظر آتی ہے اور غالباً محمد شاہ کے عہد تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس سے پہلے عامل سے اس قسم کی کوئی وصولیابی نہیں کی

---

103 خلاصۃ السیاق ب، الف ب۔ فرہنگ کاردانی ۔ نگارنامہ منشی صفحہ دستور العمل بیکس ب، الف ب

104 فرہنگ کاردانی الف ب۔ خلاصۃ السیاق کے بیان کے مطابق عامل کے پاس جو کتابیں رہتی تھیں ان کی کل تعداد بارہ تھی۔ ملاحظہ ہو خلاصۃ السیاق الف ب۔

105 خلاصۃ السیاق الف ب۔ سیاقنامہ صفحہ

جاتی تھی۔ شاہ جہاں کے عہد میں دیوانِ اعلیٰ کے پیشکار رائے رایان جسونت رائے نے پٹواریوں کا کاغذ خام[156] حاصل کیا اور اس کو فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ کروڑیوں نے بڑی رقومات خرد برد کر رکھی ہیں۔ اس وقت سے یہ ضابطہ نافذ ہوا کہ عامل کے اوپر سرکار کا واجب مطالبہ دکھانے والا کاغذ بہ عنوان طومار برآمد تیار کیا جائے جس کی بنیاد کاغذ خام پر ہو جو کہ پٹواری تیار کرتے تھے۔ مال وجہات سے علاوہ اور اوپر جو رقمیں کروڑی، فوطہ دار وصول کرتے ہیں ان کو واپس لیا جائے۔ ان قاعدوں کے نفاذ کے لیے دو افسر یعنی داروغہ[157] اور حسابدار تعینات کر دیے گئے۔ برآمد نویس کا عہدہ جو نیا قایم ہوا اس کا مطلب یہ تھا کہ پٹواریوں کے کاغذِ خام کا ترجمہ ہو اور طومار برآمد[158] تیار کیا جائے جس میں عامل کے اوپر واجب مطالبہ دکھایا ہوا ہوتا تھا۔

برآمد نویس

برآمد نویس کا نیا عہدہ محمد شاہ کے عہد تک بحال رہا۔[159] معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر پرگنے میں ایک برآمد نویس مقرر ہوتا تھا۔ وہ پٹواری کے کاغذات کا معائنہ کرتا تھا اور طومار برآمد تیار کرتا تھا جس میں عامل سے لی جانے والی رقم کا اندراج دکھایا جاتا تھا۔ طومار تیار کرنے میں اس کو چودھری، قانونگو اور زمیندار لوگ مدد دیتے تھے۔ ان کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ پٹواری کے کاغذات برآمد نویس کے سامنے پیش کریں اور پٹواری بھی برآمد نویس کی مدد کرتا تھا۔ طومار وزارتِ مال کو بھیجدیا جاتا تھا اور وزارت کے محاسب عامل سے لے جانے والی رقم کا حساب لگاتے تھے۔[160]

---

156. اصطلاح کے لفظی معنی ہیں اصلی کاغذات۔ اصطلاحی طور پر اس کا مطلب ان کاغذات سے ہے جو پٹواری کے پاس رہتے تھے۔ اس کے اندر دوسرے اندراجات کے ساتھ ساتھ مقامی زبان میں وہ تمام وصولیابی دکھائی ہوئی ہوتی تھی جو عامل نے وہاں پر کی ہے۔

157. عام اصطلاح ہر ایسے فرد کے لیے جو کسی محکمے کی نگرانی کرتا تھا اور اس کا ربط ضبط قائم رکھتا تھا۔

158. خلاصۃ السیاق 43 ب ، 44 الف

159. اس خیال کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ برآمد نویس کے امور و فرائض 'دستور العمل بیکس' میں دیے ہوئے ہیں ورق ۱۹

160. نگار نامہ منشی ۱۵۹ الف ب ۔ دستور العمل بیکس 15 الف ب ۔

امین

اکبر کے تحت امین کو صوبے کے اہم افسران میں مثلاً دیوان، بخشی اور صدر کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔[1] بعد میں امین کا ہر صوبے میں تقرر کیا جانا ایک مسلمہ عمل بن گیا۔[2] بہر حال بعض اوقات امین اور دیوان کے عہدے ایک ہی شخص کے قبضے میں رہتے تھے۔[3] صوبائی امین کے امور و فرائض کی تفصیلات کو 'آئین اکبری' میں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ البتہ آئینِ عمل گذار کے تحت ایک اتفاقی حوالے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو مراسلہ امین کی طرف سے آفاتِ آسمانی کی بنا پر فصلوں کے نقصانات کے سلسلے میں بھیجا جاتا تھا اس کی تصدیق کے لیے ایک امین جاتا تھا۔[4] 'اکبر نامہ' اور آئینِ اکبری میں واقع شہادت کی تائید خلاصۃ السیاق کی شہادت سے ہوتی ہے، جس کی تالیف اورنگزیب کے عہد میں ہوئی۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ اکبر کے عہد میں ہر صوبے میں ایک امین کا تقرر ہوتا تھا۔ اگر کسی محال میں آفاتِ آسمانی سے کوئی نقصان واقع ہوا تو عامل کے تقاضے پر امین محال کا معائنہ کرتا تھا۔ اس سے مشورہ کرکے اور اس کی رضامندی کے بعد امین ضروری تخفیف کر دیتا تھا تاکہ فصل کا جو نقصان آفتِ آسمانی کی وجہ سے ہوا ہے اس کا تدارک ہو جائے۔ یہ کام جو اس کے سپرد ہوا اس کی انجام دہی کے بعد وہ اپنے مرکز پر واپس لوٹ آتا تھا۔ یہ عمل ایک عرصہ تک جاری رہا مگر شاہ جہاں کے زمانے میں دیوانِ اعلیٰ اسلام خاں نے ہر محال میں ایک امین مقرر کیا جس کے سپرد جمع کے تخمینے کا کام تھا۔[5]

پرگنہ امین

پرگنہ امین کی حیثیت بادشاہ اور رعیت کے درمیان قانونی رابطے کی تھی۔ رعیت سے سرکاری

---

1. اکبر نامہ ج 3، صفحہ 266، 403، 401
2. ایضاً ج 3، صفحہ 166، 266، 403 خلاصۃ السیاق 26 ب، 27 الف
3. مرآۃ احمدی ج 1 صفحہ 291، 292، 336، 334
4. آئین اکبری ج 1، صفحہ 199
5. خلاصۃ السیاق 25 ب، 26 الف ب

مطالبات کی وصولیابی کرانا اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ رعیت کے ساتھ کسی طرح کی بے انصافی اور ظلم نہ ہو۔ اس کے فرائض میں اس بات کی نگرانی کرنا شامل تھا کہ پیداوار کا نصف حکومت کے لیے لیا جائے اور باقی نصف پورے طور سے رعیت کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ اس کی ابتدائی ذمہ داری یہ تھی کہ آراضی مزروعہ کے بارے میں اطلاعات جمع کرے اور قواعد و ضوابط کے مطابق تخمینہ لگائے۔ اس کو اس بات کی خصوصی ہدایات ہوتی تھیں کہ کہیں پر کوئی مزروعہ زمین چھپی ہوئی نہ رہے اور بے ایمان لوگوں کو بدعنوانی اور فریب کا موقعہ نہ ملے۔ وہ موازنہ دہ سالہ کی بنیاد پر گذشتہ دس سال کے تخمینے کی رقومات کا مقابلہ کرتا تھا۔ ہر ایک مزروعہ کھیت کا معائنہ کرتا تھا اور تخمینے کے لیے جو صورت معین ہوتی تھی اس مدعا میں جمع کا حساب تیار کرتا تھا[16]۔ جب پورے پرگنے کا تخمینہ تیار ہو جاتا تھا تو وہ طومار جمع بندی تیار کرتا تھا جس پر چودھریوں، قانونگویوں اور قاضی کے دستخط ثبت ہوتے تھے وہ کروڑی سے اس بات کا اقرار نامہ بھی حاصل کرتا تھا کہ کروڑی اس کو مقررہ جمع کی وصولیابی کا جواب دہ ہوگا[17]۔ امین ان کو ایک پٹہ جاری کرتا تھا اور ان سے قبولیت حاصل کرتا تھا۔ وہ تقریباً سولہ کتابچے تیار کرتا تھا جن میں پرگنے کی زراعت سے متعلق تمام صورت حال اور پوری اطلاعات درج ہوتی تھیں اور تخمینے کے کاغذات مع دیگر کاغذات کے جو اس کے دفتر میں تیار ہوتے تھے وزارت مال کو بھیجنا اس کی ذمہ داری میں داخل تھا۔ وہ خزانے کے انتظامات سے بھی وابستہ رہتا تھا اور دوسرے افسروں کے ساتھ خزانے اور نقدی کی حفاظت اس کی مشترکہ ذمہ داری تھی[18]۔ آخری بات یہ کہ اس کو کروڑیوں، چودھریوں، قانونگویوں اور زمینداروں پر اس بات کے لیے نظر رکھنی پڑتی تھی کہ وہ لوگ ایسے مواجہات جن کی شہنشاہ کی طرف سے ممانعت ہے ہرگز وصول نہ کریں[19]۔ اس طرح وہ پرگنے کے افسران کے اوپر نگرانی کا اختیار بھی رکھتا تھا۔

---

16. خلاصۃ السیاق 17ب، 18 الف۔ ہدایت القواعد 27ب، 28 الف۔ نگارنامہ منشی صفحہ 136
فرہنگ کاردانی 28 الف

17. فرہنگ کاردانی 29۔ ہدایت القواعد 27ب، 28 الف ب

18. خلاصۃ السیاق 17، 18۔

19. نگارنامہ منشی صفحہ 136۔

کارکن

پرگنہ کے انتظام مالگذاری میں ایک اہم عہدہ کارکن کا تھا۔ اکبر کے عہد میں وہ عامل کے نیچے ایک ماتحت افسر کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور مالگذاری کا تخمینہ، وصولیابی کے علاوہ پرگنے کے خزانے کی حفاظت اور رقم کے مناسب تصرفات کے کام میں شامل رہتا تھا۔ خالصہ کے عامل کے تحت دو بتکچی یعنی ایک کارکن اور دوسرا خاص نویس ہوتے تھے۔[120] اس کے امور و فرائض کے سلسلے میں ہم کو چند اتفاقی حوالے "آئین عمل گذار" اور "آئین خزانہ دار" میں ملتے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ کارکن درج کی کارروائی کو پٹواری سے علیحدہ آزاد طور پر انجام دیتا تھا۔ عامل دونوں کی روئیداد کا مقابلہ کرتا تھا اور کارکن نے ضبط کی جو روئیداد تیار کی ہے اس پر اپنی مہر لگاتا تھا۔ اس روئیداد کی ایک نقل کارکن کو دے دی جاتی تھی۔[121] وہ ضبط کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد موضع کے منتخب[122] پر اپنی مہر تصدیق ثبت کرتا تھا جو کہ ہر ہفتہ دربار کو ارسال کی جاتی تھی اور اس کو روزآنہ رسیدات پر مشتمل ایک کتابچہ تیار کرنا پڑتا تھا۔ اس قسم کا کتابچہ ساتھ ہی عامل اور خزانہ دار بھی اپنے پاس رکھتے تھے۔[123] آخری بات یہ کہ وہ بشمولیت دوسرے افسران کے خزانے میں جمع کی جانے والی رقم کی حفاظت میں بھی شامل رہتا تھا اور وزارتِ مال کے قواعد و ضوابط کے مطابق رقم کے بھگتان کا بھی ذمہ دار تھا۔ خزانہ دار کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ جو رقم اس کو وصول ہو ایسی مناسب جگہ رکھی جائے جو کارکن کے علم میں ہو اور کارکن کے حسابات سے اپنے کتابچے کا مقابلہ کرتا رہے۔ عام طور سے خزانہ دار کو بغیر دیوان کی پیشگی منظوری کے رقم کو تصرف میں لانے کا اختیار نہیں تھا۔ بہرحال ناگزیر صورتِ حال کے موقعہ پر کارکن اور شقدار بھگتان کی منظوری سے متعلق عبوری احکامات دے سکتے تھے جس کی باقاعدہ

120۔ نگار نامہ منشی صفحہ 136

121۔ ایضاً ج ۱ صفحہ 199

122۔ موضع کا خلاصہ جس کے ذریعہ ایک نظر میں موضع کے مختلف حصوں میں واقع کسی ایک فرد کے مملوکہ یا زیر کاشت کھیتوں کو دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ منتخب خسرہ کی تلخیص تھی جس میں موضع کی جمع اور زیر کاشت رقبہ درج ہوتا تھا۔

123۔ آئین اکبری ج ۱، صفحہ 199 ۔

اطلاع دربار کو دی جاتی تھی۔[124]

کارکن کی دہی حیثیت پرگنہ کی مالگذاری کے انتظام میں سترھویں صدی اور اٹھارویں صدی کے نصف اول میں بحال رہی۔ اس کی وابستگی مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کے علاوہ پرگنہ کے خزانے میں جمع شدہ رقم کے تحفظ اور مناسب بھگتان وغیرہ کے سلسلے میں ضروری تھی۔[125] وہ بعض کاغذات تیار کرتا تھا اور ان کو ہر فصل کے آخیر میں حکام بالا کے پاس ارسال کرتا تھا۔ مزید یہ کہ اس کو ہر ہفتہ وصولیابی کی کیفیت اور ہر پندرہ دن بعد آمدنی و خرچ کا گوشوارہ بھیجنا پڑتا تھا۔[126]

پرگنہ کا خزانہ

ہر پرگنے کا اپنا خزانہ ہوتا تھا۔ جس کا انتظام خزانہ دار کی سربراہی میں متعدد افسران کے سپرد ہوتا تھا۔ خزانہ دار کو فوطہ دار بھی کہتے تھے۔ اکبر کے عہد میں عامل، کارکن اور شقدار پرگنے کے خزانے کی حفاظت اور رقم کے مناسب بھگتان کے سلسلے میں مشترکہ طور سے ذمہ دار تھے۔ بعد میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ خزانے کے عملے میں داروغہ خزانہ اور شرف کے عہدوں کا اضافہ کیا گیا۔

خزانہ دار

اکبر کے عہد میں خزانہ دار یا خزانچی عام طور سے فوطہ دار کہلاتا تھا۔ اس کے امورِ منصبی میں مالگذاری کی وصولیابی، نقد رسیدات کو حفاظت سے رکھنا، حسابات تیار کرنا اور خزانے میں جمع شدہ نقد رقومات کا مناسب بھگتان شامل تھا۔ وہ ہر قسم کے سکہ جات از قسم سونا، چاندی، تانبا جو کاشتکار لاتے تھے، قبول کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اس کو تاکید کے ساتھ حکم تھا کہ کسی قسم کے سکے کا مطالبہ نہ کرے۔ وہ شہنشاہ کے مبارک سکے پر تخفیف کا مطالبہ نہیں کرسکتا تھا۔ بلکہ سکے میں کمی کی صورت میں فقط کم وزن کے بقدر وضع کرسکتا تھا۔ وہ نقدی کو ایک مناسب مقام پر کارکن اور شقدار کے علم میں لانے کے بعد رکھ دیتا تھا۔ اور روزآنہ شام کو اس کو گنتا تھا۔ وہ ایک یادداشت تیار

---

[124] آئین اکبری ج ۱، صفحہ 201

[125] دستور العمل بیکس ۱۱ ب، ۱۲ الف۔ نگارنامہ منشی ورق 104

[126] دستور العمل بیکس ۱۱ ب، ۱۲ الف

کرتا تھا اور اس پر عمل گذار کے دستخط کراتا تھا۔ رسیدات کے کتا نچے کو کارکن کے کتانچے سے ملاتا تھا اور اس پر تصدیق کے لیے اپنے دستخط کرتا تھا۔ جب عامل خزانے کے دروازے پر اپنی مہر لگا چکتا تھا تو خزانہ دار اپنا ایک قفل ڈال دیتا تھا جس کو فقط وہ عامل اور کارکن کو باقاعدہ مطلع کرنے کے بعد ہی کھول سکتا تھا۔ وہ کاشتکاروں سے نقدی وصول کرتا تھا اور اس کی رسیدات دیتا تھا۔ کسی قسم کی غلطی سے بچنے کے لیے خزانہ دار پٹواری کے تیار کیے ہوئے حسابات پر اس کے دستخط لے لیتا تھا۔ جہاں تک خزانے سے نقدی کے بھگتان کا تعلق ہے ضوابط یہ تھے کہ خزانہ دار کو کسی طرح سے کسی قسم کی رقم بھی بغیر دیوان کی پیشگی منظوری کے بھگتان کرنے کا اختیار نہیں تھا اگر کوئی ناگزیر صورتِ حال پیدا ہوئی اور خرچہ ٹالا نہیں جا سکتا تو کارکن اور شقدار کی تحریری اجازت سے نقدی کا بھگتان کیا جا سکتا تھا۔ بہرحال اس معاملے کی اطلاع اعلیٰ حکام کو باقاعدہ طور سے دینا ضروری تھی۔[127]

خزانہ دار کے امور و فرائض سترھویں اور اٹھارویں صدیوں میں وہی چلتے رہے۔[128] معلوم یہ ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں فوطہ دار بعض مواجبات کا مستحق تھا جن کو رسوم فوطہ داری کہا جاتا تھا۔ اس کو یہ اختیار تھا کہ وصولیابی کا 5/6 رسوم کے عنوان کے تحت اپنے تصرف میں رکھے اور باقی 1/6 کو اپنی امانت میں رکھے تاکہ جب اس کے حسابات کی جانچ ہو تو اس سے ضروری رقم وضع ہو جائے۔[129]

داروغۂ خزانہ

داروغۂ خزانہ کا حوالہ آئین میں نہیں ہے۔ لیکن بعد کی دستاویزوں میں داروغۂ خزانہ کے عہدے کا تذکرہ ملتا ہے۔ تقرری کے خطوط میں داروغہ کے امور و فرائض کو گنایا گیا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پرگنے کے خزانے کے محکمے میں ایک اہم حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا خاص کام پرگنہ کے خزانے کی کارکردگی میں ربط ضبط رکھنا اور نگرانی کرنا تھا۔ وہ اس بات کے لیے ذمہ دار تھا کہ

---

127 آئین اکبری ج ا، صفحہ 201۔

128 نگارنامہ منشی صفحہ 100، 103 ۔ دستور العمل بیکس 12 ب، 13 الف ب۔

129 دستور العمل بیکس 13 الف ب۔

پرگنے کے خزانے میں جو روزآنہ وصولیابی ہو اس کو حفاظت سے رکھے اور دوسرے یہ کہ کارکن، حساب دار اور فوطہ دار نے حسابات کی کتابوں میں جو رقومات درج کی ہیں ان کے مطابق نقدی کی تصدیق کرے۔ نقدی خزانچی کے کمرے میں اس کی اپنی مہر کے ساتھ مقفل رہتی تھی جس کو خزانے کے انتظامات سے وابستہ مختلف افسران کی مشترکہ رضامندی سے کھولا جاتا تھا۔ داروغہ خزانہ بشمولیت دیگر افسران کے نقدی کے بھگتان پر نظر رکھتا تھا اور اس بات کی نگرانی کرتا تھا کہ فوطہ دار کی طرف سے ایک کوڑی کی بدعنوانی بھی نہ ہونے پائے اور دیوان کی باقاعدہ منظوری کے بغیر کوئی رقم خرچ نہ ہو۔ وہ اس بات کا ذمہ دار تھا کہ سپاہیوں کی تنخواہ کی فی الفور ادائیگی کے سلسلے میں مناسب کارروائی کرے۔ آخری بات یہ کہ اس کو خزانے کے حسابات کی نقل رکھنی پڑتی تھی جس میں رسیدات اور خزانے میں جمع شدہ رقومات کی کیفیت ہوتی تھی۔[130]

فصل سوئم

قانون گو اور چودھری کے موروثی عہدے

مغل حکومت کا پرانا عمل جس کی رو سے جاگیروں کا تبادلہ کیا جاتا تھا، انتظام مالگذاری کے استحکام اور مقامی اطلاعات کی برقراری اور ان کے مطابق عملدرآمد سے میل نہیں کھاتا تھا۔ مالگذاری کے افسر کے لیے اپنے کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینا کسی صورت میں ممکن نہ تھا تاوقتیکہ اس کے پاس مکمل اطلاعات نہ ہوں جن سے وہ یہ سمجھ سکے کہ آراضی سے متعلق مختلف فریقین کے مفادات، مالگذاری سے متعلق رسم ورواج، تخمینے کی شرحیں اور طریقۂ کار وغیرہ کیا ہیں۔ نتیجے کے طور پر مقامی انتظام میں جو خلل واقع ہوتا تھا اس کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال جاگیرداروں اور مالگذاری کے حاکموں کے تبادلے کی وجہ سے جو خلا واقع ہوا تھا اس کو مقامی عہدے دار یعنی قانون گو اور چودھری پُر کرتے تھے۔ قانون گو آراضی کے اوپر مختلف نوعیت کے حقوق واختیارات کی پوری اطلاعات تحریری طور سے جمع رکھتے تھے۔ اس میں مقامی رسم ورواج، تخمینے کی شرحیں، طریقے اور مالگذاری کی وصولیابی کے ضمن میں زمیندار خاندانوں کا تذکرہ وغیرہ بھی درج ہوتا تھا۔ اسی قسم کی تحریری

---

[130] دستور العمل مجیکس 25 الف

اطلاعات چودھریوں کے پاس رہتی تھیں۔[131]

قانونگو

معلوم یہ ہوتا ہے کہ قانونگویوں کا تقرر کم از کم بعض صوبوں میں تین مختلف سطحوں پر ہوتا تھا۔ جن میں صوبہ[132]، سرکار[133] اور پرگنہ[134] شامل تھے۔ صوبائی قانونگو ان حسابات کی تصدیق کرتا تھا جو دیوان کی نگرانی میں تیار ہو کے وزارت مال کو ارسال کیے جاتے تھے۔[135] سرکار کا قانونگو مالگذاری کے متعدد کاغذات مثلاً موازنہ، دستور العمل[136] مواضعات کی فہرست اور دیگر تشریحات پرگنے کے قانونگو سے حاصل کرتا تھا اپنے دستخطوں سے ان کی تصدیق کرتا تھا اور ان کو وزارت مال میں بھیجدیتا تھا۔[137] سرکار کا قانونگو یہ اختیار بھی رکھتا تھا کہ پرگنے کے قانونگویوں کی کارکردگی اور رویہ کی نگرانی کرے۔[138]

قانونگویانِ پرگنہ

معلوم یہ ہوتا ہے کہ صوبہ اور سرکار کی سطح پر جو قانونگو تعینات تھے وہ اپنے ریکارڈ نہیں رکھتے تھے۔ غالباً ان کا کام صرف اتنا تھا کہ قانونگویانِ پرگنہ نے جو کاغذات تیار کیے ہیں انکو وصول کریں اور آگے چلتا کردیں۔ بہرحال پرگنہ کی سطح پر تعینات قانونگو اپنے جملہ کاغذات تیار کرتا تھا لہٰذا مقامی انتظام مالگذاری میں عمل دخل کے اعتبار سے وہ ایک اہم افسر کی حیثیت رکھتا تھا۔ عام طور سے ایک پرگنہ میں ایک قانونگو ہوتا تھا، لیکن بعض پرگنات میں ایک سے زیادہ قانونگو بھی تھے۔[139]

131۔ دستور العمل عالمگیری 8 الف

132۔ ریاض السلاطین صفحہ 350، 352

133۔ تزک جہانگیری صفحہ 76 دستور العمل بیکس 43 الف ب، 44 الف

134۔ آئین اکبری ج ۱، صفحہ 209۔ نگارنامہ منشی ورق ۱۰۴، ۱۰۵ دستور العمل بیکس ورق 43 ب، 44 الف

135۔ ریاض السلاطین 350، 351

136۔ مالگذاری سے متعلق ضوابط، شرح، طریقِ تخمینہ وغیرہ کے مقامی قوانین کا کتابچہ۔

137۔ دستور العمل بیکس 43 ب، 44 الف ب

138۔ دستور العمل بیکس 43 ب، 44 الف ب۔

139۔ مرآۃ احمدی ج ۱، صفحہ 263 نگارنامہ منشی ۱۰۴۔ تاریخ مالگذاری بنگال صفحہ 166، 167

امور

قانونگو کا سب سے اہم کام آراضی سے متعلق مختلف فریقین کے مفادات کے بارے میں مکمل اطلاع اور تخمینے کی شرحیں، طریقۂ کار، رسومات اور قواعد کے بارے میں ضروری کاغذات محفوظ رکھنا تھا۔ اس کے پاس کئی کتابچے ہوتے تھے جن میں پرگنے کی زراعت کا تمام احوال اور اس سلسلے کی ساری اطلاعات درج ہوتی تھیں۔ یہ کتابچے[140] تقسیم یا موازنۂ دہ سالہ، دستورالعمل یا نقدی کی شرحیں، مواضعات کی فہرست، جمع بندی کی رقومات، آراضیات آیمہ[141] کا حال، جس میں عطیے کی نوعیت واضح ہوتی تھی مثلاً عطیہ فرمان کے ذریعہ ہوا یا مقامی افسر نے حکم دیا، وغیرہ پر مشتمل ہوتی تھیں۔

قانونگو کے پاس حسابات کے کاغذوں کی نقلیں بھی رہتی تھیں جن میں مالگذاری کی وصولیابی جو زمینداروں یا اجارہ داروں کے ذریعہ عمل میں آئی ہے، مذکور ہوتی تھی[142] قانونگو کا دوسرا اہم کام یہ تھا کہ آراضی سے متعلق مفادات کا اندراج تیار کرے مثلاً اگر بیع یا رہن یا ہبہ کے ذریعہ کسی آراضی کا انتقال عمل میں آیا ہے تو اس کو لکھے[143] جب کسی زمینداری کا بیعنامہ کیا جاتا تھا تو قانونگو کو باقاعدہ اطلاع دی جاتی تھی اور بیعنامے میں خصوصیت سے اس کا ذکر کیا جاتا تھا کہ کارروائی پرگنہ قانونگو کے علم اور اطلاع سے عمل میں آئی ہے[144]

140ء اوپر کاغذات کی جو فہرست دی گئی ہے وہ ذیل کی اسناد پر مبنی ہے: آئین اکبری ج ۱، صفحہ 200 ضوابط عالمگیری 8 الف۔ نگارنامہ منشی 104، 105۔ دستورالعمل بیکس 43 ب، 44 الف ب۔ ہدایت القواعد 63 ب، 64 الف ب۔ مزید ملاحظہ ہو، تاریخ مالگذاری بنگال صفحہ 187۔

141ء آیمہ آراضیات: جو زمینیں مددِ معاش کے طور پر دی جاتی تھیں ان کو آیمہ آراضیات بھی کہتے تھے۔

142ء تاریخ مالگذاری بنگال صفحہ 165

143ء دستورالعمل مہدی علی خاں 66 الف۔ دستاویزات الہ آباد صفحہ 224، 225، 228، 229۔ تاریخ مالگذاری بنگال صفحہ 164، 165

144ء دستاویزات الہ آباد صفحہ 229۔ دستورالعمل مہدی علی خاں 6 الف

مزید یہ کہ قانونگو تخمینے کے کام سے وابستہ رہتا تھا جب وہ مطمئن ہو جاتا تھا کہ تخمینہ مناسب اور منصفانہ طور سے کیا گیا ہے تو وہ بشمولیت چودھری کے ڈول یا تخمینہ شدہ جمع پر تصدیق ثبت کرتا تھا کہ تخمینہ ان کے مشورے سے کیا گیا ہے۔ اور رعیت کے خلاف کسی قسم کی بے انصافی نہیں کی گئی۔

اجرت اور معاوضہ

اکبر کے ابتدائی عہد میں قانونگو حقدار تھا کہ پٹواری کی صد دوئی کے عنوان سے یعنی دو فیصدی معاوضہ جو پٹواری کو ملتا تھا اس کا نصف اپنے پاس رکھے باقی نصف پٹواری کو دیا جاتا تھا۔ بہرحال بعد میں اکبر نے اس عمل کو منسوخ کر دیا اور قانونگو کو ایک معینہ تنخواہ حکومت کی خدمات کے بالعوض ملنے لگی[145] ادائگی نقد کی صورت میں نہیں ہوتی تھی بلکہ تنخواہ کے مبادل آمدنی کی آراضیات ان کو دی جاتی تھی۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول سے متعلق بعد کی شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قانونگو کو آراضیات تفویض کرنے کا عمل ترک کر دیا گیا اور رعیت سے جو وصولیابی ہوتی تھی اس میں سے معاوضہ کی شکل میں انکو حصہ ملتا تھا۔ قانونگو رعیت کے حصے میں سے دو فیصدی بطور معاوضہ وصول کرنے کا حقدار تھا جس کو رسوم کہتے تھے۔[146]

چودھری

لفظی طور سے چودھری سے مراد وہ شخص ہے جو چار حصے یا منافع رکھتا ہو اور ساتھ ہی موضع کا سب سے بڑا آدمی ہو۔ اس کا مطلب ایسے مالک جائیداد سے بھی ہوتا تھا جو زمینداروں اور تعلقداروں کے طبقے میں محبوب ہو۔[147] چودھری پرگنہ کی سطح پر ایک اہم افسر تھا اور کئی اعتبار سے مالگذاری کے مقامی معاملات میں عمل دخل رکھتا تھا۔ چودھری کا عہدہ موروثی معلوم ہوتا ہے۔[148] عام طور سے پرگنہ چودھری کا عہدہ

145۔ آئین اکبری ج 1 صفحہ 209

146۔ دستورالعمل بیکس 43 ب، 44 الف ب۔

147۔ ولسن کا حاشیہ صفحہ 105 ۔ چودھریوں کو پٹیل بھی کہتے تھے اور دکن میں وہ دیش مکھ کہلاتا تھا۔ (معلومات الآفاق 174)

148۔ دستاویزات الہ آباد 299، 328 ۔ ان دستاویزات میں چودھری خاندانی نام معلوم ہوتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہدے کی نوعیت موروثی تھی۔ اس کے علاوہ چودھری کو نانکا آراضی کا عطیہ بھی اسی نتیجے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

ایک آدمی کے پاس رہتا تھا[149] مگر اس بات پر یکساں عمل نہیں تھا۔ ایسی شہادت بھی موجود ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک پرگنے میں متعدد چودھری ہوتے تھے[150]

امور

چودھری مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کے کام سے وابستہ رہتا تھا جب امین مواضعات کا سالانہ یا فصلی معائنہ کرنے کے لیے اور تخمینے کی غرض سے جاتا تھا تو چودھری بھی ساتھ رہتا تھا اور امین اس سے مشورہ کرتا تھا[151]۔ وہ جمع بندی کے کاغذات پر قانونگو کے ساتھ دستخط ثبت کرتا تھا اور تصدیق لکھتا تھا کہ پرگنے کی مالگذاری کا تخمینہ خود اس کے، قانونگو کے اور مقدموں کے مشورے سے کیا گیا ہے اور یہ کہ ان سب کے لیے قابل قبول ہے[152]۔ چودھری وصولیابی کے کام سے بھی وابستہ رہتا تھا اور پرگنہ کے قانونگو اور مقدموں سمیت یہ اقرارنامہ پیش کرتا تھا کہ پرگنے کی تخمینہ شدہ رقم کروڑی کے ذریعہ خزانے میں داخل کی جائے گی[153]۔

چودھری مالگذاری کے بعض کاغذات کی بھی تصدیق کرتا تھا مثلاً کرایہ نامہ اور طومارِ آفات یعنی وہ کاغذ جس میں فصلوں کی واردشدہ نقصانات کی تفصیل دکھائی جاتی تھی[154]۔ وہ پرگنہ میں واقع زراعت کی صورتحال سے متعلق مختلف مفادات کا اندراج بھی پاس رکھتا تھا۔ وہ بعض کاغذات کروڑی کو مہیا کرتا تھا مثلاً موازنۂ دہ سالہ، مواضعات کی فہرست، معافی عطیات اور دستورالعمل[155]۔

چودھری زراعت کی توسیع کے لیے پوری کوشش کرنے کا ذمہ دار تھا۔ مزید یہ کہ کبھی سرکاری افسران اس کے اختیارات کے مواضعات میں غیرقانونی اور باغی عناصر کی سرکوبی کے لیے تعینات ہوتے

149ء دستورالعمل بیکس 41 ب، 43 الف ب، 43 الف

150ء مرآۃ احمدی ج ۱ صفحہ 263 ۔ فرہنگ کاردانی 29 الف

151ء ہدایت القواعد 27 ب

152ء فرہنگ کاردانی 34 الف۔

153ء دستورالعمل عالمگیری 8 الف

154ء فرہنگ کاردانی 36 الف

155ء دستورالعمل عالمگیری 8 الف

تھے تو چودھری کو ان کے ساتھ تعاون کرنا پڑتا تھا۔[156]

معاوضہ اور حقوق

حکومت کی خدمات انجام دینے کے بالعوض چودھری کو معافی آراضیات کا معاوضہ ملتا تھا۔ جہانگیر نے پنجاب میں جن چودھریوں کو مقرر کیا ان میں سے ہر ایک کو معافی آراضیات عطا کیں۔ وہ اس عطیے کو مددِ معاش یعنی گزارے کا معاوضہ کہتا ہے۔[157] بعد کی دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کے معافی عطیات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بہر حال اس کو پھر مددِ معاش نہیں کہا گیا بلکہ نانکار کہنے لگے۔ نانکار آراضی جو چودھریوں کو عطا ہوتی تھی اس کے بعض جگہ حوالے موجود ہیں۔[158] نانکار آراضی حکومت کی طرف سے عطیہ ہوتی تھی۔ البتہ چودھری کو بعض اوقات رعیت کی طرف سے بھی کچھ ملتا تھا۔ وہ رعیت کی طرف سے ایک فیصدی کا متعینہ معاوضہ وصول کرنے کا حقدار تھا۔ البتہ یہ ہدایت ہوتی تھی کہ اس کے علاوہ نہ تو وہ کچھ مطالبہ کرے گا اور نہ توقع رکھے گا۔[159] جب تک ایک فیصدی کی رقوم کو جو رعیت سے وصول کی جاتی تھی نانکار آراضی کے ساتھ یکجا نہ سمجھا جائے اس وقت تک موجودہ شہادت کا مطلب یہ ہوگا کہ چودھری حکومت کا نمائندہ تھا اس کے ساتھ ہی زراعت پیشہ برادری کا نمائندہ بھی تھا اور یہ کہ وہ اپنی خدمات کے بالعوض دونوں سے معاوضہ وصول کرتا تھا۔

فصل چہارم
اجارہ یا مالگذاری کا ٹھیکہ

اٹھارویں صدی کے نصف اوّل کا نہایت نمایاں عمل یہ ہے کہ بہت بڑے پیمانے پر خصوصاً خالصہ آراضیات میں مالگذاری کا اجارہ یعنی ٹھیکہ چلنے لگا معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ جاگیرداروں کا ایک عام عمل تھا اور جب بھی وہ اپنی ضرورت کے پیش نظر مناسب سمجھتے تھے مہاجن یا ایسے شخص کو جو مقامی اثر رکھتا

---

[156] دستور العمل بیکس 63 ب، 64 الف

[157] توزک جہانگیری صفحہ 32

[158] دستور العمل بیکس 45 الف ب، 43 الف۔ فرہنگ کاروانی 29 ب، 30 الف۔

[159] دستور العمل بیکس 41 ب 42

جو اپنی جاگیریں اجارے پر دیتے تھے اور وہ کامیابی سے مالگذاری کی وصولیابی کرتا تھا لیکن عام طور سے مغل شہنشاہ خالصہ آراضیات میں اجارے کے عمل کو ناپسند کرتے تھے اور مجموعی طور سے یہ عمل بہت محدود تھا۔ بہرحال اس وقت جو شہادت موجود ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خالصہ آراضیات کا اجارہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں خصوصاً بہادر شاہ کی وفات کے بعد بہت زیادہ عام ہو گیا تھا۔ اور پھر جیسے جیسے صدی گذری یہ عمل مغل سلطنت کے نظام مالگذاری کا غالب نشان بنتا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض دیگر حالات بھی وجود میں آتے جو کہ سترھویں صدی کے اختتام سے رونما ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس عمل کے نتیجے میں درمیانی لوگوں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہوا جس نے مالگذاری کے فرائض اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ البتہ اس کی وجہ سے وہ موروثی درمیانی طبقے مثلاً زمیندار اور دوسرے لوگ جو آراضی کے اوپر کچھ نہ کچھ اختیار رکھتے تھے بہت بُری طرح متاثر ہوئے۔

انتظامی معاملات کی نوعیت

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں مالگذاری کا ایک حاشیہ تیار کیا گیا جس سے اجارہ کے عمل کی تعریف مفصل طور سے کی گئی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اجارہ ایک قسم کا اقرار نامہ تھا جس کی رو سے ایک یا ایک سے زیادہ محال کی مالگذاری ٹھیکے پر اٹھادی جاتی تھی۔ اجارہ دار اس بات کا پابند تھا کہ اقرار نامے میں جو رقم طے ہوئی ہے وہ ادا کرے گا البتہ وصولیابی کے سلسلے میں کمی یا بیشی کا کوئی حوالہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ طے شدہ رقم کو جس پر فریقین نے رضامندی ظاہر کی ہے قسطوں میں ادا کرتا تھا اور رقم مذکورہ میں کسی تخفیف کے مطالبے کا حقدار نہیں سمجھا۔ البتہ اگر اقرار نامے میں بعض شرائط موجود ہیں تو اس کو اس قسم کے مطالبے کا حق تھا[160]۔ اجارے کی ایک رسم رسد افزود کہلاتی تھی۔ ایسا اقرار نامہ اس گاؤں کے لیے کیا جاتا تھا جس کی جمع فطری آفات کی وجہ سے گھٹ گئی ہے۔ اور اس کا مطلب اجارہ دار کی طرف سے اس بات کا اقرار ہوتا تھا کہ وہ اصل میں پہلی مرتبہ جو رقم دکھائی گئی ہے اس سے کچھ کم کی ادائیگی اور وصولیابی کرے گا۔ اس میں سال بسال اضافہ ہوتا ہے گا یہاں تک کہ اصل جمع تک رقم پہنچ جائے[161]۔ اجارے کی دوسری قسم کو متعہدی کہتے تھے۔ اجارہ اور متعہدی میں خاص فرق

160۔ Add 6603، 48 ب۔

161۔ ایضاً 6603، 84 ب۔

یہ تھا کہ اول الذکر اقرار نامے کے اندر کوئی شرط سوائے اس کے نہیں ہوتی تھی کہ جو رقم فریقین کے درمیان طے ہوئی ہے وہ پوری ادا کی جائے گی۔ آخر الذکر عمل کا مطلب یہ تھا کہ پرگنہ کے زمینداروں سے تخمینے کے مطابق مالگذاری وصول کی جائے گی اور خزانے میں جمع کی جائے گی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جو متعہدی اقرار نامہ کرتا تھا وہ ایسی صورت میں کہ فصلوں کو فطری آفات سے نقصان پہنچا ہے مناسب رقم وضع کرنے کا مجاز تھا بشرطیکہ حکومت اس کی عرضداشت سے مطمئن ہو۔ البتہ دوسری طرف اس پر یہ ذمہ داری تھی کہ اگر پرگنہ کی مالگذاری میں کچھ اضافہ ہوا ہے تو وہ اس کی اطلاع حکومت کے افسران کو دے۔ آخر میں یہ کہنا چاہیے کہ اجارہ دار اور متعہد کے درمیان عین فرق یہ تھا کہ موخر الذکر سرکاری ملازم تصور ہوتا تھا۔[162]

لہذا اجارہ کا مطلب یہ تھا کہ حکومت یا جاگیردار کی طرف سے ایک معینہ مدت کے لیے مالگذاری وصول کرنے کا حق دیدیا گیا اور جاگیردار کو یا سرکاری حاکم کو قرارداد کی شرائط کے مطابق ایک معینہ رقم ملتی رہے گی۔ اجارہ دار مالگذاری وصول کرنے کے لیے ایک بچولیا ہوتا تھا۔ البتہ اسکو مالگذاری پر مالکانہ حقوق نہیں ہوتے تھے۔ یہی وہ فرق ہے جو اجارہ دار اور زمیندار میں ہوتا تھا۔ حالانکہ موخر الذکر بھی بچولیا تھا۔ مغل دور کے مالگذاری سے متعلق کاغذات میں یہ بات واضح نہیں کی گئی ہے کہ مالگذاری میں اجارہ دار کا حصہ کتنا ہوتا تھا یا اس کی زحمت و قباحت کا خمیازہ کس طرح پورا ہوتا تھا جو شہادت موجود ہے اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ واجب الادا رقم بالمقطع طور سے طے ہوجاتی تھی اور اس سارے معاملے کی نوعیت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ فریقین کے درمیان سودے بازی ہوتی تھی۔ ہمارے پاس یہ فرض کرنے کی گنجائش ہے کہ باہمی طور پر ایک ایسی رقم پر معاملہ طے ہوجاتا تھا جو کہ اجارہ دار کو اجارے میں دی ہوئی محال کی متوقع آمدنی سے کچھ کم تھی اس طرح اس کو کچھ چھوٹ دیدی جاتی تھی۔ ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایک اچھا اجارہ دار تھوڑی بہت زیر کاشت آراضی ایسی بھی ڈھونڈ نکالتا تھا اور اس پر تخمینہ لگا لیتا تھا جو کہ اس وقت نہیں دکھائی گئی جبکہ تخمینہ ہوا تھا گویا وہ جمع میں شامل نہیں ہے۔ وصولیابی میں اس کی ذاتی کوشش اور ہوشیاری سے تخمینہ شدہ جمع میں اضافہ ہوجاتا تھا اور اقرار نامے میں یہ بات صاف دی ہوئی تھی کہ اگر وصولیابی میں اضافہ ہوا تو حکومت اس پر اپنا حق نہیں جتائے گی۔ اجارہ دار کی آمدنی کا ذریعہ یہ تھا کہ وہ نئی آراضی جو زیر کاشت آئی ہے اس کو

---

[162] رسالۂ زراعت 13 ب - 18 الف

ڈھونڈے اور اس پر وصولیابی کرے دوسرے اس قسم کے عنوانات کے تحت واجبات وصول کرے۔ جیسے بالادستی[163] یہ اس آمدنی کے جائز ذرائع تھے۔ مزید یہ کہ اس کو پیمائش کی بنیاد پر زیر کاشت آراضی کا تخمینہ لگانے کا حق حاصل تھا اور وہ نئی جمع تیار کر سکتا تھا۔[164] اگر وہ واقعی یہ عمل اختیار کرتا تھا تو اس کی آمدنی اور منافع بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا لیکن اس قسم کے عمل کا مطلب یہ تھا کہ تخمینہ زمیندار اور کاشتکاروں پر بھاری پڑے گا، اور نتیجہ زراعت اور مزارعین کی تباہی کی صورت میں برآمد ہوگا۔ اس طرح معلوم یہ ہوتا ہے کہ اجارہ ایک درست اور مناسب معاملہ نہیں تھا۔ اس کا رجحان یہ تھا کہ اجارہ دار مالدار ہوجاتا تھا اور زمیندار و کاشتکار نقصان اٹھاتے تھے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ بھی تھا کہ سرکاری مالگذاری آہستہ آہستہ گھٹے گی۔ مندرجہ بالا سطروں میں جن نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ان کی تصدیق اس شہادت کی جانچ سے ہوتی ہے جو ہمارے پاس موجود ہے اور جس کا ذکر آگے شروع ہوتا ہے۔

اجارہ سلاطین دہلی کے تحت انتظام مالگذاری کا مشہور عمل تھا لیکن شیر شاہ اور جہانگیر کے عہد میں متروک ہوگیا تھا۔ جہانگیر کے عہد میں اس کو دوبارہ جاری کر دیا گیا۔[165] اور سترھویں صدی کے دوران بہت عام ہوگیا۔ ہم جانتے ہیں کہ شاہ جہاں کے دور میں بنگال کی بعض محالیں پرتگالیوں کے پاس اجارے پر تھیں۔[166] صادق خاں کے بیان سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں اجارے کا عمل بہت پھیلا ہوا تھا اور دراصل سلطنت کے خاصے بڑے حصے اس کی وجہ سے تباہ ہوئے۔[167] اس نتیجے کی تصدیق بالواسطہ طور سے ایک فرمان سے ہوتی ہے جو اورنگزیب کے آٹھویں سال جلوس کا رسک داس کروڑی کے نام جاری ہوا تھا اس کے اندر مالگذاری کے کاغذات تیار کرنے کے لیے متعدد ہدایات ہیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ مقامی حاکموں کو ہر موضع کے اندر اجارہ داروں اور کاشتکاروں کی تعداد

163ھ بالادستی سے جرمانہ مراد تھی (رسالۂ زراعت 13 ب)

164ھ رسالۂ زراعت 13 الف ب

165ھ نشان نمبر 3 (دفتر آثار جے پور صفحہ 121) جے۔ ژبویر۔ ترجمہ ہوسٹن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ نیو سیریز ج 22 سنہ 1927ء صفحہ 121

166ھ عمل صالح ج 1، صفحہ 495

167ھ صادق خاں 9 17 - 11 الف

معلوم کرنی چاہیے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر سلطنت کے ہر موضع میں نہ سہی تو ہر پرگنے میں ضرور اجارہ دار موجود تھے ۔ فرمان مذکورہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ کی تخت نشینی کے بعد یہ مجموعی حکمت عملی کا پہلا اعلان تھا ۔ فرمان میں جن حالات اور رسومات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ خصوصیت سے عالمگیر کے عہد سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ وہ گذشتہ عہد کی میراث تھیں ۔ لہذا دیوان کی شہادت نے جس وسیع عمل کی طرف اشارہ کیا وہ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی بلکہ شاہ جہاں کے دور سے یہ عمل چلا آرہا تھا ۔

اورنگزیب کے عہد کے بقیہ سالوں کے سلسلے میں اس مسئلے پر جو شہادت ہے وہ متضاد نوعیت کی ہے ۔ ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں کوشش جاری تھی کہ اگر یہ عمل متروک نہ ہو تو اس قدر محدود ہو جائے کہ انتظام مالگذاری کی کارکردگی اس کی وجہ سے بہت زیادہ متاثر نہ ہو ۔ دوسری طرف یہ اشارے بھی موجود ہیں کہ واضح احکامات کے باوجود یہ عمل جاری رہا ۔ پہلا حکمنامہ جو خالصہ اور جاگیر آراضیات میں اجارے کے عمل کو ممنوع قرار دیتا ہے ۔ 1676ء / 1087ھ میں جاری ہوا تھا ۔ یہ مرآۃ احمدی میں موجود ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آراضی کو چودھریوں اور مقدموں کو اجارے پر دیے جانے کی اطلاع شہنشاہ کو دی گئی ۔ اطلاع میں یہ بتایا گیا کہ اس کی وجہ سے رعیت کے ساتھ بہت زیادہ ظلم اور نا انصافی ہوتی ہے ۔ شہنشاہ نے اس عمل کو ناپسند کیا اور اس کو روکنے کے لیے احکامات جاری کر دیے ۔ دیوان صوبہ کے نام جو حکم بھیجا گیا اس میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ خالصہ اور جاگیر آراضیات پر اجارے کے حقوق حاصل کرنے کی اجازت کسی کو نہ دی جائے اور یہ کہ دیوان کو ان کے نام اس سلسلے میں احکامات صادر کر دینے چاہئیں تاکہ وہ ضروری کارروائی کرے ۔ دوسرا حکم جس کا عنوان تھا " اجارہ کی ممانعت کے بارے میں " نگار نامہ منشی میں موجود ہے اس پر تاریخ نہیں ہے اور نہ کوئی تاریخ متعین کی جا سکتی ہے ۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اورنگزیب کے عہد سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ خالصہ آراضیات کے امینوں اور کروڑیوں کو اپنے پرگنوں کے مواضعات جو ان کی سپردگی میں ہیں اپنے عزیزوں ، سرکاری ملازموں اور چودھریوں کو اجارے پر نہیں دینے چاہئیں بلکہ مواضعات کے مالکین کو چاہیے کہ خود اپنے معاملات کا انتظام کریں ، اور

168ه نگار نامہ منشی 129 ب ، 131 الف ب

169ه مرآۃ احمدی ج ۱ ، صفحہ 292

مالگذاری ادا کریں۔ بہرحال ضابطے میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ ویران موضع یا ایسا موضع جس میں بہت زیادہ غریب کاشتکار آباد ہوں، اجارے پر دیا جاسکتا ہے اور تخمینہ شدہ جمع اقرار نامے کی شرائط کے مطابق وصول کی جاسکتی ہے۔ البتہ ایسے موضع کو اجارے پر دینے کی اجازت کے ساتھ دو شرطیں وابستہ تھیں۔ پہلی یہ کہ مالک کی اجازت ہونی چاہیے دوسری یہ کہ اجارہ دار ایسا آدمی ہو جو نہ سرکاری ملازم ہو اور نہ چودھری ہو[170]

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مرآۃ احمدی میں جو حکمنامہ ہے اس کو آراضیات خالصہ و جاگیر دونوں پر نافذ کیا جانا تھا مگر نگار نامہ منشی کے حکمنامہ کا مطلب یہ تھا کہ خاص طور سے خالصہ آراضیات میں کارروائی کی جائے گی۔ مزید مرآۃ احمدی کا حکمنامہ کسی حالت میں بھی اجارے کی گنجائش برقرار نہیں چھوڑتا لیکن نگار نامہ منشی والے حکم میں محدود اجازت کی گنجائش موجود ہے کہ بعض شرطوں کے ساتھ خالصہ آراضیات کو اجارے پر دیا جاسکتا ہے۔ اس کی رو سے ایسے مواضعات کا اجارہ قابل اجازت ہے جن کی جمع بہت کافی گر گئی ہو۔ یہ بات کہ اس اجازت پر واقعی عمل ہوا، ایک دوسرے حکم سے ثابت ہوتا ہے جو کہ اورنگزیب کے عہد میں ایک عرضداشت کے جواب میں صادر ہوا۔ جس میں التجا کی گئی تھی کہ دو یا تین مواضعات پر اجارہ داری کے حقوق عطا کر دیے جائیں۔ اس حکم میں مقامی افسران کو ہدایت کی گئی ہے کہ ایسے مواضعات کو چھانٹیں جو ویران ہیں یا جن میں کاشت نہیں ہوتی ہے اور ان کو ایک متعینہ جمع کے بالعوض اجارے پر دے دیا جائے[171]۔ ظاہر یہ ہوا کہ اگرچہ وزارت مال کی عام روش یہ تھی کہ اجارہ کو روکا اور اس کی ممانعت کی جائے مگر بعض حالات میں مقامی حکام کی طرف سے اس عمل کی اجازت مل جاتی تھی۔ بہرحال وزارت مال اس صورت میں سختی سے روک تھام کرتی تھی جبکہ اجارہ دار سرکاری ملازمین یا چودھری یا مقدم ہوں۔ اس وقت یہ ضرور دیکھا جاتا تھا کہ آراضی اجارے پر نہ دی جائے۔

اجارے کی رسم کے سلسلے میں یہ وزارت مال کی حکمت عملی معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال سنہ 1676ء کے بعد شروع ہونے والے زمانے سے متعلق جو شہادت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجارہ داری کا عمل برابر جاری رہا۔ باوجودیکہ اس کے خلاف سنہ 1676ء میں جاری شدہ احکامات نافذ العمل تھے۔ فرہنگ کاروانی 1679 / 1090ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ اس میں ایک قسم کی قبولیت موجود ہے جو اجارہ دار کی طرف سے اجارے پر دیے ہوئے پرگنے کی تخمینہ شدہ جمع کے ادا کرنے کے سلسلے میں ہے۔ اس دستاویز میں جو اندراج ہے اس میں مزید یہ بتایا گیا ہے کہ امین اور کروڑی بعض مواضعات کے

170۔ نگار نامہ منشی صفحہ 189

171۔ ایضاً صفحہ 199

اجارہ داری کے حقوق دیدیا کرتے تھے[172] اس شہادت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سنہ 1770ء کے بعد والے برسوں میں اجارہ انتظام مالگذاری کی ایک تسلیم شدہ رسم بن چکا تھا۔ ہم نے پہلے تفصیل کے ساتھ اسکی جانچ کی ہے کہ اجارہ کے عمل کے خلاف ممانعت میں احکامات موجود تھے۔ یہ متضاد شہادت اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب ہم یہ فرض کرلیں کہ مرآۃ احمدی میں واقع حکمنامہ ایک خاص صورتحال سے متعلق ہے جس سے سنہ 1676ء میں گجرات دوچار تھا اور یہ کہ جو حکمنامہ نگار نامہ منشی میں ہے وہ اس عمل کی قانونی حیثیت زیادہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے' اس لیے کہ اس میں یہ شرطیں موجود ہیں کہ مخصوص حالات میں اجارہ ممکن ہے۔ فرہنگ کاردانی میں جو شہادت موجود ہے وہ ایسے واقعات کی نمایندگی کرتی ہے جن کے تحت آراضی کو اجارے پر دیا جاسکتا تھا اور ان ضوابط کے حدود بھی قائم رہتے تھے جو کہ نگار نامہ منشی میں درج حکمنامے کے اندر واضح کیے گئے تھے۔ اس سے قطع نظر کہ اجارہ داری کا عمل ضوابط سے مطابقت رکھتا تھا یا انحراف کرتا تھا واقعہ یہ ہے کہ سنہ 1676ء کے بعد بھی اجارہ داری مسلسل جاری رہی ایک اور ماخذ میں ہم نے پڑھا ہے (1699 / 1100ھ) کہ پرگنہ پلول میں واقع موضع حسام پور کسی شخص کے پاس اجارہ پر تھا۔[173] ہم دیکھتے ہیں کہ مہاراجہ جسونت سنگھ کی بیوہ رانی ہاڈی' پرگنہ جودھ پور کو عطیہ جاگیر کے طور پر لینے کی درخواست کرتی ہے اور اگر کسی وجہ سے اس کی عرضداشت قابل قبول نہ ہو تو وہ التجا کرتی ہے کہ پرگنہ مذکور اس کو حقوق اجارہ داری پر دیدیا جائے[174]

معلوم یہ ہوتا ہے کہ جہاندار شاہ کے عہد سے امور کی انجام دہی کے سلسلے میں قواعد و ضوابط کی شدت سے پابندی کا طریقہ ختم ہوچکا تھا[175]۔ بہرحال فرخ سیر کے دور میں پورا نظام درہم برہم ہوگیا اور اجارے کی مذموم رسم کی ان لوگوں نے حمایت اور حوصلہ افزائی شروع کی جن کے ہاتھ میں اقتدار تھا۔ شاکر خاں کا بیان ہے کہ صادق خاں نے کبھی آراضیات کو اجارے پر نہیں دیا۔ اس کی معزولی کے بعد رتن چند نے جو کہ عبداللہ خاں وزیر کا دیوان تھا دوبارہ اجارے کی رسم کو نافذ کردیا۔ اس سے لوگوں کی بڑی تعداد تباہ ہوگئی[176]۔ ہم نے کسی دوسری جگہ پڑھا ہے کہ فرخ سیر عبداللہ خاں کے خلاف گہری دشمنی رکھتا تھا۔ وزیر کے

172ھ فرہنگ کاردانی 35 الف۔

173ھ دارالعلوم 65 الف۔

174ھ وقائع صوبہ اجمیر صفحہ 95۔

175ھ عہد آخر کے مغل ج۔ ا صفحہ 335

176ھ تاریخ شاکر خانی' 58 الف

خلاف شکایت کی ایک وجہ یہ تھی کہ جب بھی کسی عامل کا تقرر کرتا تھا اس سے ایک اقرار نامہ حاصل کرتا تھا اور اس کے مہاجن سے رقم وصول کرتا تھا۔ فرخ سیر نے محسوس کیا کہ اگر ان حالات کے ساتھ تقرر عمل میں آئے تو یہ عمل ملک کو تباہ کردے گا۔ شہنشاہ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ چونکہ اس عمل کا نتیجہ ملک کی تباہی ہے لہذا اس کو متروک ہونا چاہیے اور عامل کو باقاعدہ سرکاری ملازم کی حیثیت سے مقرر کیا جائے جو وصولیابی کے لیے پوری طرح جوابدہ ہو۔ بہرحال عبداللہ خاں نے شہنشاہ سے اتفاق نہیں کیا۔ خافی خاں ہم کو بتاتا ہے کہ رتن چند نے وزارتِ مال کے معاملات میں اس حد تک مداخلت کی کہ دیوانِ تن اور دیوانِ خالصہ بہت ہی چھوٹی حیثیت کے آدمی بنکر رہ گئے۔ اور خالصہ پرگنات کو اجارے پر اس طرح دیا گیا جیسے کوئی چیز بیچی جاتی ہے۔ اس سے لاکھوں روپے رتن چند کی جیب میں آئے۔ یہ عمل سید عبداللہ خاں کے خلاف شہنشاہ کی شدید ناراضگی کا باعث ہوا۔[177]

اجارے کی مذموم رسم بغیر کسی کمی بیشی کے اٹھارویں صدی کے نصف تک جاری رہی۔ جب نظام الملک نے وزارت سنبھالی (1721ء) تو اس نے وزارت مال کی کارکردگی کو ذرا تفصیل کے ساتھ جانچا۔ اس نے ضروری اصلاحات نافذ کرنے کی غرض سے ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ اس کی ایک تجویز یہ تھی کہ خالصہ آراضیات میں اجارے کا عمل جس کی وجہ سے ملک تباہ ہوگیا ہے ختم کردیا جائے۔[178] اس کی مجوزہ اصلاحات کو شہنشاہ نے منظور کرلیا اور یہ امید ہوگئی کہ انتظام مالگذاری کی تنظیم بہتر اور مناسب طریقے سے ہوجائے گی لیکن یہ مجوزہ اصلاحات خود غرضوں کے مفادات کو شدت سے مجروح کرتی تھیں لہذا انہوں نے پلٹ کر اس شخص پر بھرپور چوٹ رسید کی جو بدعنوانی اور اقربا پروری کے خلاف اقدامات کرنے والا تھا۔ وہ شہنشاہ کو وزیر کے خلاف برگشتہ کرنے میں کامیاب ہوئے جس کو سنہ 1723ء میں دہلی چھوڑنا پڑی۔ اس معاملے کی انتظامی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وزیر اور شہنشاہ کے درمیان مصالحت اسی وقت ممکن قرار دی گئی جب موخر الذکر رضامندی کا اظہار کرے کہ اجارہ کی مذموم رسم میں مجوزہ اصلاح نافذ کی جائے گی۔[179]

177۔ منتخب اللباب ج 2، صفحہ 773۔

178۔ ایضاً ج 2، صفحہ 77

179۔ عہد آخر کے مغل ج 2 صفحہ 136 ۔

اصل انگریزی متن میں 180 - 184 کے نمبر سطروں کے اوپر نہیں لگے ہیں جو چھپنے کی غلطی ہے۔ لہذا حاشیہ جات 180 - 184 کا ترجمہ علیحدہ سب سے بعد میں منسلک ہے۔

کسی قدر شہادت یہ دکھانے کے لیے موجود ہے کہ خالصہ اور جاگیر آراضیات کے اجارے کا عمل محمد شاہ کے عہد کے بقیہ برسوں میں جاری رہا۔ کہیں اور ہم نے پڑھا ہے کہ علی محمد خان روہیلہ نے مہنویت پسند جاگیر داروں اور بے پروا وزیر سے متعدد محالوں پر اجارہ داری کے حقوق حاصل کر لیے تھے۔ دستور العمل بیکس میں واقع دو شہادتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محمد شاہ کے عہد میں خالصہ اور جاگیر آراضیات کی اجارہ داری کا دستور عام تھا۔ سوبھا سنگھ زمیندار کی عرضداشت اس کے تعلقے میں ثروتمند اجارہ داروں کے وجود کو ظاہر کرتی ہے۔ اس شہادت سے براہ راست ان شواہد کی تصدیق ہوتی ہے جو ہمارے زیر نظر ماخذ میں موجود ہیں۔ اور اس سے نظام اجارہ داری کی کارکردگی کا واقعی نقشہ سمجھ میں آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انتظام مالگذاری کے مقامی افسر اعلیٰ نے سوبھا سنگھ زمیندار کو مالگذاری کی عدم ادائیگی کا ملزم قرار دیا اور اس کے خلاف حکم عدولی اور عداوت و دشمنی کا مقدمہ قائم کیا تھا۔ مذکورہ عرضداشت میں زمیندار اپنے خلاف عائد شدہ الزامات کی تردید کرتا ہے اور اپنے تعلقے میں زراعت کی صورتحال بتاتے ہوئے اجارہ داری کی روش پر تنقید کرتا ہے۔ ساتھ ہی مالگذاری کے درست تخمینے کی بابت ٹھوس تجاویز بھی پیش کرتا ہے۔ وہ گذشتہ دنوں کا حوالہ دیتا ہے کہ جب انتظام بہتر تھا اور خوشحالی تھی اور کہتا ہے کہ پچھلے چار پانچ برسوں سے اس کے تعلقے میں مالدار اجارہ دار داخل ہو گئے ہیں جو ناتجربہ کار ہیں اور ملک کی خوشحالی کی بالکل پرواہ نہیں رکھتے۔ ان کا مفاد سب سے پہلے یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ مالگذاری اینٹھیں، چنانچہ وہ لوگ ملک اور رعیت کی تباہی کا سامان کر رہے تھے۔ عرضداشت سے واضح ہوتا ہے کہ ان اسباب کی بنا پر سوبھا سنگھ بھی دل میں ٹھان چکا تھا کہ اجارہ داروں سے مقابلہ کرے گا اور حد سے زیادہ مالگذاری کا مطالبہ کرے گا۔ اس نے اپنے وسائل کی آخری حد تک صورتحال کا سامنا کرنے کی کوشش کی، مگر مالگذاری کے مطالبے میں غیر مناسب اضافے کی بنا پر حد سے زیادہ مجبور ہو گیا۔ آخر کار اس نے ہمت ہار دی اور میدان سے ہٹ گیا تعلقہ تباہ ہو گیا اور کاشتکار علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مقامی افسر اعلیٰ کو دوبارہ مجبور ہو کر موروثی زمیندار سے شرائط طے کرنی پڑیں۔

ہمارے ماخذ میں جو شہادت ہے اس سے خاصی حد تک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عمل کس حد تک جاری تھا اور اس کے اثرات ملک کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی پر کیا پڑے۔ یہ بات صاف ہے کہ فرخ سیر کے عہد میں اجارہ داری کا عمل بہت زیادہ عام اور وسیع ہو گیا تھا اور یہی صورتحال اٹھارویں صدی کے وسط تک جاری رہی۔ اجارے کی غیر معمولی توسیع نے انتظام مالگذاری کو ناگوار طریقے سے متاثر کیا اور اس کے استحکام کو مزید ختم کر دیا۔ اس کی وجہ سے مہاجنوں اور دستہ یا زدوں کا ایک طبقہ وجود

میں آیا جو اجارے کی تجارت میں روپیہ لگا تا تھا۔ اس طرح بچولیوں کا ایک طبقہ پیدا ہوا جو موروثی زمینداروں سے علیحدہ تھا۔ یہ بچولیے اوپر سے عاید کیے گئے تھے۔ اس طبقے نے مقابلے کے ایسے حالات پیدا کیے کہ مالگذاری کا مطالبہ اصل جمع سے اوپر پہنچ گیا معاملہ اس شخص سے ہوتا تھا جس کی سب سے اونچی بولی ہو۔ مالگذاری کے کاروبار میں اس عمل سے جمع رقومات کا بڑھنا یقینی تھا۔ ایسے حالات میں موروثی زمینداروں کی بڑی مشکل پیش آئی۔ وہ مجبور تھے کہ یا تو اجارہ داروں سے بڑھ کر بولی لگائیں یا مقابلے سے کنارہ کش ہو جائیں۔ دونوں صورتوں میں تباہی ان کا منہ تک رہی تھی۔ اگر زمیندار حد سے زیادہ مطالبہ پر رضامند ہو جاتے تو اس کے لیے کچھ نہیں بچتا تھا تاوقتیکہ وہ اس بوجھ کو کاشتکاروں پر منتقل کر کے ان کے ساتھ ظلم زیادتی نہ کرے مگر اس طریقے کا نتیجہ معلوم تھا کہ کاشتکار تباہ ہوں گے اور موضع ویران ہو جائے گا۔ اگر مقابلے سے ہٹ جائیں تو گویا گذر بسر کا وسیلہ ہاتھ سے گیا۔ چنانچہ اجارے کے وسیع دستور کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ قدیم موروثی زمینداروں کی بہت بڑی تعداد تباہ ہوگئی۔ زراعت کے یہ حالات تھے جب زمینداروں کا ایک نیا طبقہ رونما ہوا جس نے قدیم موروثی زمینداروں کی جگہ لے لی۔ بہت سے زمیندار جنہوں نے اجارہ داروں کے مقابلے میں سپر ڈالی تھی، مالی مشکلات سے تنگ آ کر اپنے زمینداری حقوق ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے، جو انہیں خریدنے کی استطاعت رکھتے تھے۔ فطری امر تھا کہ پڑوس کے زیادہ مالدار زمینداروں اور شہر کے مہاجنوں نے فائدہ اٹھایا۔ اور زمینداریوں کی اس خرید فروخت سے دیہاتی ہندوستان کے اقتصادی اور اجتماعی رنگ و روپ پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ پڑوس کے مالدار اور مضبوط زمینداروں نے اپنی ریاستیں اور تعلقے بنانا شروع کیے اور شہر کے مہاجن غیر موجود زمینداروں کی حیثیت سے رونما ہوئے۔ اس طرح دیہاتی ہندوستان کا اجتماعی اور اقتصادی استحکام بری طرح درہم برہم ہو گیا جس میں دوبارہ درستی اور اصلاح اس وقت ہوئی جب انگریزوں نے اٹھارویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے پہلے چوتھائی عرصے میں ملک کا انتظام اپنے قبضے میں لے لیا۔

کاشتکاروں پر اجارہ داری نظام کے اثرات اور زیادہ خراب ہوئے۔ معاملہ خواہ اجارہ دار سے ہو یا زمیندار سے، جو حالات مصنوعی مقابلے نے پیدا کر دیے تھے۔ ان کی بنا پر ہر صورت میں مالگذاری بڑھ رہی تھی اور بالآخر بوجھ کاشتکار طبقے پر پڑ رہا تھا۔ ہم ملاحظہ کر چکے ہیں ہمارے مآخذ کے راوی تھی سے اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ سوائے مہاجنوں کے ملک کے سب لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ تاریخ میں واقع شہادت جن کی تالیف مرکزی یا صوبائی صدر مقامات پر ہوئی براہ راست سو بھاسنگھ کے ذریعہ

پایۂ تصدیق کو پہنچتی ہے جو کہ اس تباہی کا شاہد عینی تھا جس کا مواضعات اور کاشتکاروں کو لالچی اجارہ داروں کے ہاتھوں شکار ہونا پڑا۔ اس طرح ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کاشتکار طبقے کی مفلسی اور تباہی کا باعث مالگذاری کا مطالبہ نہیں تھا بلکہ اجارہ داری کا عمل تھا جس نے اجارہ داروں اور موروثی زمینداروں کے درمیان مقابلے کے مصنوعی حالات پیدا کر دیے تھے اور بالآخر جس کی وجہ سے مالگذاری کا مطالبہ ایک ایسی حد پر جا کر رکا جو کاشتکاروں کی ادائیگی کی صلاحیت سے بہت آگے تھی۔

اب یہ معلوم کرنا رہ گیا کہ اجارہ داری کے اثرات انتظام مالگذاری اور حکومت کے خزانے پر کیا ہوتے؟ اجارہ داری کے وسیع عمل نے ان سرکاری افسران کے لیے جو مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کی غرض سے باقاعدہ مقرر تھے مشکل سے کوئی گنجائش باقی چھوڑی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ جو انتظام مالگذاری کے کام میں خصوصی مہارت رکھتے تھے ان کا پورا طبقہ روزگار سے محروم ہو گیا۔ ساتھ ہی اس کا اثر یہ ہوا کہ پرگنہ کی سطح پر مغل شہنشاہوں نے نہایت محنت اور توجہ سے جو عملہ قائم کیا تھا، اور جس کی تشکیل اکبر کے عہد سے ہونی شروع ہوئی تھی' وہ بالکل درہم برہم ہو گیا۔ اجارے کے عمل سے شاہی خزانے کی آمدنی کو بھی نقصان ہوا۔ کاشت پیشہ طبقے کا شدت سے استحصال اور زراعتی حالات کا عدم استحکام کاشتکار کی تباہی اور مواضعات کی ویرانی کا باعث ہوا۔ مظلوم کاشتکاروں نے پاس پڑوس کی زمینداریوں میں پناہ لینا شروع کی، جن پر طاقتور زمینداروں کا قبضہ تھا اور جو حکومت کے احکامات کی کھلم کھلا حکم عدولی کرتے تھے اور مالگذاری کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے تھے یا فقط اس وقت ادا کرتے تھے جب کوئی طاقتور امیر ان کے خلاف فوجی کارروائی کرتا تھا۔ لہٰذا اگرچہ سب سے اونچی بولی پر مالگذاری کا معاملہ طے کرنے سے شاہی خزانے کو کچھ برسوں تک زیادہ دولت حاصل ہو جاتی تھی مگر آخر کار ان علاقوں سے جو سٹہ باز اجارہ داروں کو دیدیے جاتے تھے مالگذاری سے قطعی طور پر ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ اس حقیقت کو معاصر مورخ اور حکام نے تسلیم کیا ہے۔ حتیٰ کہ کٹھ پتلی شہنشاہ فرخ سیر نے بھی اس مذموم عمل کے خلاف شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کو روکنے کی ہر چند کوشش کی، مگر خود غرض مفاد پرستوں نے جن کا سرغنہ رتن چند تھا اس کی مخالفت کو خاموش کر دیا۔ بعد میں نظام الملک نے اس عمل کے خاتمے کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور کہا کہ اس کے بغیر انتظام مالگذاری کی کوئی قابل عمل تنظیم کی ہی نہیں جا سکتی۔ بہر حال اس کے مجموعی اصلاحات کے منصوبے نے جس میں خاتمہ اجارہ داری بھی شامل تھا، خود غرضوں کے مفاد پر شدت سے ضرب لگائی۔ انہوں نے بھرپور طاقت کے ساتھ جوابی حملہ کیا اور اس کو اپنا عہدہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ فرخ سیر جیسے شہنشاہ کی طرف سے اجارہ داری کے خاتمے کا مطالبہ ایک ضعیف ذہن کی ترنگ اور تلون مزاجی تھی جو انتظام مالگذاری کے صحیح حقائق سے بالکل ناواقف تھا۔ اسی طرح نظام الملک نے جب جامع اصلاحات کا منصوبہ تیار کیا تو وہ گویا خواب دیکھ رہا تھا۔ انتظام مالگذاری کے حالات ایسے ہو چکے تھے کہ کسی طرح بھی قابل عمل اصلاحات نافذ نہیں کی جا سکتی تھیں اس مفروضے کا جواز اس بنیاد پر ممکن ہے کہ خالصہ آراضیات میں کافی کمی آ چکی تھی، اور یہ کمی اسی تناسب سے شاہی خزانے میں تخفیف کا باعث تھی۔ خالصہ آراضیات سب سے اونچی بولی لگانے والے کو اجارے پر دیکر شاہی خزانے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کی جا سکتی تھی جس کا مالی استحکام اخراجات کو پورا کرنے کے لیے بالکل برائے نام تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک مصلحت پر مبنی کارروائی تھی تاکہ انتظام مالگذاری میں واقع شدہ خلاف اعتدال حالات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ بہرحال اس مفروضے کی حمایت موجودہ شہادت کے معائنے سے بالکل نہیں ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مصلحت آمیز کارروائی سے حکومت کا مالی استحکام مسلسل گرتا رہا۔ اس لیے کہ آمدنی میں روز بروز کمی آتی رہی اور انتہائی بڑے پیمانے پر زراعت اور کاشتکار تباہ ہوتے رہے۔ لہٰذا اجارے کے عمل کو کامیاب اقدام اور دانشمندانہ مصلحت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

درحقیقت یہ مذموم عمل مہاجنوں اور سٹہ بازوں کے لالچ اور خود غرضی سے شروع ہوا اور بڑھا تھا جو کہ اپنے گھٹیا مقاصد کی خاطر عوام اور حکومت دونوں کا استحصال کرنا اور ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے بے ایمان رتن چند کے ساتھ ملکر سازش کی اور خطیر رقم خرچ کر کے اسکی حمایت کو خریدا۔ یہ رقم رتن چند اور اس کے لالچی اور نااہل مالکوں کی جیب میں گئی۔ اس طرح طبقہ 'مہاجن' وزیر اور اس کے دیوان رتن چند کے مفادات کی خاطر بہت بڑے پیمانے پر مالگذاری کی اجارہ داری مروج ہوگئی۔ دراصل اس عمل کو نافذ کرنے کے لیے نہ تو کوئی انتظامی اور مالی جواز تھا' اور نہ نظام مالگذاری میں ایسے جواز پیدا ہوتے تھے جن کی بنا پر یہ اقدام ناگزیر ہو۔ اس کو ایک ایسے طبقے کی لوٹ' دراز دستی اور غاصبانہ کارروائی کہنا مناسب ہوگا جس کی ملکی سرزمین سے کوئی ہمدردی نہ تھی' نہ اس کا کوئی مفاد وابستہ تھا۔ نہ وہ ملک کے انتظامی امور میں کسی قسم کی امداد و اعانت کی اہلیت رکھتا تھا۔ لہٰذا واضح ہوگیا کہ مالگذاری کا اجارہ اور اجارہ داروں کا طبقہ دونوں نہایت ناپسندیدہ عناصر تھے جو ملک کے دیہاتی اقتصاد پر ایک ایسے شخص کی طرف سے مسلط کر دیے گئے تھے جو خود تقدیر کی ستم ظریفی سے برسر اقتدار تھا۔ اگر ان حالات کا بغور تجزیہ کیا جائے جو اس دور کے انتظام مالگذاری کی نوعیت

متعین کرنے کے ذمہ دار تھے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ عمل کا خاتمہ وقت کا سب سے ضروری تقاضا تھا۔ مجوزہ اصلاح کا نتیجہ اگر ناکامی کی صورت میں برآمد ہونا تھا تب بھی اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہیے تھا۔ اس سے انتظام مالگذاری کے انتشار کا عمل تیز ہونے کے بجائے تھوڑا بہت رکتا اور کم ہوتا جو دراصل اجارہ داری کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا۔ اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ اجارہ داری کے عمل نے ان کو تباہ کیا جن کا مفاد آراضی سے وابستہ تھا اور شاہی خزانے میں بتدریج مالگذاری کا نقصان ہوا۔ جن لوگوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ دراصل شہنشاہ، مملکت، اور عوام کے غدار تھے۔

---

180 سیر المتاخرین ج 3 صفحہ 854

181 دستور العمل بیکس ج 2 صفحہ 68 ، 69 ۔

182 ایضاً 51 ، 52

183 الہ آباد کے ریاستی دفتر آثار میں ایک بڑی تعداد میں بیعنامے محفوظ ہیں۔ ان بیعناموں کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں بہت بڑے پیمانے پر زمینداریاں فروخت ہورہی تھیں۔ بنگال کے بڑے زمینداروں کی طرح جنوبی صوبوں میں تعلقداروں کا اصل قبضہ حال کی تاریخ کا معاملہ معلوم ہوتا ہے بلکہ سرکاری اجارہ داروں کی حیثیت سے ان کی اصلیت کے آغاز کا سراغ بہت زیادہ آسان ہے (انتخاب ریونیو ریکارڈ صفحہ 69)

184 خافی خان کے ذریعہ ہم کو پتہ چلتا ہے کہ ملک کے لوگ جن میں ہر طبقے کے عوام شامل تھے سید برادران اور رتن چند سے متنفر تھے۔ یہ لوگ فقط بارھہ کے سیدوں اور بقالوں یعنی مہاجنوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ منتخب اللباب، ج ۲، صفحہ 902

باب پنجم

مالگذاری کی تقسیم

مالگذاری تین جگہ بٹ جاتی تھی اور سرکار کے علاوہ جاگیرداروں اور مدد معاش پانے والوں کے تصرف میں آتی تھی۔ یعنی سرکار، جاگیردار اور مدد معاش پانے والوں تینوں کا مالگذاری میں حصہ تھا۔ متعدد محالیں خالصہ کی حیثیت سے نامزد کردی جاتی تھیں۔ ان محالوں کی مالگذاری دیوان کی طرف سے تعینات کیے گئے کروڑی یا عامل وصول کرتے تھے اور وہ سرکاری خزانوں میں داخل کی جاتی تھی۔ البتہ اکثر و بیشتر محالوں کی مالگذاری منصبداروں کو ان کی تنخواہ کے عوض تفویض ہوتی تھی[1] جس کی وصولیابی وہ لوگ اپنے عاملوں کے ذریعے کرتے تھے۔ تمام صوبوں میں مالگذاری کا تھوڑا سا حصہ حاجتمند، پرہیزگار اور اہلِ علم شیوخ اور سادات کو عطا ہوتا تھا۔ کسی پرگنے میں متعدد مواضعات[2] یا کسی موضع میں چند بیگھے[3] آراضیات آئمہ یا مدد معاش کے طور پر نامزد کردیے جاتے تھے اور ان مواضعات کی مالگذاری پر عطیہ پانے والوں کا حق ہوتا تھا۔ زراعت پیشہ برادری پر جو مختلف قسم کے محصول عاید تھے ان سے یہ لوگ مستثنیٰ ہوتے تھے۔ جو مواضعات یا بیگھے اس طرح دیے جاتے تھے ان کو جمع میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں کہا جائے کہ آئمہ یا مدد معاش کی مد میں جو مواضعات یا بیگھے نامزد ہوگئے ان پر تخمینہ نہیں لگایا گیا اور وہ خالصہ یا جاگیر آراضیات کا حصہ نہیں رہے۔

اس انداز سے مالگذاری کی تقسیم کے نتیجے میں بہت سارے انتظامی مسائل رونما ہوئے۔ ساتھ ہی اس سے دو ممتاز ادارے وجود میں آئے۔ یعنی نظامِ جاگیرداری اور عطیاتِ معاش کا ادارہ۔ جاگیرداری میں جو حالات

---

[1] منصبدار: عہدہ یا منصب رکھنے والا شاہی ملازم جو متعین اور مشروط تعداد میں فوجی سوار رکھنے کے لیے ذمہ دار تھا۔

[2] سیاقنامہ صفحہ 37-39

[3] دستاویزات الہ آباد مد 156، 157، 162۔

در پیش آتے ہے ان سے انتظام مالگذاری کی کارکردگی پر بہت کافی اثر پڑا اور مدد معاش آراضیات کے اداروں نے دیہاتی ہندوستان کی اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر نہایت گہرے نقوش قایم کیے۔ ان اسباب کی بنا پر مالگذاری کی تین عنوانات کے تحت تقسیم اور اس کے نتایج کو غور سے دیکھنا چاہیے۔

فصل اوّل

آراضیات خالصہ:۔

شہنشاہی قلمرو کا بیشتر حصہ ان محالوں اور پرگنوں پر مشتمل تھا جو سرکاری خدمات کے سلسلے میں دی جانے والی تنخواہوں کے بالعوض منصبداروں کی سپردگی میں تھے۔ تقریباً تمام صوبوں میں باقی ماندہ محالیں اور پرگنے خالصہ یا خالصہ شریفہ کہلاتے تھے اور ان کی آمدنی شاہی خزانوں میں داخل کردی جاتی تھی معلوم یہ ہوتا ہے کہ شہنشاہ کے ذاتی صرفے سے متعلق ذرائع آمدنی، اور ان ذرائع آمدنی میں جن پر خزانۂ شاہی مجاز تھا ایک امتیاز برتا جاتا تھا۔ وہ پرگنے اور محالیں جو شہنشاہ کے ذاتی اخراجات کے لیے مخصوص تھیں ان کو صرف خاص کہا جاتا تھا۔ ایسے پرگنے علیحدہ افسران کے تحت ہوتے تھے اور ان کی آمدنی علیحدہ خزانے میں داخل کی جاتی تھی[۵] کسی محال یا پرگنے کی خالصہ آراضیات کی آمدنی مقامی خزانے میں داخل کی جاتی تھی اور مقامی انتظام کے اخراجات وضع کرنے کے بعد بقایا رقم کو صوبائی صدر مقام پر واقع شاہی خزانے میں بھیجدیا جاتا تھا[۶] وزارت مال کے احکامات کے مطابق اس کو صرف کردیا جاتا تھا۔ اتفاقیہ حوالے اس بات کی تائید میں موجود ہیں کہ جو علاقے بطور خالصہ نامزد ہوتے تھے ان میں کاشت خوب اچھی ہوتی تھی اور تخمینہ شدہ رقم کی وصولیابی اطمینان بخش طریقے سے کی جاتی تھی[۷]

حدود

مغلوں کے تحت خالصہ آراضیات رقبہ موقعہ بموقعہ اور عہد بعہد گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ خالصہ آراضیات میں کمی یا بیشی جاگیرداری نظام کے حالات سے متاثر ہوتی تھی یا پھر یہ معاملہ شہنشاہ کے کردار، انتظامی امور میں اس

۵؎ مرآۃ الانشار 15 الف

۶؎ نگارنامۂ منشی صفحہ ۱۹۰

۷؎ وقائع اجمیر صفحہ 65

کی عدم توجہی اور صورتحال کے تقاضے پر منحصر تھا۔ ہمارے اسناد میں اکبر کے تحت خالصہ آراضیات کی رقومات جمع کا تذکرہ نہیں ہے۔ مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ پندرھویں سال جلوس کے بعد خالصہ آراضیات کا انتظام اچھی طرح درست ہوگیا تھا۔ اور وہ پرگنے اور محالیں جو خالصہ کہلاتے تھے، شاہی خزانے کو ایک معقول آمدنی مہیا کرتے تھے[7] معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر نے انتظام مالگذاری کی طرف سے غفلت برتی اور اس کے دور کے افسران بددیانت اور دھوکے باز تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت کو نقصان ہوا۔ خالصہ آراضیات کی آمدنی گر کر پچاس لاکھ روپیہ رہ گئی اور اکبر کے دور میں جمع کی ہوئی محفوظات میں سے بڑی بڑی رقمیں نکالی گئیں۔ شاہ جہاں نے تخت نشینی کے بعد خالصہ انتظامات کے معاملات پر توجہ دی اور ایک سو پچاس لاکھ کی جمع پر مشتمل محالیں بطور خالصہ نامزد کردی گئیں[8]۔ آہستہ آہستہ خالصہ آراضیات کی آمدنی میں اضافہ شروع ہوا اور بیسویں سالِ جلوس کے اخیر میں 880 کروڑ دام جمع کی میزانِ کل میں سے 120 کروڑ دام یا تین کروڑ روپیہ بطور خالصہ نامزد تھا[9]۔ شاہ جہاں کے دورِ حکومت کے اختتام پر خالصہ جمع تقریباً چار کروڑ روپیہ پر قائم تھی[10]۔ اورنگزیب کے تیرھویں سالِ جلوس میں خالصہ آراضیات کی جمع چار کروڑ روپیہ متعین تھی[11]۔ اس طرح شاہجہاں کے عہد میں خالصہ آراضیات کے حدود خاصے بڑھے اور اورنگزیب کے تحت کم و بیش وہی رہے[12]۔

---

7. اکبرنامہ ج 2 صفحہ 333۔ نتیجہ ہٰذا کی تائید بھرپور طریقے سے مآثر الامراء کی شہادت سے ہوتی ہے۔ مآثر الامراء کا ایک اقتباس مغل سلطنت کی اقتصادی تاریخ کا خاکہ پیش کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اکبر کے عہد میں سلطنت کے جلد وسعت پانے کی بنیاد پر ایک طرف خرچہ بڑھا دوسری طرف آمدنی بھی بڑھی اور بہت کافی محفوظ سرمایہ اکٹھا ہوگیا۔ مآثر الامراء ج 2 صفحہ 814

8. مآثر الامراء ج 2 صفحہ 148۔ بادشاہ نامہ میں ایک ضمنی حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ چوتھے سالِ جلوس میں خالصہ آراضیات کی جمع اسّی کروڑ دام یا دو کروڑ روپیہ تک بڑھ گئی تھی۔ اس زمانے میں خالصہ آراضیات شاہی قلمرو کی 1/11 حصے پر مشتمل تھیں۔

9. بادشاہ نامہ ج 2 صفحہ 711، 722، مآثر الامراء ج 2 صفحہ 815۔

10. مآثر الامراء ج 2 صفحہ 814، 815

11. ایضاً صفحہ 813

12. غیر متعینہ برسوں کے لیے ہر ایک شہنشاہ کے عہد کی جمع کی رقومات ضوابط عالمگیری میں دی ہوئی ہیں (81 الف۔ب)

شاہ جہاں (الف) 245 , 70 , 46 , 34 , 1 دام

(ب) 247 , 60 , 76 , 25 , 1 دام

اورنگزیب (ب) 365 , 61 , 30 , 31 , 1 دام

(ب) 650 , 64 , 54 , 24 , 1 دام

اورنگزیب کی وفات کے بعد معاملہ الٹا ہوگیا اور خالصہ آراضیات کا رقبہ گھٹنا شروع ہوا یہ کمی بلا روک ٹوک جاری رہی اور محمد شاہ کی تخت نشینی کے وقت تک خالصہ محالوں کا بیشتر حصہ امراء کو تفویض کیا جا چکا تھا جب وزیر کی حیثیت سے نظام الملک کا تقرر ہوا اور اس نے مالگذاری کے دفاتر کا معائنہ کیا تو یہ صورتحال دیکھ کر اس کو پریشانی ہوئی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ منصبداروں کے عہدوں میں غیر معمولی اضافہ عمل میں آیا ہے اور ایسے لوگوں کو منصب عطا ہوئے ہیں جو چند سو کے معمولی عہدوں کی اہلیت بھی مشکل سے رکھتے تھے[13]۔ یہ دونوں باتیں جن پر نظام الملک کی نظر گئی درحقیقت ایک دوسرے سے جدا نہیں تھیں اور انہی کے ذریعہ وہ خلافِ معمول صورتحال واضح ہوتی ہے جو انتظامِ مالگذاری میں رونما ہوئی تھی۔ بہادر شاہ اور فرخ سیر کے ادوار سے متعلق ہمارے پیشِ نظر اسناد سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس فیاضی کے ساتھ منصب بانٹے گئے اور نئے طبقوں نے کیسے زور شور سے جاگیروں اور منصبوں کا مطالبہ شروع کیا۔ اورنگزیب کے عہد کی آخری دو دہائیوں میں دکنی اور مرہٹے خاصی بڑی تعداد میں منصبداروں کی صف میں داخل ہو چکے تھے اور سنہ 1691ء تک آکر نو وارد منصبداروں کو جاگیریں مہیا کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ مگر اورنگزیب کے عہد میں داخلہ روکا نہیں جا سکتا تھا[14]۔ بہادر شاہ کے عہد میں امیدواروں کی اہلیت اور استحقاق کو دیکھے بغیر منصب عطا کیے گئے اور عہدے بڑھائے گئے۔ اور تفویضِ منصب سے متعلق جو قواعد و ضوابط اب تک برتے جاتے تھے ان کا بھی کوئی دھیان نہیں رکھا گیا، نہ جاگیرداری نظام میں پیدا شدہ خلافِ معمول حالات کی طرف توجہ کی گئی۔ چنانچہ جلوس کے پہلے سال یہ ہوا کہ امراء کی ایک بڑی تعداد جنکو منصب ملے تھے جاگیریں نہ پا سکی۔ نتیجہ یہ کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں منصب محض نام کی چیز رہ گئے[15]۔ امکان یہ ہے کہ ایسے حالات کے تحت انحراف عمل میں آیا اور خالصہ کی حیثیت سے نامزد محالوں کو تفویض کیا جانے لگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جہانگیر کے دور میں منصبداروں کے فیاضانہ اضافے کی بنا پر جاگیرداری اور منصبداری نظام میں بحران رونما ہوا تھا اور نتیجے میں خالصہ آراضیات کا رقبہ خاصا کم ہوگیا تھا۔ بہادر شاہ کے عہد میں جاگیروں کی کمی کا یہ عالم ہوا کہ خالصہ محالیں تفویض کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ اس وجہ سے خالصہ کا رقبہ گھٹ گیا۔ فرخ سیر کے عہد میں اس طریقے پر تفویض کرنے کا عمل اور زیادہ وسیع ہوگیا۔ اس کے بعد ملک میں جو سیاسی صورتحال پیدا ہوئی، دربار کے گروہوں میں اقتدار کے لیے جس طرح رسہ کشی ہوئی،

---

[13] احوال الخواقین 182۔ شاہنامہ منور الکلام 86 الف۔

[14] منتخب اللباب ج 2 صفحہ 413، 414۔

[15] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو باب پنجم فصل دوئم۔

شہنشاہ نے تسکین اور تسلی کی جو کمزور روش اختیار کی، نئے طبقے مثلاً کشمیری، ہندو اور خواجہ سرا، جیسے دوسرے لوگوں کو ہٹا کر بلند منصبوں پر فائز اور بڑی بڑی جاگیروں پر قابض ہوئے، ان سب باتوں سے بحران اور زیادہ شدید ہو گیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ طاقتور منصبداروں کے دباؤ میں آکر کٹھ پتلی شہنشاہ نے مملکت کا حق ان کے سپرد کر دیا تھا۔ اور چند برسوں کے اندر تمام خالصہ آراضی ان کے ہاتھوں میں جا پہنچی تھی لہذا خالصہ آراضیات میں کمی کا خاص سبب اور بعد میں اس کا مکمل فقدان اس وقت سے نظر آتا ہے جبکہ منصبداری اور جاگیرداری کے نظام میں بحران شروع ہوا۔ اس بحران میں دیگر عوامل بھی شامل ہو گئے مثلاً شہنشاہ کا کمزور کردار، دربار میں رسہ کشی اور گروہ بندی اور ان لوگوں کی امور مملکت سے غفلت جن کو وزارت کا عہدہ سپرد کیا جاتا تھا۔

جمع اور حاصل:۔

ہم ملاحظہ کر چکے ہیں کہ شہنشاہی ملازمین کی اکثریت، جو منصبدار کہلاتی تھی جاگیر کی شکل میں مشاہرہ پاتی تھی۔ لہذا یہ ضروری ہوا کہ شاہی قلمرو کی آمدنی کا اندازہ متعین کیا جائے۔ اس کی وجہ سے ہر موضع کا اور خصوصیت سے ہر محال کا تخمینہ لگایا گیا۔ اصطلاحی اعتبار سے اس کو جمع یا جمع بندی کہتے تھے۔ جمع کے اندر عام طور سے محال کی آمدنی کے تمام وسائل شامل تھے جو مختلف عنوانات کے ذیل میں آتے تھے۔ مثلاً مال و جہات، سائر جہات اور سائر الوجوہ۔ بہرحال کسی محال کی جمع کا حساب لگاتے وقت اس کے اندر کی تمام قابل کاشت آراضی کو نظر میں رکھا جاتا تھا اور اس پر تخمینہ لگایا جاتا تھا۔ مگر ایسے بھی اشارے پائے جاتے ہیں کہ عام طور پر موضع یا محال کی تمام قابل کاشت آراضی میں کاشت نہیں کی جاتی تھی بلکہ کچھ آراضی غیر مزروعہ چھوڑ دی جاتی تھی۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ مغلوں کے تحت بہت سی آراضی آدمیوں کی محتاج تھی اور تمام قابل کاشت آراضی کو زیر کاشت لانے کے لیے سرمایہ اور آدمی کافی نہیں[۱۵] تھے۔ اس طرح آراضی کا ایک خاص بڑا حصہ جو غیر مزروعہ رہ گیا دراصل تخمینے میں نہیں آتا تھا۔ ایسے مخصوص زراعتی حالات کی بنا پر مفروضہ تخمینے کے ذریعے تیار شدہ جمع اور حال حاصل یعنی کسی سال کی مالگذاری کے تخمینے کی واقعی جمع کے درمیان لازمی طور سے

---

[۱۵] برنیر آراضی اور زراعت کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "حتیٰ وہ آراضی جو زرخیز ہے اس میں بھی آدمیوں کی کمی کی وجہ سے کاشت نہیں ہو پاتی"۔ برنیر ج 2 صفحہ 5۔ مزید ملاحظہ ہو "مورلینڈ زراعتی نظام تعارف" صفحہ 12

ایک بڑا فاصلہ قائم ہوگیا تھا۔[17] مالگذاری کے انتظامی عملے کو اس حقیقت کا احساس تھا چنانچہ جتنے دستورالعمل ہیں وہ حال حاصل کی رقومات کو علیحدہ علیحدہ درج کرتے ہیں۔ بہر حال یہ بات بھی یاد رہے کہ جتنے سال میں متعدد اسباب کی بنا پر زیر کاشت رقبہ بہت کافی بڑھ جاتا تھا جس کو گذشتہ چند برسوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مانا جاتا تھا۔ ایسے سال میں واقعی جمع کا تخمینہ مفروضہ جمع کے تخمینے سے بہت نزدیک پہنچ جاتا تھا اس تخمینے کو حاصل سال کامل یا حاصل کامل کہتے تھے۔

اکبر کے عہد کے ابتدائی برسوں میں جمع اندازے سے متعین کی جاتی تھی اور اس کو جمع رقمی قلمی کہتے تھے۔ اس کو کاغذ پر بڑھا دیا جاتا تھا اس لیے کہ کل موجود جاگیروں کی تعداد کم تھی اور جاگیریں طلب کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جمع رقمی قلمی نے جاگیرداری نظام کو ناگوار طریقے سے متاثر کیا اور گیارھویں یا پندرھویں سال میں مظفر خاں اور راجہ ٹوڈر مل نے یہ طریقہ برطرف کر دیا۔ نئی جمع قانونگویوں سے حاصل شدہ حسابات کی بنیاد پر تیار کی گئی اور حال حاصل یا تخمینہ شدہ مالگذاری پر مبنی قرار دی گئی۔ وہ گذشتہ جمع سے تھوڑی سی کم تھی مگر جمع اور حال حاصل میں اب بھی ایک بڑا فاصلہ تھا۔ اس وجہ سے جاگیرداروں سپاہیوں اور کاشتکاروں کو خاصی مصیبت کا سامنا رہا۔ انیسویں سال جلوس میں شاہی قلمرو کا بیشتر علاقہ علاوہ بنگال، گجرات اور کابل کے، خالصہ قرار دیدیا گیا اور جاگیرداری نظام عارضی طور سے منسوخ کر دیا گیا جو بیسویں سال جلوس میں گذشتہ دس سال کا اوسط نکالکر (15 تا 23 سال جلوس) جمع دہ سالہ تیار کی گئی۔ اس میں پیداوار کے حالات کی امکانی بہتری اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔[18] اکبر نامے میں جمع دہ سالہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان اصلاحات کا مقصد جمع اور حال حاصل کی رقومات کے فاصلے کو کم کرنا تھا اور جب جمع دہ سالہ تیار ہوگئی تو بالآخر وزارت مال کو اس مقصد میں کامیابی ہوئی۔ اطمینان بخش جمع کی تیاری کے بعد جاگیریں تفویض کرنے کا عمل پھر سے بحال کر دیا گیا۔[19]

---

[17] حال حاصل سے مراد مالگذاری کی وصولیابی بھی لی گئی ہے (ملاحظہ ہو عرفان حبیب "مغل ہندوستان کا زراعتی نظام" صفحہ 264 حاشیہ) موجودہ مولف اس توجیہ سے متفق نہیں ہے۔ بہر حال جو بحث اوپر کی گئی ہے وہ مزید غور طلب ہے۔

[18] مندرجہ بالا خلاصہ اکبرنامہ اور آئین کے شواہد پر مبنی ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو اکبرنامہ ج 2 صفحہ 207 ج 3 صفحہ 114، 117، 282، آئین ج 2 صفحہ 2۔

[19] زراعتی نظام صفحہ 27، 98 ۔

اکبر کے دور میں جمع کا حساب پانچسو کروڑ سے اوپر تھا۔[20] جہانگیر کے عہد کے اختتام پر وہ سات سو کروڑ دام پر تھی۔[21] جمع کی رقومات میں اس قدر اضافہ یا تو اس لیے ہوا کہ زیر کاشت رقبہ بڑھ گیا یا قیمتیں بڑھیں یا دونوں باتیں شامل ہوئیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منصبوں اور منصبداروں کی تعداد میں اضافے کی بنا پر واقع شدہ صورتحال سے نمٹنے کے لیے جمع کی رقومات میں مصنوعی اضافہ کر دیا گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ شہنشاہ جہانگیر نے منصبوں میں فیاضی کے ساتھ اضافے کی روش اختیار کر رکھی تھی۔[22] یہ واقعہ کہ جہانگیر کے تحت انتظام مالگذاری مصنوعی جمع کا شکار تھا اس بات سے ظاہر ہے کہ شاہجہاں کو اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔ اس نے جاگیروں کی تفویض کے لیے ماہانہ تناسب کا طریقہ نکالا یعنی جاگیرداروں کی جنگی خدمات اور تنخواہیں ملحوظ رکھتے ہوئے جو ممکن ماہانہ مشاہرہ ہو سکتا تھا اس کا حساب کیا۔[23] اس نتیجے کی تصدیق براہ راست معاصر ولندیزی مصنف پیلسارڈ کے بیان سے ہوتی ہے۔ وہ بتلاتا ہے کہ جاگیروں کے تخمینے میں افراط اور تورم برتا جاتا تھا۔ جس جاگیر کا تخمینہ پچاس ہزار روپیہ تھا اس میں بعض اوقات پچیس ہزار روپیہ وصول نہیں ہوپاتا تھا اگرچہ کاشتکاروں کو بہت دبایا جاتا تھا۔ مفرط جمع کی برائی کا اثر منصبداری نظام پر اور زیادہ پڑا اور شاہی ملازمت کی کارکردگی نہایت مجروح ہوئی۔ پیلسارڈ کے بیان کی رو سے بہت سے جاگیردار جن کا عہدہ پانچ ہزار سوار کا تھا اپنی ملازمت میں ایک ہزار سوار بھی نہیں رکھ پاتے تھے۔[24]

شاہ جہاں کے عہد میں جمع اور حال حاصل کے اتنے بڑے فرق کو ایک مسلمہ حقیقت سمجھا گیا اور دونوں رقومات کے درمیانی تفاوت کو کم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اس کے برخلاف ایک نیا طریقہ نکالا گیا۔ وہ یہ کہ پہلے جاگیردار کی متوقع آمدنی کا حساب لگایا گیا اور پھر اسی کے مطابق اس کی خدمات اور ذمہ داریاں

---

20. آئین اکبری ج 2 صفحہ 98۔

21. بادشاہنامہ ج 2 صفحہ 711

22. تزک جہانگیری صفحہ 4، 5۔ تزک کی اطلاع کے مطابق منصبوں میں 10 : 30 اور 10 : 40 کے تناسب سے اضافہ ہوا۔ حتیٰ کہ سب سے قلیل اضافہ بھی موجودہ منصب کے نصف کے برابر تھا۔

23. بادشاہنامہ ج 2 صفحہ 566، 507۔ مراۃ ج 1 صفحہ 227۔ 228۔ مزید ملاحظہ ہو مورلینڈ کا مضمون "مغلوں کی شاہی ملازمت" مجلہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1936۔ عبدالعزیز "منصبداری نظام"

24. پیلسارٹ صفحہ 54

طے کردی گئیں۔ ہر محال کا حال حاصل یعنی واقعی تخمینہ لگا لیا جاتا تھا اور اس کو بارہ مہینے کی حال حاصل میں اس طرح وضع کر دیا جاتا تھا کہ ماہانہ تناسب کی رو سے جو تنخواہ بنی وہ جمع کے برابر رہے۔ اگر کسی محال کی حال حاصل جمع کی دو تہائی رہ گئی تو اس محال کو ہشت ماہی کہا جاتا تھا۔ اگر حال حاصل جمع کی تنصیف ہے تو محال چھ ماہی قرار پائی وغیرہ وغیرہ۔ نتیجہ یہ کہ منصبداروں کی تنخواہوں اور ان کی فوجی ذمہ داریوں کا تعین ان جاگیروں کی حال حاصل کے مطابق ہوتا تھا جو ان کو تفویض تھیں[25]۔

رقوماتِ جمع :۔

مغل شہنشاہوں کے عہد کی رقومات جمع (اکبر سے بہادر شاہ تک) آئین اکبری، بادشاہ نامہ اور متعدد دستور العمل کے رسالوں میں ملتی ہیں۔ ان رقومات جمع کا تقابلی تجزیہ کرنے سے یہ بات آشکار ہوتی ہے[26] کہ ان میں اکبر کے عہد سے آگے اضافے کا رجحان رہا۔ یہاں تک کہ اورنگزیب کے عہد کے اختتام پر معاملہ حد کو پہنچ گیا۔ رقومات جمع میں اضافے کا ایک سبب تو یہ کہ دکن کے علاقے شامل ہوگئے۔ دوسری بات یہ کہ پھیلتی ہوئی تجارت پر محصولات سے آمدنی بڑھی مگر مختلف شہنشاہوں کے عہد میں مختلف صوبوں کی حتیٰ کہ سرکاروں کی رقومات جمع کا تقابلی معائنہ کرنے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ سلطنت کے تقریباً ہر پرگنے میں باقاعدہ اور نمایاں حیثیت سے رقومات جمع کے اندر اضافہ ہو رہا تھا۔

فصل دوئم

نظام جاگیرداری

مغلوں کے تحت انتظام مالگذاری کے پیش نظر شاہی قلمرو کو غیر مساوی قسم کے حصوں میں دو زمروں

---

[25] یہ توجیہ شاہ جہاں اور اورنگزیب کے انتظامات سے متعلق ادبیات کی بنیاد پر مبنی ہے خصوصی حوالے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

منتخب دستاویزات صفحہ 64 ، 348

رقعاتِ عالمگیری صفحہ 10 ، 88 ، 107 ، 118 ، 121 ، 2 ، 130 ، 131 ، 135 ،
163 ، 164 ،

بادشاہنامہ ج 2 صفحہ 506

مرآۃ احمدی ج 1 صفحہ 227 ، 229 ۔

[26] ملاحظہ ہو ضمیمہ ی

کے تحت خالصہ اور جاگیر محالوں کے نام سے تقسیم کر دیا گیا تھا۔ وہ محالیں جو بطور جاگیر کے نامزد تھیں لیکن ابھی تفویض نہیں کی گئی تھیں ان کو ایک ذیلی عنوان میں رکھا جاتا تھا جس کو محال پائے باقی کہتے تھے[27] شہنشاہی قلمرو کا بیشتر حصہ جاگیر آراضیات پر مشتمل تھا جو شاہی ملازمین کو جو کہ منصبدار کہلاتے تھے ان کے عہدوں کے مطابق تنخواہوں کے بالعوض کر دی جاتی تھیں۔ یہ جاگیردار ان محالوں کی مالگذاری وصول کرنے کے مجاز تھے جو ان کو بطور جاگیر یا اقطاع کے دی گئیں اور اس اعتبار سے وہ لوگ جاگیردار[28] یا تیول دار کہلاتے تھے[29] ہر منصبدار کا شاہی ملازمت میں ایک متعین عہدہ ہوتا تھا اور یا تو وہ تنہا ذات کا عہدہ ہوتا تھا یا ذات اور سواروں پر مشتمل دوہرا عہدہ ہوتا تھا۔ ذات اور سوار کے عہدوں کی تنخواہوں کا حساب علیحدہ تھا۔ کسی عہدے پر فائز منصبدار کی تنخواہ داموں میں متعین کی جاتی تھی[30] چنانچہ ایک محال یا اس سے زیادہ یا اس کے ایک حصے کا رقبہ جس کی آمدنی کا اندازہ واجب تنخواہ کے برابر ہو منصبدار کو بطور جاگیر کے تفویض کر دی جاتی تھی۔ یہ آمدنی اصطلاح میں جمع یا جمع دامی کہلاتی تھی اور اس میں مالگذاری کے علاوہ دوسرے محصولات کے تحت حاصل شدہ آمدنی مثلاً سائر اور پیشکش بھی شامل ہوتی تھی۔ وہ آمدنی جو نقل و حمل کے محصول اور شہروں یا بازاروں میں چیزوں کی خرید فروخت کے محصول سے ہوتی تھی۔ اس کو جداگانہ محال سمجھا جاتا تھا اور یہ سائر محال کہلاتی تھی۔ یہ محالیں بھی اکثر جاگیر کے طور پر دی جاتی تھی[31] بہر حال منصبدار کی تنخواہ نقد بھی دی جاتی تھی اور اس قسم کے منصبدار نقدی کہلاتے تھے[32] ایسی جاگیر جس کے ساتھ کوئی ذمہ داری وابستہ نہ ہو اور محض اضافہ

27۔ خلاصۃ السیاق 48 ب

28۔ مرآۃ الاصطلاح کا مولف جاگیر اور تیول کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ جاگیر امراء اور منصبداروں کو تفویض کیجاتی تھی۔ تیول شہزادوں کو اور شاہی خاندان کے افراد کو دی جاتی تھی (ملاحظہ ہو مرآۃ الاصطلاح 15 الف) بہر حال یہ بھی یاد رہے کہ مغل عہد کی تاریخوں اور دستاویزوں میں دونوں اصطلاحوں سے جاگیر مراد ہے اور کوئی مخصوص معنی کسی ایک اصطلاح کے نہیں بتلائے گئے ہیں۔

29۔ اقطاع بھی جاگیر کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ استعمال شاذ ہے (ملاحظہ ہو مرآۃ احمدی ج ا صفحہ 355)

30۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو عبدالعزیز " منصبداری نظام " منتخب دستاویزات عہد شاہ جہاں صفحہ 80، 81 فرہنگ کاردانی 21 الف، 24 الف۔ خلاصۃ السیاق 76 الف۔ 77 ب۔

31۔ عمل صالح ج 3 صفحہ 65، 149۔ مرآۃ احمدی ج ا صفحہ 305، 329، 337

32۔ مرآۃ احمدی ج ا صفحہ 227، 228، 229، خلاصۃ السیاق (77 ب۔ 83 الف) میں تنخواہوں کی شرح نکالنے کے لیے مفصل قواعد دیے ہوئے ہیں۔ فرہنگ کاردانی 24 الف۔ ب)

منصب کے طور پر دی جائے اس کو انعام کہا جاتا تھا۔[33]

مغلوں کے تحت جاگیرداری نظام ایک مرتب ادارے کی حیثیت سے رونما ہوا اور نہایت مفصل قواعد و ضوابط کی رو سے چلتا رہا۔ اس بیمثال ادارے کی بنیادیں اکبر کے عہد میں پڑیں مگر دراصل شاہ جہاں نے اس ساذ تنظیم کو ایک پیچیدہ ادارے کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ آہستہ آہستہ اس ادارے کو مغلوں کے سرکاری نظام میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی۔ ابتدائی طور سے اس نظام کے مقاصد یہ تھے کہ باصلاحیت اور تربیت یافتہ افراد کی خدمات حاصل کی جائیں حکومت کو انتظام مالگذاری کے زبردست بوجھ سے نجات حاصل ہو اور دیہاتی علاقوں میں قانون و امن برقرار رکھا جائے مگر سترھویں صدی کے اختتام تک اس نظام نے سلطنت کے اقتصادی اور انتظامی استحکام کے لیے تشویش پیدا کر دی، بلکہ ان دونوں کو خطرے میں ڈال دیا۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ مذکورہ نظام کے لوازم کا تعین کیا جائے اور اس کی نوعیت اور کارکردگی کو تفصیل کے ساتھ سمجھا جائے۔

ادارے کی نوعیت

جاگیرداری کا ادارہ جیسا کہ وہ سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں میں سامنے آیا معلوم ہوتا ہے کہ خاصا پیچیدہ تھا اور اس کے اندر بہت سی تبدیلیاں واقع ہوتی رہی تھیں۔ وہ پیچیدہ اس اعتبار سے تھا کہ جو اراضیات جاگیر کے طور پر تفویض کی جاتی تھیں ان پر حکومت اور جاگیردار دونوں کا حکم چلتا تھا۔ جاگیر کی آمدنی کا اندازہ لگانا وزارت مال کے اختیار میں تھا۔ البتہ اس کا واقعی تخمینہ اور وصولیابی جاگیردار یا اس کا نمائندہ کرتا تھا۔[34] مزید یہ کہ انفرادی آراضی کا تخمینہ لگانے کے معاملے میں بھی جاگیردار کو آزادی نہیں تھی بلکہ وزارت مال نے جو شرطیں مقرر کر دی تھیں انکی مطابقت اس کے لیے لازم تھی۔ جاگیروں کے تبادلے کے عمل نے جاگیریں مالگذاری کے انتظام کی کارکردگی کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا تھا۔ اگر جاگیر سال کے درمیان میں منتقل ہوتی ہے تو وصولیابی کو سرکار، پرانے جاگیردار اور نئے دعویدار کے

33۔ عالمگیر نامہ کا مؤلف کہتا ہے کہ مغل سلطنت میں سوائے شاہی خاندان کے افراد یعنی شہزادوں کے کوئی بھی 7000 / 7000 کے منصب پر فائز نہیں ہوا۔ جو امیر 7000 / 7000 کے منصب تک پہنچ گیا اگر اس پر مزید عنایت منظور ہو تو شہنشاہ کی طرف سے اس کو حسب قاعدہ تفویض شدہ جاگیر کے علاوہ کچھ مزید جاگیر دیدی جاتی تھی جو اس کی تنخواہ کے مقررہ تخمینے سے جدا ہوتی تھی اس کو انعام کہتے تھے۔

34۔ اکبر نامہ ج 3 صفحہ 381 ۔ نگار نامہ منشی صفحہ 27 ۔ دستور العمل بیکس، ورق 61 الف ۔ ب 73 الف ۔ ب

درمیان تقسیم کرنے کے سلسلے میں بڑے مفصل اور باریک قواعد رائج و نافذ تھے۔[34] جمع اور حال حاصل کے تفاوت کو کم کرنے کی مسلسل کوشش اور بعد میں حال حاصل کے مطابق ذمہ داریاں متعین کرنے کا قاعدہ اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جاگیرداری کا نظام کس قدر پیچیدہ تھا۔ اکبر کے عہد سے اس ادارے میں برابر تبدیلیاں بھی ہوتی رہی تھیں اور اس کی کیفیت بظاہر اتنی نازک تھی کہ سیاسی، انتظامی اور اقتصادی تغیرات کا اثر فوراً قبول کر لیتا تھا۔ سلطنت کی حدود میں توسیع، مرکزی اختیار کی کمزوری، منصبداروں کی تعداد میں اضافہ، قحط سالی، کاشتکاروں کا افلاس، زمینداروں کی بدحالی، غرضکہ ہر معاملہ ایسا تھا جس کے اثرات جاگیرداری نظام پر بہت زیادہ اور بہت جلد پڑتے تھے۔ یہاں کوشش کی گئی ہے کہ اس ادارے کے خصوصی نقوش واضح کیے جائیں اور ان تبدیلیوں پر بھی نظر ڈالی جائے جو بالآخر اٹھارویں صدی کے نصف تک اس ادارے کو زوال کی طرف لے گئیں۔

جاگیروں کا تبادلہ

جاگیرداری نظام درحقیقت جاگیر کے ذریعہ مالی ادائیگی کا ایک طریقہ تھا۔ جاگیردار اس محال کی مالگذاری وصول کرنے کا مجاز تھا جو اس کو اخراجات کی کفالت کے لیے دی جاتی تھی۔ تاکہ شہنشاہ کی خدمت کے سلسلے میں جو سپاہی اس نے ملازم رکھے ان پر اور خود اس کی ذات پر جو خرچ ہو وہ پورا ہو سکے۔ مالی ادائیگی کے طریقے کی حیثیت سے جاگیر کی تفویض کا مطلب یہ تھا کہ تفویض شدہ محال کی مالگذاری پر اس کا دعویٰ نہایت محدود تھا۔ چنانچہ یہ بات تفویض کے حکم میں اچھی طرح واضح کر دی جاتی تھی۔[36] اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ جاگیردار اس محال پر جو اس کو تفویض کی گئی ہے کسی قسم کا استحقاق یا دعویٰ نہیں جتا سکتا تھا۔ بہرحال کسی خاص علاقے میں ایک خاص مدت تک مالگذاری کا تخمینہ اور وصولیابی کا حق بذات خود ایسا معاملہ تھا کہ کسی نہ کسی شکل میں

35ھ خلاصۃ السیاق 48 ب سیاقنامہ صفحہ 40 - 48 -

36ھ پروانہ مورخہ 19 مئی سنہ 1635ء جو افضل خاں وزیر کی طرف سے جاری ہوا۔ پروانۂ مذکور میں درج ہے کہ سید عبدالوہاب کو 100، 68، 36 دام پرگنہ دریاپور سرکار گویل صوبہ برار میں عطا ہوئے۔ وہاں کے دیش مکھوں، مقدموں اور کاشتکاروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سید مشارٌ الیہ کو عطا کریں۔ ملاحظہ ہو منتخب دستاویزات عہدِ شاہ جہاں صفحہ 4، 5 - مزید ملاحظہ ہو صفحہ 17، 18، 23، 147 -

37ھ اکبرنامہ ج 2 صفحہ 332، 333

اس کے ذریعہ آراضی پر مستقل دعویٰ یا استحقاق کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ یا کم از کم مقامی روابط و اثرات کو آراضی پر مالکانہ حقوق کی غرض سے استعمال کیا جا سکتا تھا اور عرصہ دراز تک جاگیردار رہنے کی صورت میں یہ امکان پیدا ہو سکتا تھا۔ لہذا مغل شہنشاہ جنہوں نے جاگیرداری نظام نافذ کیا اور جس کا مقصد ایک نہایت مستعد اور وفادار شاہی عملہ تیار کرنا تھا وہ معاملے کے اس پہلو سے غافل نہیں رہے اور انہوں نے ایسے خطرات کی راہیں بند کرنے کے لیے ضروری اقدامات ملحوظ رکھے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے جاگیروں کے مسلسل تبادلے کا عمل رائج کیا گیا۔ اکبر پہلا شخص تھا جس نے عمداً پنجاب میں اتکہ خیل کی جاگیروں کے تبادلے کا منصوبہ بنایا[37]۔ اور تیرھویں سال جلوس میں انکو دوسرے صوبوں میں متبادل جاگیریں مہیا کیں۔ ابوالفضل نے اس معاملے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کی رائے کے مطابق جاگیر کے تبادلے کا عمل نہایت ضروری تھا تاکہ جاگیردار قابو میں رہیں اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں اور دوسرے یہ کہ رعیت محفوظ رہے۔ ان مقاصد کے حصول کی خاطر وہ جاگیردار جو ایک علاقے میں مجتمع ہو گئے ہیں مختلف علاقوں میں منتقل کر دیے جاتے تھے اور اس ترکیب سے امن و استحکام برقرار رہتا تھا[38]۔ یہ عمل اکبر نے شروع کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی جڑیں جم گئیں اور بالآخر یہ مغلوں کے نظام مالگذاری کا ایک اہم طریقہ کار ثابت ہوا[39]۔ متعلقہ شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم و بیش یہی عمل اٹھارویں صدی کے نصف اول میں جاری رہا۔ مگر جب صدی کے نصف آخر میں مرکزی اقتدار کمزور پڑا تو غالباً تبادلے کم ہو گئے اور ہوتے بھی تو کبھی کبھار ہوتے تھے چنانچہ اکثر صورتوں میں عہدے اور جاگیریں کچھ موروثی سمجھے جانے لگے۔

یہ نتیجہ کہ جاگیروں کے تبادلے زمانۂ زیر مطالعہ میں جاری رہے دو باتوں پر مبنی ہے ایک تو محال پائے باقی سے متعلق حوالے[40] دوسرے وہ شہادت جن میں جاگیروں کا واقعی تبادلہ دکھایا گیا ہے۔ سیاقنامے کے اندر ایک دستاویز موجود ہے جس کو طومار محال پائے باقی کہا گیا ہے اس میں ان جاگیروں کی تفصیل ہے جو درمیان سال میں

37۔ اکبرنامہ ج 2 صفحہ 332 ، 333 ۔

38۔ ایضاً

39۔ توزک جہانگیری صفحہ 4۔ منتخب دستاویزات عہد شاہ جہاں صفحہ 147 ، 150 ، 151 ، 158۔ نگارنامہ منشی صفحہ 29 ، 30 ، 40 ۔ مراۃ احمدی ج 1 صفحہ 185 ۔ مزید ملاحظہ ہو برنیر صفحہ 23 ۔

40۔ وہ جاگیریں جو واپس لے لی گئیں اور جو ابھی تفویض نہیں ہوئی ہیں وہ محال پائے باقی میں شامل نہیں ہوتی تھیں یعنی اس محال میں وہ جاگیریں ہوتی تھیں جو تفویض کی جائیں گی۔ عارضی طور سے اس محال کا انتظام ایک شاہی افسر کے ماتحت ہوتا تھا۔

منتقل ہوئیں اور جن کی مالگذاری حسب تناسب جاگیرداروں اور حکومت کے درمیان تقسیم ہوئی[41]۔ رسالۂ مذکور میں متعدد منتقل شدہ جاگیروں کے حسابات کی شمولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ جب اٹھارویں صدی کا آغاز ہوا تو اس وقت جاگیروں کے تبادلے کا عمل خوب اچھی طرح رائج تھا۔ ہم نے کہیں اور پڑھا ہے کہ ناصر خاں سنہ ۱۱۰۱ھ[42] میں گجرات میں محال پائے باقی کا دیوان اور امین مقرر ہوا۔ اس کے بعد بھی سنہ 1146ء میں محمد مومن خاں سرکار سورہ کی محال پائے باقی کے عہدے پر تعینات ہوا[43]۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ جاگیروں کا نقل و انتقال جاری رہا اور جو افسران اس معاملے سے سروکار رکھتے تھے وہ صوبہ اور سرکار دونوں سطحوں پر کام کرتے تھے اس نتیجے کی تائید میں بعض اتفاقی شواہد موجود ہیں جو سلطنت کے مختلف حصوں میں جاگیروں کے تبادلے سے متعلق ہیں[44]۔

بہرحال کچھ شہادتیں ایسی بھی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کی دوسری چوتھائی میں عہدے اور جاگیریں زیادہ لمبے عرصہ تک لوگوں کے پاس رہتی تھیں اور رجحان یہ پیدا ہوگیا تھا کہ گویا موروثی چیزیں ہیں۔ رفیع الدرجات کی تخت نشینی کے وقت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حکمراں کی تبدیلی کا کوئی خاص اثر جاگیرداروں کی بڑی تعداد کے معاملات پر بھی پڑا ہو۔ وہ حسب سابق اپنی جاگیروں پر قابض رہے اور ویسے ہی تصدیق عمل میں آگئی۔ مرآۃ احمدی میں وہ احکامات موجود ہیں جو سلطنت کے ہر حصے میں تعینات دیوان کے نام سے نئے حکمراں کے دور میں جاری ہوئے۔ ان احکامات کی رو سے نیا حکمراں تخت نشینی کے بعد جاگیرداروں اور منصبداروں کی مقبوضہ جاگیر کی تصدیق کرتا تھا۔ ان کو حسب سابق اپنی جاگیروں پر قبضے کا مجاز قرار دیا جاتا تھا تاکہ دیوان مداخلت نہ کرے اور ان سے تجدید اسناد کا مطالبہ نہ کیا جائے[45]۔ لہٰذا ہر تخت نشینی کے موقع پر بار بار تصدیق کے احکامات سے یہ پایا گیا کہ ان حکمرانوں کے عہد میں اکثر و بیشتر جاگیرداروں کی جاگیر کا تبادلہ عمل میں نہیں آتا تھا۔ حقیقت یہ کہ ایسی شہادت بھی موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عہدے اور جاگیریں کسی حد تک موروثی بن چکی تھیں[46]۔ نادر شاہ کے حملے کے بعد جو لاقانونیت پھیلی اس کے نتیجے میں مرحلہ یہ آگیا کہ عہدے یا جاگیر کو قابو میں رکھنے کی استعداد زیادہ بڑی وجۂ جواز بن گئی جس کے سامنے جاگیر کی تفویض کا اصلی حکم کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ جن لوگوں

41۔ سیاقنامہ صفحہ 40، 48۔

42۔ مرآۃ احمدی ج 2 صفحہ 26

43۔ ایضاً ج 2 صفحہ 165۔

44۔ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 801، 802۔ مرآۃ احمدی ج 2 صفحہ 99، 165، 168، 239

45۔ مرآۃ احمدی ج 2 صفحہ 22، 23، 27، 30۔

46۔ مآثر الامراء ج 1 جز 2 صفحہ 58، 67۔ مرآۃ احمدی ج 2 صفحہ 108، 381۔

کے پاس عہدے یا جاگیریں تھیں وہ ان پر اپنا مستقل اور موروثی استحقاق سمجھتے تھے۔

شاہی اختیارات کے حدود

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ شاہی ملازمت میں جاگیردار کا عہدہ متعین ہوتا تھا۔ اور اس کا حق اپنی تنخواہ کے مساوی جاگیر کی رقم وصول کرنے تک محدود تھا۔ لہذا بحیثیت جاگیردار اس کو کسی ایسے دعوے یا اختیار کے استعمال کی اجازت نہیں تھی جس کی وجہ سے شاہی ضوابط کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ اس کے برخلاف کافی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ جاگیر کا داخلی انتظام جملہ لوازم اور پابندیوں کے ساتھ شاہی ضوابط کے مطابق انجام پاتا تھا جس میں مالگذاری اور عام انتظامی کارروائی دونوں باتیں شامل تھیں۔

اکبر اور اورنگزیب کے عہد سے متعلق جو شہادت ملتی ہے اس سے اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے کہ حکومت کے اختیارات کی نوعیت کیا تھی اور کس طرح ان کو استعمال کیا جاتا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جاگیردار کو مالگذاری کا تخمینہ دستور[47] کے مطابق کرانا پڑتا تھا اور اگر آفات آسمانی کی بنا پر فصلوں کو نقصان پہنچا ہے اور شہنشاہ کی جانب سے تخفیف کا حکم جاری ہوا ہے تو اس کو اپنا کچھ مطالبہ چھوڑنا پڑتا تھا[48]۔ حتیٰ کہ گذشتہ برسوں کی بقایا بھی شہنشاہ کی جانب سے معاف کی جاسکتی تھی اور جاگیردار شاہی حکم کی تعمیل پر مجبور تھا[49]۔ مالگذاری کے علاوہ جو بھی شاہی احکامات دوسرے معاملات کے متعلق تھے ان کا نفاذ جاگیر اراضیات پر بھی برابر ہوتا تھا[50]۔ اور صوبائی

47ء اکبر کے عہد کے 27 سال جلوس میں یہ ضابطہ نافذ ہوگیا تھا کہ جاگیردار اور دوسرے محصولات 'دستور' کے مطابق وصول کریں گے۔ ملاحظہ ہو اکبر نامہ ج 3 صفحہ 381

48ء سنہ 993 / 1585 میں اکبر نے صوبجات الہ آباد، اودھ اور دہلی میں تخفیف کا حکم جاری کیا۔ خالصہ اراضیات کی تخفیف 2 ,762 ,74 ,70 دام پر مشتمل تھی۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ جو تخفیف اقطاعات میں دی گئی اس کا حساب اسی قاعدے سے لگایا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو اکبر نامہ ج 3 صفحہ 30 46۔ مزید ملاحظہ ہو اکبر نامہ ج 3 صفحہ 49 ، 534

49ء سنہ 1088 / 1672ھ میں اورنگزیب نے گجرات کے صوبائی دیوان کے نام احکامات جاری کیے کہ خالصہ اور جاگیر عالموں میں جو بقایا چل رہی ہے اس کو معاف سمجھا جائے اور بقایا کے لیے رعیت پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ (مرآۃ احمدی ج 1 صفحہ 290)

50ء سنہ 989ء / 1581ھ میں جاگیرداروں کو بشمولیت دیگر سرکاری حکام کے یہ ہدایت کی گئی کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

دیوان شاہی احکامات کے مطالب و معانی سے جاگیردار اور اس کے نمائندوں کو مطلع کرتا رہتا تھا۔[51]

جاگیر آمامنیات کے داخلی انتظام کی نگرانی اور عنان گیری کئی طریقے سے کی جاتی تھی۔ جاگیرداروں کی حرکات وسکنات اور ان کی جاگیروں میں واقع ہونے والے حالات کی اطلاع بھیجتے رہیں۔[52] اگر کسی جاگیردار کے خلاف اطلاع دی گئی کہ وہ ظالم ہے یا شاہی ضوابط کی پابندی نہیں کرتا تو اس کو سزا دی جا سکتی تھی۔[53] سزا کی صورت میں تبادلہ کیا جا سکتا تھا، جاگیر واپس لی جا سکتی تھی یا جرمانہ ہو سکتا تھا۔[54] دراصل بات اتنی ہے کہ جاگیردار کا اختیار فقط مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی تک محدود تھا البتہ اگر فوجداری کا عہدہ بھی اس کے پاس ہے تو معاملہ ذرا دوسرا تھا۔ تخمینہ اور وصولیابی شاہی ضوابط کے مطابق کی جاتی تھی۔ یہ واقعہ کہ شاہی ضوابط اٹھارویں صدی کے نصف اوّل تک نافذ العمل تھے اس حکم سے ظاہر ہے جو اس موقع پر ایک جاگیردار نے اپنے فوجدار اور امین کے نام جاری کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ دربار کی طرف سے جو محصولات معاف کر دیے گئے ہیں ان کی وصولیابی عمل میں نہیں آنی چاہیے اور متعلقہ کارپردازوں کو یہ بات بتا دینی چاہیے۔[55]

(حاشیہ جاری) وہ اپنے علاقوں میں واقع مواضعات کے باشندوں کا اندراج تیار کریں جس میں ان کے نام اور پیشے درج ہوں۔ ان کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ موضع میں کوئی شخص بغیر کسی شغل اور دھندے کے نہ رہے۔ ملاحظہ ہو اکبرنامہ ج 3 صفحہ 346، 347۔ ہم نے کسی دوسری جگہ اکبرنامہ میں پڑھا ہے کہ جاگیرداروں کو اپنی جاگیر کی روئیداد پیش کرنی پڑتی تھی۔ ملاحظہ ہو اکبرنامہ ج 3 صفحہ 381

51 منتخب وقائع دکن ج 1 صفحہ 46۔

52 رقعات عالمگیری صفحہ 11، 15، 37۔

53 حسن بیگ جاگیردار چکلہ کوڑا کے بارے میں اطلاع دی گئی کہ وہ ظالم ہے اور چکلہ مذکور کے باشندوں نے مسلسل اس کی دست درازی کے خلاف شکایات پیش کیں۔ اورنگزیب نے احکامات جاری کیے کہ اس کی جاگیر واپس لے لی جائے اور کوئی متبادل جاگیر نہ دی جائے (ملاحظہ ہو رقعات عالمگیری صفحہ 43) شاہ بیگ خان کے بارے میں اطلاع گذری کہ وہ لازمی سواروں کی تعداد اپنے پاس نہیں رکھتا ہے۔ شاہ جہاں نے اورنگزیب کے نام حکم جاری کیا کہ جو پرگنے شاہ بیگ خان کو بطور تیول ملے ہوئے ہیں وہ اس سے چھین لیے جائیں اور اس کو دربار میں بھیج دیا جائے۔ ملاحظہ ہو رقعات عالمگیری صفحہ 93

54 رقعات عالمگیری صفحہ 37

55 دستور العمل بیکس 9 الف

اس کے علاوہ مقامی انتظامات کی تنظیم جاگیر کے اندر مالگزاری کی کارکردگی کے سلسلے میں ایک قسم کی روک تھام کا کام کرتی تھی۔ جبکہ تخمینے اور وصولیابی کا حقدار جاگیردار تھا۔ مگر انتظامی اختیارات فوجدار کے ہوتے تھے۔ جو مالگزاری کے انتظامات سے وابستہ رہتا تھا اور جاگیر کے اندر عملدرآمد کی نگرانی کرتا تھا۔[56] مزید کچھ دوسرے مقامی افسران یعنی اہلِ خدمت ہوتے تھے جو دربار کی طرف سے تعینات ہوتے تھے۔ ان کا یہ کام تھا کہ جاگیردار کے نمائندوں کی ایسی حرکات وسکنات کی اطلاع بھیجتے رہیں جن سے ان کے اختیارات میں مداخلت ہوتی ہے۔[57] ان افسران میں چودھری، قانونگو اور قاضی شامل تھے۔ ان کا تقرر ایسی جاگیروں میں جو اسی علاقے کے فوجداروں کے پاس ہوں، دربار کی طرف سے ہوتا تھا۔[58] ان افسران کے سپرد جو امور تھے ان کی جانچ سے یہ واضح ہوتا ہے اوّل تو وہ جاگیرداروں کے نمائندوں کی روک تھام کرتے تھے دوسرے وہ وزارتِ مال کو ضروری اطلاعات بھیجتے تھے جس کی بدولت وزارتِ مال جاگیر میں انتظامِ مالگزاری کی کارکردگی پر نظر رکھتی تھی۔ اگرچہ قاضی بنیادی طور سے عدلیہ کا حاکم تھا مگر وہ کسی حد تک انتظامِ مالگزاری سے بھی وابستہ رہتا تھا۔ آراضی کے انتقال سے متعلق، دستاویزوں کی تحقیق وہی کرتا تھا۔ اس کے علاوہ مالگزاری کے تمام اہم کاغذات پر افسرانِ بالا کی خدمت میں روانہ کیے جانے سے قبل یعنی شاہی دفتروں میں رکھے جانے سے پیشتر، قاضی مہر تصدیق ثبت کرتا تھا۔[59] دوسری طرف چودھری اور قانونگو، افسرانِ پرگنہ سے جن کا انتظام مالگزاری سے براہ راست تعلق تھا، رابطہ رکھتے تھے، ان کے عہدے کم وبیش موروثی تھے اور ان کے پاس ایسے اہم کاغذات رہتے تھے جن میں پرگنے کی زراعت سے متعلق صورتحال کا سارا اندراج ہوتا تھا اور یہ اطلاع بھی ہوتی تھی کہ آراضی پر کن لوگوں کے حقوق ومفادات رہتے آئے ہیں۔[60] اگرچہ جاگیریں قابلِ انتقال تھیں یا بطور خالصہ واپس لی جاسکتی تھیں۔ البتہ قانون گو اور چودھری کے عہدے ان تبدیلیوں سے غیر متاثر رہتے تھے۔ اس طرح مقامی اطلاعات پر مشتمل کاغذات کا تسلسل برقرار رہتا

56ـ ملاحظہ ہو مغلوں کے تحت فوجدار اور فوجداری" مجلہ میڈیول انڈیا کوارٹرلی" ج 4 صفحہ

57ـ نگارنامہ منشی صفحہ 127 ۔ ملاحظہ ہو دستورالعمل بیکس، ورق 37 ب، 38 الف

58ـ دستورالعمل بیکس 37 ب، 38 الف، 41 ب، 42 الف، 44 الف ب۔ نگارنامہ منشی صفحہ 83، 90، 91، 140 ۔

59ـ نگارنامہ منشی صفحہ 27 ۔

60ـ دستورالعمل عالمگیری 18 الف۔ تاریخ مالگزاری بنگال صفحہ 164، 165 ۔ دستورالعمل مہدی علی خاں الف۔ دستاویزات الہ آباد 224، 225، 228، 229 ۔

تھا۔ اور یہ اطلاعات اس حاکم کو مہیا کردی جاتی تھیں جو جاگیر سے متعلق صحیح معلومات کرنے کے لیے تعینات کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک مسلمہ دستور یہ تھا کہ جاگیرداروں کو ہر برس سالِ جاری اور سالِ گذشتہ کی رقوماتِ حاصل حاصل کا حساب پیش کرنا پڑتا تھا[61]۔ ان کو یہ اقرار نامہ بھی دینا پڑتا تھا کہ جو رقومات وہ پیش کر رہے ہیں وہ درست ہیں اور یہ کہ اگر رقومات مذکورہ میں کوئی غلطی پائی گئی تو وہ اس کے لیے ذمہ دار ہوں گے[62]۔ وہ موازنۂ دہ سالہ بھی پیش کرتے تھے[63] اس طرح وزیرِ مال کو مختلف ذرائع سے مالگذاری کی بابت بیانات موصول ہوتے تھے اور وہ جاگیریں واقع بالکل صحیح صورتحال سے باخبر رہتا تھا۔

اورنگزیب کے تحت شاہی قلمرو کا بیشتر حصہ ہنوز جاگیروں پر مشتمل تھا۔ البتہ تفویض کے نظام میں ایک یقینی تبدیلی کے آثار و علامات ظاہر تھے۔ یہ نظام اس مقصد سے وجود میں لایا گیا تھا کہ صاحبِ آراضی طبقۂ اشرف کے حقوق و اختیارات کو محدود کیا جائے اور مملکت کے لیے ایک باصلاحیت شاہی عملہ مہیا ہو جائے۔ جس کو مشاہرہ بصورت جاگیر دیا جائے گا۔ بہر حال سترھویں صدی کے اختتام تک اس نظام کی ہمواری اور درستی میں شکست و ریخت پیدا ہو جاتی تھی اور یہ نظام ایک ایسے ادارے کی شکل اختیار کر رہا تھا جس میں جمود کے آثار نمایاں تھے اور جو بدلی ہوئی سیاسی اور زراعتی صورتحال کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ شاہی ملازمت کی صلاحیت، بہت کم ہوگئی تھی۔ جاگیرداروں کو مالی پریشانیوں کا سامنا تھا اور وہ بہت زیادہ غیر مطمئن تھے منصب داروں کی فہرست میں نو وارد افراد کو جاگیریں مہیا کرتے کرتے سلطنت کے وسائل بالکل ختم ہو چکے تھے[64]۔

اس طرح جب اورنگزیب کی وفات ہوئی تو جاگیرداری نظام کو بہت سے مسائل کا مقابلہ درپیش تھا جو اس ادارے کے استحکام کے لیے ایک خطرہ معلوم ہوتے تھے۔ تفویض کے نظام میں جو صریحی تضاد تھا وہ اس وقت منصبداروں کی تعداد میں زبردست اضافے سے ظاہر ہوا۔ پرانے ملازمین کے منصب مساوی طور سے بڑھا دیے گئے اور دوسری طرف جاگیریں نایاب ہوگئیں پہلی دو باتوں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جمع میں مصنوعی اضافہ کر دیا گیا اور

61۔ حالِ حاصل، سالِ جاری کی تخمینہ شدہ مالگذاری

62۔ منتخب دستاویزات عہدِ شاہ جہاں صفحہ 88، 88، 90، 164؛ مرآۃ احمدی ج 1 صفحہ 327

63۔ مرآۃ احمدی ج 1 صفحہ 327

64۔ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 602، 602، 396، 397، 411، 412۔ رقعات عالمگیری میں متبادل جاگیر کی عرضداشت پر شہنشاہ کو لکھنا پڑا کہ فی الحال بہت کم جاگیریں دستیاب ہیں اور جاگیروں کا مطالبہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لہذا متبادل جاگیر مہیا کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسرے یہ ہوا کہ منصبداروں کے قدیم خاندانوں یعنی خانہ زادوں اور منصب کے لیے تازہ وارد امیدواروں کے درمیان شدید مقابلہ شروع ہوگیا۔ اورنگزیب کی وفات سے محمد شاہ کی تخت نشینی تک جو دس بارہ سال کا عرصہ گذرا اس میں یہ رجحانات جن کے ہوتے ہوئے جاگیرداری نظام ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا، برابر غالب رہے بلکہ ان میں اضافہ ہوا۔ یہ حالات اور ان کے ساتھ مرکزی اقتدار میں کمزوری انحطاط کے عمل کو تیز کرنے کا باعث ہوئے، اور نادر شاہ کے حملے کے وقت تک یہ نظام مکمل طور سے شکست و ریخت کی زد میں آگیا۔ اگرچہ نام کے لیے منصب بعد میں بھی عطا ہوتے رہے لیکن ان کے ساتھ جاگیروں کا عطیہ شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ نقدی کی بنیاد پر بھرتی کا قاعدہ زیادہ عام ہوگیا۔ چنانچہ وہ جاگیرداری نظام جو عظیم مغلوں کے تحت وجود میں آیا تھا، ناکارہ ہوگیا۔ اس کے بعد دکن، بنگال، بہار اور اودھ کے صوبوں میں جو نئی حکومتیں وجود میں آئیں ان کے اندر یہ نظام جاری رہا یا کسی بدلی ہوئی شکل میں دوسری نوعیت اختیار کرگیا۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے اور جو لوگ ان حکمران سلسلوں کے تحت انتظام مالگذاری کا مطالعہ کرنا چاہیں انکے لیے یقیناً دلچسپی کا حامل ہے۔ فی الحال اس شہادت کی جانچ کافی ہے جو مغل انتظام کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہے اور جس کے ذریعہ مندرجہ بالا نتیجے کی تائید ہوتی ہے۔

1691ء سے ہی یہ مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا کہ جاگیرداروں کی روز افزوں تعداد کو جاگیریں کہاں سے مہیا کی جائیں جبکہ واقعی طور سے جاگیروں کی تعداد بہت کم تھی۔[65] جاگیرداری نظام کا یہ بحران بغیر کسی تخفیف کے اورنگزیب کے عہد کے بقیہ برسوں میں جاری رہا بلکہ شاید کچھ اور بڑھ گیا۔ ہمارا یہ خیال اس امر پر مبنی ہے کہ تخت نشینی کے وقت بہادر شاہ امرا کی ایک بڑی تعداد کو جاگیریں دینے سے قاصر رہا۔ قسمتی سے منصب کے عطیے اور اضافے کے بارے میں اس کی فیاضانہ روش اس بحران کو مزید شدید کرنے کا باعث ہوئی۔ نسخۂ دلکشا کا مؤلف بہادر شاہ کے جلوس کے ابتدائی برسوں کا احوال قلمبند کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اورنگزیب کے زمانے کے تمام منصبداروں کے منصب بڑھا دیے گئے اور ان کو خطابات سے نوازا گیا۔ شہنشاہ کے گرد ایک فوج جمع ہوگئی تھی۔ شہزادوں و نیز خانخاناں اور چند امرا، کو ہندوستان میں جاگیریں ضرور مہیا کی گئیں البتہ امیروں کی ایک بڑی تعداد جاگیروں سے محروم رہی۔ خانخاناں نے شہنشاہ کے سامنے ایک منصوبہ پیش کیا راجپوتوں کی وطن جاگیر کو شاہی انتظام کے تحت لے لیا جائے اور پھر اس کو امرا،

65۔ نسخۂ دلکشا 69 الف ب۔ مزید ملاحظہ ہو منتخب اللباب ج 2 صفحہ 396، 397، 411، 412

کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ نے اس منصوبے کو منظور کیا اور بظاہر شیخ معین الدین چشتی کی زیارت کے بہانے اجمیر کی سمت روانہ ہو گیا۔ دراصل مقصد راجپوتوں کی جاگیروں پر قبضہ کرنا تھا۔[66]

موجودہ شہادت کی رو سے جو رجحانات جاگیرداری نظام کو بگاڑ رہے تھے وہ نہ صرف جاری رہے بلکہ نئے حکمراں کے تحت اور مضبوط ہو گئے۔ ہمارے مآخذ کا اتفاق اس پر ہے کہ بہادر شاہ فطری طور سے نرم طبع اور فیاض آدمی تھا اور انتظامی امور کی خشک تفصیلات پر دھیان دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔[67] اس کا عہد منصبوں کے فیاضانہ اضافے اور ان کی بھرمار سے شروع ہوا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اعلیٰ وادنیٰ سب منصبداروں کو چھ ہزاری وسات ہزاری تک ترقی دے دی گئی اور بہت سے لوگوں کو جنگ، ملک، رائے اور راجہ کے خطابات سے سرفراز کیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ منصب اور خطابات کی اہمیت جاتی رہی۔[68]

نیا حکمراں اپنی اعطائے مناصب کی فیاضانہ روش کے عواقب کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ وہ درحقیقت جاگیرداری نظام کے انحطاط کا آلۂ کار بن گیا جس کی صورت حال بیس سال پہلے ہی سے تشویشناک ہو چکی تھی۔ بہرحال ایسے لوگ بھی معقول تعداد میں موجود تھے جو شہنشاہ کے اس فیاضانہ عمل یعنی منصبوں کے اضافے اور عنایا کے نتائج وعواقب کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جاگیروں کی عدم موجودگی میں ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے، وہ یہ پیش بینی کر رہے تھے کہ اگر اصلاح کے اقدامات نہیں کیے گئے تو یہ نظام پوری طرح بیٹھ جائے گا۔ انہوں نے بہادر شاہ کے پہلے ہی سال جلوس میں انحطاط کو روکنے کے لیے بعض کوششیں بھی کیں، یہ کوششیں اگرچہ ناکام ہوئیں مگر ان کا تفصیل کے ساتھ معائنہ کرنا بے حد ضروری ہے اس لیے کہ جاگیرداری نظام سے متعلق نکتۂ نظر کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔

66۔ نسخۂ دلکشا 169 الف ب۔ مزید ملاحظہ ہو منتخب اللباب ج 2 صفحہ 396، 397، 411، 412

67۔ منتخب اللباب صفحہ 630۔ خافی خان کے بیان کے مطابق بہادر شاہ امور مملکت سے اس قدر بے پرواہ اور غافل تھا کہ کسی ستم ظریف نے اس کی تاریخ جلوس "شاہ بے خبر" سے نکالی۔

68۔ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 628، 629، 630۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 380۔ نسخۂ دلکشا 169 الف۔ احوال الخواقین کے مولف کے بیان کے مطابق بہادر شاہ کے اسلاف کے عہد میں خان کا خطاب زندگی بھر کی ملازمت کے بعد بھی نہیں مل پاتا تھا اور بہت سے امرا خان کا خطاب پانے کی امید ہی میں مر جاتے تھے۔ مگر بہادر شاہ اس قدر فیاض تھا کہ اس کے عہد میں کوئی منصبدار خان کا خطاب پائے بغیر نہیں رہا۔ ملاحظہ ہو احوال الخواقین 45 الف ب۔

اخلاص خاں جو نہایت قابلیت اور دیانت کا مالک تھا اپنے امرا کی روش سے بالکل غیر مطمئن تھا۔ اس کو عرض مکرر کا عہدہ سپرد ہوا۔[74] اس کی نظر اس بات پر گئی کہ بادشاہ لوگوں کی صلاحیت کو جانچے بغیر نہایت فیاضی سے منصب عنایت کر رہا ہے اور عہدے بڑھا رہا ہے وہ شہنشاہ کی روش سے مصالحت کے لیے آمادہ نہیں ہوا۔ اور اس لیے جملۃ الملک سے استدعا کی کہ جاگیروں کے نظام میں کچھ نظم و ضبط پیدا کیا جائے۔ اگر معاملات کو درست کرنے کے لیے کوشش نہ کی گئی تو شہنشاہ کی فیاضی سے سلطنت کے وسائل جو پہلے ہی نہایت قلیل ہیں بالکل ضائع اور تلف ہو جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ سلطنت کے پرانے ملازمین جن کا آج کچھ مقام و مرتبہ ہے ان کو بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس نے یہ تجویز کی کہ جب شہنشاہ کے سامنے دوبارہ پیش ہونے سے قبل منصبوں کی یادداشت وزیر کے دستخطوں کے لیے جائے تو وزیر کو چاہیے کہ وہ پیش نظر امیدواروں کے حسب نسب، ان کی نسل، عہدہ اور حیثیت کے بارے میں معلومات حاصل کرے لیکن وزیر مفت میں غیر مقبول ہونا نہیں چاہتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاص خان کے ذمہ ضروری معاملات کا معاملہ کیا گیا وہ بھی اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے خوشی سے آمادہ نہیں ہوا۔ آخر کار طے یہ پایا کہ مستعد خان عرف محمد ساقی کو یہ کام سپرد کیا جائے اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ شہنشاہ کی پیشی میں دوبارہ دستخطوں کے لیے امیدواروں کے نام جانے سے قبل مندرجہ ذیل نکات کی تفتیش کر لی جائے۔

وہ امیدوار جس کے منصب کے لیے پہلی دفعہ درخواست کی ہے شہنشاہ کی خدمت کا اہل بھی ہے۔

منصب کے عطیے یا اضافے کا سبب۔

سفارش کی نوعیت یا اہمیت۔

متقبدار نے استحقاق سے زیادہ اضافۂ منصب تو حاصل نہیں کر لیا۔ یہ بھی قرار پایا کہ جب تک کسی کی مدّت متعینہ جو ترقی منصب کے سلسلے میں پہلے سے واضح ہے، پوری نہیں ہو جاتی اس کا منصب نہیں بڑھایا جائے گا۔ یہ بات محسوس کی گئی کہ اس تفتیش میں مدّت لگے گی اور جب معلومات مکمل ہو جائیں گی تو مستعد خاں منصب کے عطیے یا اضافے سے متعلق ترتیب وار، یادداشت تیار کرے گا۔[75]

مندرجہ بالا شہادت کی جانچ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجوزہ اصطلاحات کا مقصد یہ نہیں تھا کہ منصبوں کی تخفیف کی جائے یا کچھ عرصے کے لیے نئی بھرتی کو ملتوی کر دیا جائے۔ غالباً ایسی زبردست اصطلاحات کوئی

---

[74] منتخب اللباب ج 2، صفحہ 628، 629۔ اخلاص خان کا تقرر سنہ 1119ھ/1707ء میں ہوا تھا۔

[75] منتخب اللباب ج 2، صفحہ 628، 629۔

سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں تمام با اقتدار منصبدار سخت برہم اور برافروختہ ہو جاتے۔ یہ لوگ جو اصل مملکت کی خدمت کے لیے ملازم رکھے گئے تھے آج مملکت کی قسمت ان کے ہاتھ میں تھی۔ لہٰذا اصلاح کی کوشش اس امر تک محدود تھی کہ چند ایسے ضابطے وضع کیے جائیں جن سے نئی بھرتی پر پابندیاں عائد ہو جائیں۔ غیر مستحق آنے نہ پائیں اور منصبوں کے اضافے کی رفتار میں کمی ہو جائے۔ لیکن حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ وہ اس قدر معتدل اصلاحات بھی نافذ نہیں کر سکی۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مجوزہ اصلاحات پر عملدرآمد کرنے سے وزیر ذاتی طور پر بچا جا رہا تھا۔ بدقسمتی سے ان اصلاحات کے خلاف جو قوتیں برسرکار تھیں ان کی حمایت خود شاہی محل میں بھی کی جاتی تھی۔ چنانچہ مستعد خان بالکل مجبور ہو گیا اور مجوزہ اصلاحات کے نفاذ سے قاصر رہا۔ اکثر و بیشتر یہ ہوتا تھا کہ شہنشاہ کی بیگمات اور دیگر اہلِ دربار کے دباؤ کی وجہ سے مستعد خان کو لازمی تحقیقات کی کارروائی مکمل کیے بغیر یادداشت پر دستخط کرنے پڑتے تھے، لہٰذا وضع شدہ ضوابط اور شہنشاہ کے دستخطوں کی اہمیت قطعی جاتی رہی۔[71]

یہ بات پہلے بتا دی گئی ہے کہ بہادر شاہ کے اوّل سالِ جلوس کے وقت سے بھی امیروں کی بہت بڑی تعداد کے لیے جاگیریں دستیاب نہیں تھیں۔ راجپوتانے کی تسخیر و انضمام کا منصوبہ امیروں کی خاطر ہی بنایا گیا تھا مگر اس پر کامیابی کے ساتھ عملدرآمد نہیں ہوا۔ منصبداروں کی تعداد میں جو بیشمار اضافہ ہوا اور جس طرح پرانے منصبداروں کے عہدے بڑھائے گئے ان دونوں باتوں کو روکنے کی کوشش مکمل طور سے ناکام ہوئی۔ نئے منصبوں کا عطیہ اور موجودہ منصبوں کا اضافہ جاری رہا اور اس عمل کے دوران یہ بالکل نہیں دیکھا گیا کہ جاگیریں کس قدر اور کس حد تک دستیاب ہیں۔ ایسی انتظامی حکمتِ عملی کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ بیشتر صورتوں میں مناصب محض نام کی چیز رہ جائیں اور ان کے حسبِ حیثیت جاگیر کا کہیں کوئی تعلق نہ ہو۔ غالباً ہماری اسناد جب تحریر کرتی ہیں کہ عہدے اور منصب اپنی اہمیت ضائع کر چکے تھے تو ان کے پیشِ نظر جاگیرداری نظام کی یہی صورتِ حال تھی۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اورنگزیب کے عہد میں جاگیرداروں کی یہ ذمہ داری کہ ان کو شاہی اصطبل میں مقررہ تعداد کے اندر مویشی رکھنے پڑیں گے ایک بھاری بوجھ بن چکی تھی۔ جاگیر کی پوری آمدنی بعض اوقات شاہی اصطبل کے مویشیوں کی نصف یا دو تہائی تعداد کے لیے بھی کافی نہیں ہوتی تھی نتیجہ یہ کہ جاگیرداروں اور ان کے نمائندوں کو بڑی مصیبت بھگتنی پڑتی تھی۔ خانخانان کی تجویز پر یہ ضابطہ شاہ عالم کے عہد میں

71ء منتخب اللباب ج 4 صفحہ 159 ۔

وضع ہوا کہ آئندہ جب منصبداروں کو جاگیریں تفویض کی جائیں تو ان کی جاگیروں کی جمع یادام میں سے اس رقم کی جو شاہی اصطبل کے مویشیوں پر خرچ ہوگی، تخفیف کر دی جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس اصلاح کی بدولت منصبدار اور ان کے نمائندے پریشانی سے نجات پا گئے۔ اور اس کو ایک طرح تخفیف محصول کے مترادف سمجھا گیا۔[72] ضمناً جو شہادت کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جمع کا غیر معمولی مصنوعی اضافہ پیش نظر رہتا تھا۔ چنانچہ جمع کی جو برائے نام رقم وضع کی گئی اس سے جاگیرداروں کی آمدنی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔

فرخ سیر کے کردار میں جو کمزوری اور گومگو کی کیفیت تھی، جن حالات میں وہ تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، جس لالچ اور ہوس اقتدار میں سید برادران گرفتار تھے، ان سب وجوہات نے امرا کے درمیان رشک و حسد کی آگ کو اور زیادہ تیز کر دیا اور دربار کو فتنہ وفساد کا اکھاڑہ بنا دیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شہنشاہ کی وہ حالت ہوئی کہ اس کو مغلوں کے شاہی سلسلے کی پہلی کٹھ پتلی سمجھا گیا۔ وہ آسانی سے کبھی امراء کے ایک اور کبھی دوسرے گروہ کا آلۂ کار بنتا رہا اور برابر سازش پسندوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا۔ قطب الملک عبداللہ خان بنیادی طور سے سپاہی تھا اور وزارت کے عہدے کے لیے کسی حال میں بھی مناسب نہیں تھا۔ اس نے اپنے کو عیش و عشرت کے حوالے کر دیا اور انتظام حکومت کی تفصیلات اور دیگر سنجیدہ امور سے بالکل دلچسپی نہیں رکھی۔ آہستہ آہستہ اقتدار اس کے بے ایمان دیوان رتن چند بقال کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ ایسے حالات میں منصب اور جاگیروں کے عطیات سیاسی مصلحتوں سے وابستہ ہو گئے اور تمام دوسری باتیں مثلاً انتظامی قواعد کی مطابقت یا امیدواروں کی نمایاں خدمات وغیرہ پس پشت ڈال دی گئیں۔ بدعنوانی اور اقربا پروری عام ہو گئی۔ چنانچہ جاگیریں اور منصب کبھی منہ بند کرنے اور فتنہ وفساد دبانے کے لیے دیے جاتے تھے اور کبھی اس غرض سے عطا ہوتے تھے کہ برسر پیکار گروہوں کے درمیان توازنِ طاقت پیدا کیا جائے۔ ان اسباب کی بنا پر جاگیرداری نظام کے انحطاط کی رفتار جس میں حرکت دراصل اورنگزیب کے عہد کے اختتام سے ہوئی تھی، فرخ سیر کے عہد میں اور زیادہ تیز ہو گئی۔

مولف احوال الخواقین کے بیان کے مطابق منصبداروں کی اکثریت کو جو پانصدی کے عہدے کی بمشکل صلاحیت رکھتے تھے، پنجہزاری اور ہفت ہزاری منصب عطا کر دیے گئے اور وہ لوگ بڑی بڑی جاگیریں دبا بیٹھے۔ مگر جب ان کو اشد ضرورت کے وقت ملازمت کے لیے بلایا جاتا تھا اور کوئی خدمت سپرد کی جاتی تھی تو وہ انتہائی ناکارہ ثابت ہوتے تھے۔ دوسری طرف عالم یہ تھا کہ پرانے امرا کے خلاف مناسب خدمت اور اظہار کاردانی

72۔ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 602، 603۔

کے لیے ترستے تھے[73]۔ ضمناً ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تمام خالصہ آراضیات کو بطور جاگیر تفویض کر دیا گیا تھا۔ اس قسم کے حالات کا بیان ایک دوسری معاصر تالیف منتخب اللبنا[74] میں بھی ملتا ہے۔ خافی خاں کہتا ہے کہ ہندو، خواجہ سرا اور کاشمیری غلبہ یا فریب کے ذریعہ اعلیٰ منصبوں پر قبضہ جمائے تھے۔ ان کے پاس وہ تمام جاگیریں جا چکی تھیں جن کی مالگذاری سب سے زیادہ تھی اور تمام دوسرے منصبدار محروم رہ گئے۔ باقی کسی اور کے لیے جاگیریں پانا اب مشکل تھا۔ عنایت اللہ خاں[75] نے ضروری اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سارا معاملہ شہنشاہ کے گوش گذار کیا اور تجویز پیش کی کہ عوارجہ[76] اور توجیہہ[77] کے معائنے کے بعد ہندوؤں اور تمام دوسرے نااہل لوگوں کو منصبوں سے معزول کر دیا جائے۔ رتن چند بقال اور دیگر افراد جو وزارتِ مال میں بلند مقامات پر فائز تھے اور نہایت اقتدار کے مالک تھے ان تجویزوں کی شدت سے مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے معاملے کو قطب الملک کی پیشی میں بڑھایا اور اس نے مجوزہ اصلاحات پر عملدرآمد کی ممانعت کر دی۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ تمام ہندو جزیہ دوبارہ عائد کیے جانے اور منصبوں میں تخفیف کی تجویز سامنے لانے کی بنا پر عنایت اللہ خان کے دشمن ہو گئے۔ ان سازشوں کی بدولت جو مصالحت عنایت اللہ خان اور قطب الملک کے درمیان ہو گئی تھی اس پر عمل نہ ہو سکا اور دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے خلاف تلخی پیدا ہو گئی۔

73ھ احوال الخواتین 182 الف ب، 183 الف۔ اس اقتباس میں وہ صورت حال مذکور ہے جو محمد شاہ کے اوّل سالِ جلوس میں وزارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد نظام الملک پر واضح ہوتی جبکہ اس نے تمام کاغذات کا بغور مطالعہ کیا۔ یا مر واقعہ ہے کہ یہ حالات گذشتہ شہنشاہوں کے عہد میں رونما ہو چکے تھے۔ جہاندار شاہ کے عہد کی مدت نہایت مختصر تھی اور وہ اپنے تمام حریفوں کو ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ بہرحال زیر مطالعہ شہادت کو فرخ سیر کے عہد سے متعلق تصور کیا جا سکتا ہے۔

74ھ منتخب اللباب ج 2 صفحہ 775 ۔

75ھ عنایت اللہ خاں 12 / اپریل 1717ء کو دیوانِ تن اور خالصہ مقرر ہوا اور اس کو چار ہزاری ذات اور تین ہزاری سوار کا عہدہ دیا گیا۔ "عہد آخر کے مغل" ایروین ج 1 صفحہ 334)

76ھ صوبے کی جاگیروں اور دیگر آراضیات کی رسیدات اور ادائیگی کا مکمل حساب جس میں سرکاروں اور پرگنوں کی میزان آمدنی معہ ہر موضع کی مالگذاری کی تفصیلات کے درج ہوتی تھی۔

77ھ اس کاغذ میں تنخواہ کی ادائیگی کا اندراج رہتا تھا۔ اس میں مالگذاری کے حسابات، مالگذاری وصول کنندہ کے نام، اداشدہ رقم اور بقایا وغیرہ بھی درج رہتی تھی۔

جس شہادت کا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا ہے وہ غور و فکر کا محتاج ہے اس لیے کہ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جاگیرداری نظام کے لوازمات غائب ہو چکے تھے اور مملکت کے اوپر مکمل طور سے منصبداروں کا غلبہ تھا۔ دوسرے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ منصبوں میں غیر معمولی اور بے مثال اضافہ ہوا۔[78] مگر اس کے مطابق منصبداروں کی کارکردگی اور قابلیت بالکل نہیں بڑھی تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح انجام دے پاتے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ مملکت قطعی اس قابل نہیں تھی کہ منصبداروں کو ان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے مجبور کرتی حالانکہ جاگیریں عطا کیے جانے کی لازمی شرط یہی تھی۔ یہ بات منصبداروں کی اکثریت پر صادق تھی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک نیا طبقہ منصبداروں کی صف میں وارد ہو چکا تھا جس کے پاس سپاہیانہ شائستگی اور اطوار کا قطعی فقدان تھا۔ یہ کشمیری، خواجہ سرا، اور ہندو لوگ تھے۔ پہلے یہ لوگ شاہی دربار میں متصدی اور منشی کا کام کرتے تھے اور محض ریشہ دوانی اور چالبازی سے اعلیٰ مناصب اور منافع خیز جاگیریں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ صورتِ حال یقیناً افسوسناک تھی۔ اس لیے کہ ان منصبداروں کے پاس نہ ضروری قابلیت اور استعداد تھی اور نہ ان کا جی فوجی ذمہ داریوں کے انجام دینے کو چاہتا تھا جو ہر منصبدار کے لیے لازمی تھیں۔ درحقیقت ان کو اس قسم کا منصبدار اور جاگیردار کہنا مناسب ہو گا کہ جنہوں نے بغیر کوئی خدمت انجام دیئے مملکت کی دولت پر ہاتھ صاف کیا۔ تیسری بات یہ کہ

78ء ہماری اسناد کا عام بیان کہ منصبوں کی تعداد میں زبردست اضافہ اور فیاضی کے ساتھ منصبوں کی بخشش بہادر شاہ کی تخت نشینی کے بعد منصبداری نظام کی ممتاز خصوصیت بن چکی تھی۔ حسبِ ذیل شواہد سے مزید پایۂ تصدیق کو پہنچتا ہے، مثلاً:-

عہدِ بہادر شاہ:- (الف) منیر خاں کو خانخاناں بہادر ظفر جنگ کا خطاب عطا ہوا اور اس کا عہدہ 159 سے بڑھا کر ہفت ہزاری ذات، ہفت ہزاری سوار کر دیا گیا۔ (عہدِ آخر کے مغل ایرون ج 2 صفحہ 36)

(ب) اسد خاں کو ہشت ہزاری ذات، ہشت ہزاری سوار، دو اسپہ، سہ اسپہ کا عہدہ عنایت ہوا۔ اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو ہفت ہزاری ذات، ہفت ہزاری سوار کا عہدہ ملا۔ (عہدِ آخر کے مغل ایرون ج 2 صفحہ 38، 39)۔

(ج) نظام الملک کو خانخاناں بہادر کا خطاب اور ہفت ہزاری ذات، ہفت ہزاری سوار کا عہدہ عطا ہوا۔

عہدِ جہاندار شاہ:- جب جہاندار شاہ پہ قاتلانہ حملے کی کوشش کی گئی تو اس وقت رائے مان نام کی عورت جس نے نہ صرف شور مچا کر سب کو آگاہ کیا بلکہ بہادری سے قاتلوں کا مقابلہ کر کے ایک کو مار بھی ڈالا، اس کو رتھا بہادر

اس نئے طبقے کی بدولت جو حال میں جاگیروں اور منصبوں پر حاوی ہوگیا تھا، پرانے خدمت گاروں کی وہ نسلیں محروم ہوگئیں جنہوں نے نہایت وفاداری اور قابلیت کے ساتھ اب تک مملکت کی اعلیٰ ترین خدمات انجام دی تھیں اور جن کو جنگی امور اور حکومت کے حل و عقد کا سابقہ رہتا آیا تھا۔ شدید مقابلے کی دوڑ میں پرانے منصبداروں کے فرزند نوخیز افراد سے پیچھے رہ گئے۔ نتیجہ یہ کہ حیثیت اور اقتدار کے مالک نو دولتیے بن گئے اور پرانے امیرزادوں کو افلاس کے دن دیکھنے پڑے۔ ان حالات نے ایسے لوگوں میں فطری طور سے بےاطمینانی اور شکایت کا ماحول پیدا کیا جو سلطنت کی خدمت کے واقعی خواہشمند تھے اور اس کام کی صحیح قابلیت رکھتے تھے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس گئے گذرے مرحلے پر بھی اصلاح کی کوشش کی گئی مگر جد و جہد بیکار گئی اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

لیکن سب سے اہم صورت جو رونما ہوئی یہ تھی کہ خالصہ آراضیات کو جاگیروں میں دے دیا گیا۔ پھر جو کچھ ہوا اس کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ امرا اور متصدیوں کی حیثیت اور اقتدار میں اضافے کے بعد جاگیروں کے لیے مطالبہ اور شدید ہوگیا۔ انہوں نے برائے نام منصبوں کے عطیے پر مطمئن ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ غالباً بہادر شاہ کے عہد میں بھی وہ اس صورت پر قانع نہیں تھے۔ مگر اب شکایت کا لہجہ بلند اور تیز ہوگیا۔ اور اصرار اس پر تھا کہ جو منصب ملا ہے اسی کے بقدر جاگیر ہونی چاہیے حالانکہ جاگیروں کا پتہ نہیں تھا در اصل وہ تھیں ہی نہیں۔ لہٰذا خالصہ آراضیات کو تفویض کرنے کی ترکیب تجویز کی گئی اور کمزور شہنشاہ جو

گذشتہ:۔ رستم ہند کا خطاب، پنج ہزاری ذات کا منصب بخشا گیا۔ (عہدِ آخر کے مغل۔ ایروین ج 1 صفحہ 281 ۔)

عہدِ فرخ سیر:۔ (الف) محمد مراد خان میر توزک مقرر ہوا۔ اس کا پانچسو کا عہدہ بڑھا کر سہ ہزاری ذات جنوری 1716ء میں کر دیا گیا۔ مارچ 1717ء میں اس کو پنج ہزاری ذات اور دو ہزار سوار پر فائز کر دیا گیا۔ مئی 1718ء میں شش ہزاری ذات اور پنج ہزاری سوار کر دیا گیا۔ دسمبر 1718ء میں ہفت ہزاری ذات، ہفت ہزاری سوار اور دو اسپہ، سہ اسپہ تک ترقی دے دی گئی۔ گجرات، دہلی، اور آگرہ کے صوبوں میں بہترین جاگیریں اس کو تفویض کر دی گئیں۔ (ایروین ج 2 صفحہ 340، 344، 364 ۔

(ب) رتن چند کو 1719ء میں راجہ بنا دیا گیا، اور دو ہزاری ذات کا عہدہ دیا گیا۔ (ایروین ج صفحہ 291)۔ مئی 1720ء میں اس کو پنج ہزاری ذات، پنج ہزاری سوار کے عہدے پر ترقی مل گئی۔ (عہد آخر کے مغل۔ ایروین ج 2 صفحہ 16 ۔)

کسی نہ کسی گروہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا۔ بالآخر اس مطالبے کو منظور کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ شہنشاہ نے تمام محالوں کو جو خالصہ کے طور پر محفوظ رکھی گئی تھیں، دعوے دار منصبداروں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بہت جلد تمام خالصہ آراضیات جاگیرداروں کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں۔ یہ مغل سلطنت کی انتظامی صورتحال میں ایک غیر معمولی صورت حال تھی۔ جس کا مطلب دراصل یہ تھا کہ مملکت کے جملہ اختیارات منصبداروں کے سپرد کر دیئے گئے۔ غرضیکہ وہ طبقہ جو مملکت کی خدمت اور حمایت کے لیے وجود میں آیا تھا آخر میں ایک بھاری اور غیر منافع بخش بوجھ بن گیا اور مملکت کے اختیارات غصب کر بیٹھا۔ منصبداری نظام میں جو تضاد پوشیدہ تھا وہ مکمل طور سے ظاہر ہو گیا۔ جس مملکت نے اس نظام کی تشکیل کی تھی، وہ اسی کے ہاتھوں تباہ ہو گئی۔

خالصہ آراضیات کی جاگیروں میں تبدیلی کے بعد بھی منصبداروں کے اضافے اور جاگیروں کے نقصان کا مسئلہ حل نہ ہوا۔ نتیجہ یہ کہ جن منصبداروں کی خدمات براہ راست شہنشاہ کے ماتحت درکار تھیں ان کو نقد تنخواہیں دینے کا انتظام کیا گیا تاوقتیکہ جاگیروں کا بندوبست ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ شہنشاہ فرخ سیر نے لطف اللہ صادق[79] کی تجویز پر یہ حکم جاری کیا کہ بیس سے لگا کر نو سو تک کے بادشاہی منصبدار[80] اور ہشت ہزاری عہدے کے والاشاہی منصبدار[81]، جاگیروں کا بندوبست نہ ہونے تک پچاس روپیہ ماہوار پائیں گے۔ والاشاہی منصبداروں کی قابلیت اور وفاداری مسلم الثبوت تھی۔ ان کو دس بارہ مہینے تک کوئی تنخواہ نہیں ملی۔ ان کی بڑی تعداد اس امید میں خدمت انجام دے رہی تھی کہ جاگیریں ضرور ملیں گی اور کچھ نہ کچھ بندوبست یقیناً ہو گا۔ مگر یکایک ان کی برطرفی کے احکامات نافذ ہو گئے اور بخشیوں نے ان سے کہہ دیا کہ ان کی ملازمتیں ختم کر دی گئیں۔[82]

79ھ وہ بہادر شاہ کے عہد میں شاہی ملازمت میں داخل ہوا، مگر جہاندار شاہ کے عہد میں معتوب رہا۔ فرخ سیر کے ماتحت وہ دیوان خالصہ مقرر ہوا اور محمد شاہ کے عہد میں خان ساماں کے عہدے پر فائز رہا۔ اس کی وفات احمد شاہ کے عہد میں واقع ہوئی۔ (مآثر الامرا ج 3، جز صفحہ 178۔)

80ھ وہ منصبدار جو برسر اقتدار حکمران کی تخت نشینی کے بعد داخل ملازمت ہوتے تھے۔

81ھ برسر اقتدار حکمران کے سب سے زیادہ قابل اعتماد سپاہی جو شہزادگی کے زمانے میں اس کے ماتحت تعینات رہ چکے تھے اور ذاتی طور سے اس کی نگرانی میں رہتے تھے۔

منتخب اللباب ج 2، صفحہ 769 ۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 405 ۔ مولف سیر المتاخرین کے بیان کی رو سے بھرتی کا حکم پانچویں سال جلوس کے اوائل میں جاری ہوا تھا۔ بیشتر سپاہیوں کو بیس سے لے کر نو سو تک کا عہدہ حاصل تھا۔ اس میں جدا طور سے بادشاہی والا شاہی منصبداروں کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

اس نظام کو مکمل بربادی سے بچانے کی آخری کوشش نظام الملک کی طرف سے ہوئی جس نے وزارت کا عہدہ اکتوبر 1721ء میں سنبھالا تھا۔ اس نے وزارتِ مال کے کاغذات کا تفصیل سے معائنہ کیا اور جب واقعات کی صحیح کیفیت سامنے آئی تو اس کو نہایت تعجب ہوا۔ وزیر نے اپنی معلومات کے نتائج سے شہنشاہ کو مطلع کیا۔ جس نے حکم دیا کہ وزیر حسبِ صوابدید جاگیر آراضیات کا انتظام درست اور بحال کرنے کے بارے میں مناسب اقدامات کا مجاز ہے۔ نظام الملک نے اصلاحات کی جو تجاویز پیش کیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

(1) پرانے امرا کے عہدے بڑھا دیے جائیں۔

(2) جن لوگوں نے ذاتی قابلیت کی بنا پر منصب حاصل نہیں کیے ہیں ان کے عہدوں میں تنزل کر دیا جائے۔

(3) گذشتہ وقتوں میں جو آراضیات بطورِ خالصہ نامزد تھیں ان کو واپس لے لیا جائے۔

(4) وہ جاگیریں جہاں وصولیابی طاقت کے استعمال یا دھمکی کے بغیر نہیں ہو پاتی۔ بااثر اور طاقتور امرا کو تفویض کی جائیں اور ایسی تیول جہاں وصولیابی میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی، چھوٹے اور معمولی منصبداروں کے حوالے کی جانی چاہیے۔[83]

ان مجوزہ اصلاحات کا خاکہ جب سامنے آیا تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں امید پیدا ہوئی[84] اور یہ خیال گردش کرنے لگا کہ اورنگزیب کے عہد سے جو انتظامی استحکام جاتا رہا ہے وہ شاید ایک بار پھر نافذ ہو جائے گا مگر جلد ہی، جلد ان توقعات پر پانی پھر گیا اور وزیر کو صمصام الدولہ اور حیدر قلی خاں جیسے لوگوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جن کے ذاتی مفادات وابستہ تھے وہ اور ایسے لوگ جن کا پیشہ ہی فتنہ و سازش تھا ان سب نے مل کر شہنشاہ کو معاملہ فہم وزیر سے جدا کرا دیا۔ شہنشاہ کو چڑھا کر وزیر کی ذلت کمائی گئی جو بالآخر دسمبر 1723ء میں دہلی سے چلے جانے پر مجبور ہو گیا اور چند مہینوں میں مالوہ پہنچ گیا۔[85] چنانچہ جاگیرداری نظام اور سلطنت کو بچانے کا آخری موقعہ جاتا رہا اور اس کے بعد جو ناگزیر تھا وہ سامنے آیا۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک یہ نظام ایک زندہ ادارہ نہیں رہ گیا تھا۔ آنند رام مخلص کا بیان ہے کہ

83۔ احوال الخواقین 182 الف ب۔ شاہنامہ منور الکلام 8 الف ب

84۔ تذکرۃ الملوک 131 الف ب

85۔ احوال الخواقین 183 الف۔ سیر المتاخرین ج 2 صفحہ 456 - عہد آخر کے مغل، ایروین ج 2 صفحہ 131، 132، 134، 136 - 137

کسی کو شاذو نادر ہی جاگیر ملتی تھی۔ اگر تفویض کا حکم ہو بھی گیا تو اس کو تفویض شدہ جاگیر پر قبضہ ہرگز نہیں مل پاتا تھا۔[86]

فصل سویم

آراضیات مدد معاش

ہندوستان کے مسلمان حکمراں ایسے افراد کو جو پرہیزگار اور صاحب علم و فضل ہوتے تھے، اور ان کو جو اشراف کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن گذر بسر کے وسائل سے محروم ہوتے تھے، معافی یعنی بلا محصول آراضیات دیا کرتے تھے۔ مغلوں نے یہ عمل جاری رکھا۔ ان کے عہد میں یہ آراضیات جن کو دی جاتی تھیں ان میں اہل تقویٰ، اہل علم اور اہل حاجت اشراف، شیوخ، سادات اور ایرانی و تورانی مستورات شامل تھیں۔[87] یہ رقم جو گذارے کی غرض سے دی جاتی تھی یا نقد ہوتی تھی یا عطیہ آراضی کی شکل میں ہوتی تھی۔ آراضی کا گذارہ مدد معاش یا ملک کہلاتا تھا۔[88] دونوں قسم کے گذارے کے لیے سیورغال[89] نام کی عام اصطلاح جاری تھی۔

گویا مدد معاش ایسا عطیہ تھا جو حاجت، تقویٰ، علم یا شرافت نسبی کے اعتراف کے طور پر دیا جاتا تھا خصوصاً اس کے لینے والے سادات اور شیوخ ہوتے تھے۔ ابوالفضل کے بیان کے مطابق چار طبقوں کے لوگ تھے جو عطیۂ مدد معاش کا استحقاق رکھتے تھے۔ اول وہ جو طالبانِ حقیقت تھے اور دنیا انہوں نے ترک کردی تھی۔ دوسرے وہ جنہوں نے خواہشاتِ نفس پر فتح پائی تھی اور پرہیزگاری کی خاطر دنیاوی لذّتوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ تیسرے حاجتمند اور مفلس جو کسی جسمانی معذوری یا وسائل کی محرومی کے باعث کسب معاش سے عاجز تھے اور آخر میں ایسے لوگ جو شرافتِ نسب کا افتخار رکھتے تھے اور خواہ مخواہ کی نخوت کی بناء پر کسی پیشے یا مشغلے کو اختیار کرنا اپنی کسرشان سمجھتے تھے۔[90]

86ھ مرآۃ الاصطلاح 64 ب۔

87ھ آئین اکبری ج ۱ صفحہ ۱۴۱۔

88ھ ایضاً ج ۱ صفحہ ۱۴۰۔

89ھ ایضاً ج ۱ صفحہ ۱۴۰۔ سیورغال کا حکم مغول زبان سے تعلق رکھتا ہے اسکے لفظی معنی عنایت یا عطا کے ہیں۔ اصل میں اس سے وہ دستاویزمت مراد تھیں جن کے تحت تیول عطا کی گئی تھی۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۱۱، صفحہ 800۔)

90ھ آئین اکبری ج ۱، صفحہ ۱۴۰، ۱۴۱۔

عطیے کی نوعیت

معلوم یہ ہوتا ہے کہ عطیات شہنشاہ کی مرضی کے مطابق دیئے جاتے تھے۔ ان کی تجدید ہوتی تھی، توسیع ہوتی تھی، اور بعض اوقات تخفیف یا ضبط بھی عمل میں آ سکتی تھی۔ مگر واقعی طور سے صورت یہ تھی کہ عطیہ پانے والے کو آراضی پر موروثی حقوق دے دیئے جاتے تھے۔ بشرطیکہ اس کے وارثوں کے عطیے کی تجدید، توثیق اور تصدیق ہوتی رہے۔[92] بعض فرامین میں خصوصیت سے یہ تحریر ہے کہ عطیہ شخص مذکور اور اس کے وارثوں کو دیا جا رہا ہے۔[93] معلوم یہ ہوتا ہے کہ تصدیق و توثیق ہر سال نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً ہوتی تھی۔[94] ان عطیات کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اکثر و بیشتر یہ سب معافی کے طور پر دیے جاتے تھے، یعنی مالگزاری اور دوسرے تمام محصول جو حقوقِ دیوانی اور عوارضاتِ سلطانی کہلاتے تھے، ان پر بالکل معاف ہوتے تھے۔[95] اس طرح گویا مدد معاش کے عطیات ہر طرح کے محصول سے آزاد ہوتے تھے اور عطیہ پانے والا قطعی مجاز تھا کہ آراضی کی کل پیداوار یا اس سے وصول ہونے والی مالگزاری کو اپنے تصرف میں لائے۔ وہ اس آراضی کو پٹے پر کاشتکاروں کو اٹھانے کا بھی اختیار رکھتا تھا۔ مگر مدد معاش کی آراضی میں تخفیف کی کارروائی کو خارج از قیاس قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ہمارے پاس اس بات کی شہادت موجود ہے کہ بعض اوقات

---

91 ایضاً ج ۱، صفحہ 140، 141 -

92- دستاویزاتِ الہ آباد 167، 169، 173، 175، 154 -

93- ایضاً 9، 165، 172، 172، 174، 176 - 178

94- ایضاً 161 -

95- فرہنگ کاردانی 39 ب۔ تخفیف شدہ محصولات کی فہرست دستاویزات الہ آباد ع میں اور اکبر کے ایک فرمان کی نقل میں دی ہوئی ہے۔ موخر الذکر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ محصولات مذکور حسبِ ذیل تھے:۔ قلبانہ یعنی محصول کاردانی، پیشکش یعنی کچھ تحفہ وغیرہ، جرمانہ یعنی محصول پیمائش آراضی، ضابطانہ (وصولیابی کرنے والے کا حق) مہرانہ (دستاویزوں پر مہر لگانے کا محصول) داروغانہ (نگرانی کرنے کا حق) بیگار یعنی بغیر کچھ ادا کیے کسی سے کام لینا، شکار یعنی محصول شکار، دہ نیمی یعنی پانچ فیصدی محصول، قانونگوئی یعنی قانونگو کا حق، ضبط ہر سالہ یعنی ہر سال کے بندوبست کا خرچہ۔ مزید ملاحظہ ہو منتخب دستاویزات، عہد شاہ جہاں صفحہ 190 -

مدد معاش کی آراضیات کا تخمینہ لگایا جاتا تھا۔ دراصل سب سے پہلی شہادت جس سے مدد معاش کی آراضیات کا تخمینہ ثابت ہوتا ہے شاہجہاں کے عہد میں سنہ 1058ھ / 1648ء سے متعلق ہے۔ دفترِ آثار، یوپی، الٰہ آباد میں محفوظ ایک دستاویز کے معائینے سے ہم کو یہ پتہ چلا کہ شاہ جہاں کے عہد میں نوسو بیگھہ آراضی بیگم برلاس نام کی خاتون کو عطا کی گئی۔ سنہ 1058ھ/1648ء میں کل آراضی میں سے 476 بیگھہ ایک بسوہ مزروعہ آراضی کا تخمینہ مبلغ آٹھ آنہ فی بیگھہ کی شرح سے جو کہ پرگنہ میں رائج تھی، لگایا گیا۔ مالگذاری کی بقیہ رقم جو 188 / 6 / ہوتی تھی۔ سنہ 1060ھ/1450ء کے حساب میں منتقل کردی گئی۔

جس شہادت کا خلاصہ اوپر پیش کیا گیا۔ اس پر غور کرنا مناسب ہوگا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ مخصوص حالات کیا تھے جن کے باعث مددِ معاش آراضی کے ایک حصے کا تخمینہ لگایا گیا۔ اور نہ یہ اطلاع کہیں درج ہے کہ پہلے جزکی اور بعد میں کل کی تخفیف کیوں ہوگئی۔ البتہ اس شہادت سے یہ حقیقت ضرور ثابت ہوجاتی ہے کہ بعض خصوصی حالات میں، جن کا دستاویز مذکور میں حوالہ نہیں دیا گیا، معافی آراضیات کا جزوی تخمینہ لگایا جاسکتا تھا اور اگر لازم سمجھا گیا تو تخمینہ شدہ مالگذاری یا اس کے جز کی تخفیف کردی جاتی تھی۔

مزید ایک اور دستاویز کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے جو اسی عہد کی ہے کہ موضع بھوسرا اور موضع ہیبت پور میں واقع آراضیات آئمہ کا تخمینہ بالترتیب مبلغ 25/2 روپیہ اور 5/۰ کے حساب سے لگایا گیا۔[96] کسی اور جگہ ہماری نظر سے گذرا ہے کہ امیٹھی کے آئمہ دار کو مروجہ مالگذاری مبلغ 15/= ۱۰/ر روپیہ ادا کرنی پڑتی تھی۔ دیگر پرگنات مثلاً حیدرگڑھ، ستراکھ، ابراہیم پور اور انبولہ کے آئمہ دار بھی متعینہ رقم بطورِ مالگذاری ادا کرتے تھے۔[98] معلوم یہ ہوتا ہے کہ پورے پرگنے مدد معاش میں دے دیے جاتے تھے۔ مگر اس قسم کی آراضیات میں مالگذاری کے تخمینے کی کارروائی ہوتی تھی۔ ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ مدد معاش کی بعض آراضیات کم وبیش وہی حیثیت اختیار کرچکی تھیں جو زمینداری کی آراضی کو حاصل تھی مگر یہ، کہ ان کو ہنوز مدد معاش یا آراضی آئمہ کہا جاتا تھا، اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے تخمینے

---

[96] دستاویزات الٰہ آباد 1ء

[97] ایضاً 218ء۔ مورخہ 1179ھ/1764ء

[98] ایضاً 228ء، مورخہ 1179ھ/1764ء

کی شرح غالباً زمینداری کی آراضیات سے ہلکی تھی۔ دراصل مذکورہ بالا شہادت سے اس نتیجے کی تائید ہوتی ہے۔ اوپر ایک حوالہ دیا جا چکا ہے کہ پورے موضع کا تخمینہ فقط مبلغ 25/= روپیہ لگایا گیا۔ بلکہ ایک دوسرے عطیہ پانیوالے کو محض 5/= روپیہ بطور مالگذاری ادا کرنے پڑتے تھے۔ مزید معلوم یہ ہوتا ہے کہ سالم پرگنہ امیٹھی کا کل تخمینہ مبلغ دس ہزار روپیہ لگایا گیا جبکہ حسبِ معمول کسی پرگنے کی مالگذاری اس قدر قلیل نہیں ہونی چاہیے۔

آخر میں یہ بات دھیان میں رہے کہ مدد معاش رکھنے والوں کو اپنی آراضی بیع یا بطور ہبہ منتقل کرنے کا بالکل اسی طرح حق تھا جیسے زمینداروں کو تھا۔ یہ نتیجہ اس شہادت پر مبنی ہے جو اورنگزیب اور اس کے بعد کے عہد سے تعلق رکھتی ہے۔ البتہ ہم یقین کے ساتھ اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتے کہ اکبر اور اس کے بعد کے دو جانشینوں کے عہد میں بھی مدد معاش رکھنے والوں کو آراضی کے بیع و انتقال کا حق حاصل تھا۔ غرضیکہ عملی طور سے مددِ معاش رکھنے والے ان آراضیات کو جو ان کو بطورِ عطیہ حاصل ہوئیں، قطعی مالک تھے۔ اور جہاں تک آراضی سے دلچسپی اور مفاد کا تعلق تھا، وہ لوگ چھوٹے زمینداروں سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھے۔ بہرحال مدد معاش رکھنے والوں کی اکثریت کو واحد حیثیت سے یہ رعایت حاصل تھی کہ جملہ محصولات کی اقتصادی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ تھے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان میں خاصی بڑی تعداد کو زمینداروں کی طرح مالگذاری ادا کرنی پڑتی تھی مگر ان کے ساتھ رعایتی سلوک ملحوظ رکھا جاتا تھا اور ان کی آراضیات پر مالگذاری کے تخمینے کی شرح بہت ہلکی تھی۔

مدد معاش کی آراضیات جاگیر کے علاقے میں بھی دی جا سکتی تھیں۔[99] ان محالوں میں بھی دی جا سکتی تھیں جن کو بطورِ خالصہ نامزد کیا گیا ہو۔[100] اور ایسی آراضی میں سے بھی دی جا سکتی تھیں جن کو بیکار سمجھ کر جمع سے خارج کردیا گیا ہو۔[101] یہ بھی ایک مسلمہ دستور تھا کہ آراضی مدد معاش خالصہ اور جاگیر محالوں سے علیحدہ کرکے یکجا کردی جاتی تھی تاکہ پیمائش کے وقت تنازعہ پیدا نہ ہو۔[102] مدد معاش آراضیات کو

---

[99] دستور العمل بیکس 140 الف ب۔

[100] اکبر کا فرمان (986 ھ) دستاویزات الہ آباد ع 3، 156، 157، 162۔

[101] دستاویزات الہ آباد ع 156، 157، 159، 160، 162۔

[102] ایضاً ع 10، 180، 160۔

خالصہ اور جاگیر محالوں سے علیحدہ کرنے کا خیال سب سے پہلے اکبر نے پیش کیا۔[103] خالصہ اور جاگیر آراضیات کے اندر سے مدد معاش کے عطیے زیادہ نہیں تھے۔ خصوصاً اکبر کے عہد کی بہت تھوڑی سی دستاویزات ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مدد معاش کا عطیہ خالصہ آراضی میں سے دیا گیا ہے۔[104] آہستہ آہستہ یہ رجحان بڑھتا رہا کہ مدد معاش کے عطیات میں بیکار اور غیر مزروعہ آراضیات دی جائیں جو جمع سے خارج کردی گئی ہیں اور اٹھارویں صدی کے نصف اول میں یہ قطعی طور سے ایک انتظامی عمل بن گیا۔[105] اکبر کے عہد میں جو عطیہ مدد معاش کی صورت میں دیا جاتا تھا اس میں یہ ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ مزروعہ اور قابل زراعت آراضی کا تناسب ادا ہونا چاہیئے۔[106] معلوم یہ ہوتا ہے کہ آئین میں جو تناسب دیا ہوا ہے، وہ ایک معیار کی حیثیت رکھتا ہے اس کو جامع ضابطہ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ مقامی حالات کے پیش نظر کمی بیشی کی گنجائش رہتی تھی۔[107] تنہا ایک فرمان کے ذریعہ مدد معاش عطیے کا رقبہ پندرہ بیگھہ سے لگاکر چار ہزار بیگھہ تک ہوسکتا تھا۔[108] عام طور سے مدد معاش کے بڑے عطیات پانچسو سے لے کر ایک ہزار بیگھہ کے حدود میں ہوتے تھے۔ مگر یہ تصور کرنا غلط ہوگا جیسا کہ بعض فاضلوں نے سمجھا ہے کہ مدد معاش پر ایک ہزار بیگھہ کی پابندی تھی اور اس سے اوپر نہیں دی جاتی تھی۔ درحقیقت ایسی شہادت بھی ہے کہ تنہا ایک فرمان کی رو سے جو آراضی بطور مدد معاش دی گئی وہ چار ہزار بیگھہ کے رقبہ سے بھی متجاوز تھی۔[109]

103ھ دستاویزات الہ آباد ع 29۔

104ھ اکبر کا فرمان مورخہ 986ھ۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کل عطیہ قابل کاشت آراضی شامل جمع کے اندر سے دیا گیا۔ فرمان میں ان آراضیات کا رقبہ جو کاشتکاروں کی کاشت میں تھی یا عطیہ پانے والوں کی خود کاشت تھی جداگانہ دیا ہوا ہے۔ بعض اوقات کسی پرگنے میں متعدد مواضعات بطور مواضعات آئمہ علیحدہ کردیئے جاتے تھے اور ان کو جمع میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ (ملاحظہ ہو سیاق نامہ صفحہ 33، 39۔)

105ھ دستاویزات الہ آباد ع 157، 158، 159، 163۔ فرہنگ کاردانی، ورق 39 الف

106ھ آئین اکبری ج 1، صفحہ 141۔

107ھ دستاویزات الہ آباد ع 162۔ اس دستاویز پر جہانگیر کے چودھویں سال جلوس کی تاریخ ہے۔ دستاویزات ع 162 مورخہ 1004ھ 29 بیگھہ، 20 بیگھہ مزروعہ، 9 بیگھہ غیر مزروعہ کا عطیہ درج ہے۔

108ھ دستاویزات الہ آباد ع 159۔

109ھ دستاویزات الہ آباد ع 159، مورخہ بارھویں سال جلوس شاہجہانی۔ 1094ھ/1639ء۔ مزید ملاحظہ ہو

عطیہ مدد معاش کی کارروائی

دفتر آثار (یو۔پی) الٰہ آباد کی محفوظات[110] اور فرہنگ کاردانی کی دستاویزوں کے ذریعہ[111] عطیہ مدد معاش کی کارروائی اور طریقۂ کار کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ایک روئیداد یعنی "فرد حقیقت" جو امیدوار کے استحقاق اور لازمی سفارش پر مبنی ہوتی تھی۔ شاہی دربار میں پیش کی جاتی تھی۔ دربار میں موصول ہونے کے بعد اس کا 'سیاہہ'[112] میں اندراج ہوتا تھا۔ پھر شہنشاہ کی نظر سے گذرتی تھی۔ اگر روئیداد میں مذکور سفارش کو شہنشاہ نے منظور فرما لیا تو وہ عطیہ مدد معاش کے لیے زبانی احکامات دیتا تھا۔ عطیے کی تفصیلات، صدر کا نام، وقائع نگار کا نام، یہ سب باتیں یادداشت وقائع میں ثبت کر لی جاتی تھیں۔ ان اندراجات کی تکمیل کے بعد صدر ہدایت دیتا تھا کہ یادداشت دوبارہ شہنشاہ کی خدمت میں پیش کی جائے۔ اس کارروائی کو عرض مکرر کہتے تھے۔ جب یہ تمام رسمی ضابطے پورے ہو گئے تو صدر حکم دیتا تھا کہ شہنشاہ کے منظور شدہ عطیہ مدد معاش کا فرمان تیار کیا جائے۔ فرمان میں آراضی کا رقبہ متعین ہوتا تھا، عطیہ پانے والے کا نام ہوتا تھا اور متعلقہ حکام کو ہدایت ہوتی تھی کہ فرمان کی نقل کو محفوظ کر لیں اور عطیہ مذکور پر اس شخص کو قابض کرا دیں جس کو مدد معاش کا عطیہ ملا ہے۔ جو کارروائیاں دربار میں مکمل ہوئیں ان کا بیان اور مدد معاش کی صورت میں دی گئی آراضی کے رقبے کی تفصیلات[114] فرمان کی پشت پر درج کر دی جاتی تھیں اس کو "ضمن" کہتے تھے۔ فرمان کے خلاصے

گذشتہ:۔ دستاویزات الٰہ آباد 144، 180، 190، جن میں 1562 بیگھہ، 3039 بیگھہ اور 2220 بیگھہ کے عطیات حسب ترتیب درج ہیں۔

110 دستاویزات الٰہ آباد 220، 226۔

111 فرہنگ کاردانی 39 الف۔

112 ایضاً 39 الف

113 غالباً سیاہہ وقائع کی طرف اشارہ ہے یا وہ کتابچہ مقصود ہے جس میں عدالتی کارروائیاں درج کی جاتی تھیں۔

114 معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکبر کے ماتحت سنہ 986 تک جو آراضی بطور مدد معاش عطا ہوتی تھی اس کے رقبے کی تفصیلات فرمان کے متن میں درج کی جاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو اکبر کا فرمان مورخہ 986ھ / 1587ء شعبۂ تاریخ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔

پر مشتمل صدر کے دفتر سے ایک پروانہ جاری ہوتا تھا جس پر اس کی مہر ہوتی تھی۔ اس پروانے میں فرمان کے مفصلات کا حوالہ ہوتا تھا۔ جس تاریخ کو فرمان جاری ہوا ہے وہ تاریخ ہوتی تھی اور گماشتوں[115] اور کروڑیوں کے نام ہدایت ہوتی تھی کہ شاہی احکام کی تعمیل کریں۔

تصدیق، توثیق اور تجدید

مدد معاش میں جو عطیہ دیا جاتا تھا اس کی وقتاً فوقتاً صدر کے دفتر سے تصدیق و توثیق ہوتی رہتی تھی۔ عطیہ پانے والے کی یہ ذمہ داری تھی کہ مقامی صدر کے دفتر میں پہنچ کر اپنا دعویٰ ثابت کرے اور معتبر گواہوں کے ذریعہ اس امر کی تصدیق کرائے کہ وہ حیات ہے اور عطیۂ مدد معاش اس کے قبضے اور استعمال میں ہے۔ اگر صدر کو ان باتوں کے سلسلے میں اطمینان ہوگیا تو مدد معاش پانے والے کو ایک سند[116] دی جاتی تھی جس میں آراضی پر اس کے قبضے اور استعمال کی تصدیق ہوتی تھی۔[117] اس کارروائی کو "تصحیح" کہتے تھے۔[118] مدد معاش پانیوالے کی وفات پر اس کے وارثوں کو عطیے کی تصدیق و تجدید کے لیے عرضداشت کرنی پڑتی تھی۔ وہ اپنے دعوے کے اثبات میں گواہ پیش کرتے تھے جن کو مندرجہ ذیل باتوں کی تصدیق کرنی ہوتی تھی:

(1) یہ کہ دعویدار بقید حیات ہیں اور متوفی کو جو آراضی ملی تھی وہ ان کے قبضے اور استعمال میں ہے۔

(2) یہ کہ ان کے پاس گذر بسر کے وسائل بالکل نہیں ہیں۔

(3) یہ کہ گذشتہ صدر کی دی ہوئی تصدیق و توثیق کی اسناد ان کے پاس موجود ہیں۔

اگر صدر ان مسائل پر مطمئن ہوگیا تو وہ متوفی کے وارثوں کے حق میں آراضی کی تصدیق و تجدید کی سفارش کر دیتا تھا۔ اس طرح تصدیق و تجدید کی کارروائی کو "حسب الحکم" کہتے تھے۔[119]

---

115 گماشتہ، نمائندہ۔

116 سند: حکمنامہ

117 دستاویزات الہ آباد ع 2، 165، 168، 174، 176، 178۔

118 ایضاً ع 168، 171 - 178

119 موجودہ مؤلف کے مطالعہ سے تقریباً دس مثالیں ایسی گذری ہیں جن کی رو سے متوفی عطیہ پانے والے کے وارثوں کے حق میں تجدید و تصدیق کی گئی ہے مگر ان دس میں سے نو کی تجد یق "حسب الحکم" کی تعمیل میں کی گئی۔ فقط ایک مثال ایسی ہے جس میں عطیے کی تصدیق و تجدید فرمان کی رو سے ۔ ز اور جہاں آراضی کا رقبہ

صدر کا محکمہ

مدد معاش آراضیات کا انتظام ایک جداگانہ محکمے کے سپرد ہوتا تھا جو صدر یا صدر الصدور کے ماتحت ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد میں یہ محکمہ اتنا لمبا چوڑا نہیں تھا مگر باقاعدہ طور سے منظم ضرور تھا اور تین بڑے حاکم اس کے نگراں ہوتے تھے جو کہ تبلیغی یعنی اعلیٰ استعداد کا مدیر جو دیوانِ رسالت کہلاتا تھا، دوسرے قاضی اور تیسرے میر عدل اہم مقام رکھتے تھے۔ صدر کا انتخاب بعض اہلیتوں کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ مثلاً یہ ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ وہ وسیع النظر اور صاف ذہن کا آدمی ہو تاکہ نسل اور عقاید کے باعث امتیاز نہ کرے۔ صدر کے لیے دو صفات یہ لازم سمجھی جاتی تھیں کہ اس کو مہربان طبع اور محنتی آدمی ہونا چاہیے۔[120]

صدر کے اختیارات اور امور

صدر کی سب سے اہم ذمہ داری یہ تھی کہ صاحبانِ حاجت اور استحقاق کے احوال سے باخبر رہے۔ اور ان کی احتیاجات کا اندازہ لگائے۔ تاکہ اسی کے مطابق ان کے گذارے کا انتظام کیا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ وہ مرکز اور صوبوں میں اپنے محکمے کی تنظیم کرنے اور اس کو چلانے کا ذمہ دار تھا۔[121] شہنشاہ مدد معاش کے عطیات منظور کرتے وقت اس سے مشورہ لیتا تھا اور یہ بات فرمان کی پشت پر ثبت کردی جاتی تھی۔[122] مدد معاش آراضی کے عطیات سے متعلق ہر ایک ضروری کاغذ پر اس کی مہر ہوتی تھی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ قاضی، صوبائی صدر، اور مفتی اس کی سفارش اور مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔[123] صدر اپنے محکمے میں تقرر

گذشتہ:۔ چار ہزار بیگھہ سے اوپر تھا۔ (دستاویزات الٰہ آباد ع 1547) معلوم یہ ہوتا ہے کہ فرمان کے ذریعہ تجدید و تصدیق خاص صورتوں میں ہوتی تھی جہاں مثلاً آراضی کا رقبہ بہت زیادہ ہو وغیرہ۔ جو تجدید و تصدیق حسب الحکم کی رو سے عمل میں آئی اس کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو دستاویزات الٰہ آباد ع 9، 166، 168، 169، 170، 171، 173، 175۔

[120] آئینِ اکبری ج ۱ صفحہ 140۔

[121] ایضاً ج ۱، صفحہ 141۔

[122] اکبر کا فرمان مورخہ 986ھ

[123] مرآۃ احمدی، ضمیمہ صفحہ 173۔

کی منظوری کے وقت، مدد معاش آراضی کے عطیے کے وقت، اور تجدید و توثیق کے وقت پروانہ جاری کرتا تھا۔[124]

حیثیت

اکبر کے عہد کی ابتدا میں معلوم ہوتا ہے کہ جو صدر مقرر کیے گئے ان کو بہت بڑی حیثیت حاصل تھی ور مدد معاش عطیات کے سلسلے میں ان کے اختیاراتِ تمیزی بھی نہایت وسیع تھے۔ بہرحال جب محکمے میں اقربا پرستی زیادتی سے ہونے لگی تو اکبر کو صدر کی حیثیت اور اختیارات کے بارے میں اپنا دیہ بدلنا پڑا۔ اس نے محکمۂ مذکور کے انتظام میں ذاتی دلچسپی لینی شروع کی اور صدر کے بہت سے اختیارات اپس لے لیے گئے۔ یہ ضابطہ مقرر ہوا کہ ایسے تمام معاملے جن میں عطیہ مدد معاش پانچ بیگھہ سے زیادہ و شہنشاہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور جب تک شہنشاہ منظوری نہ دے ان عطیات پر پابندی ہے گی۔ بعد میں ایک دوسرا حکم جاری ہوا جس کی رو سے قرار پایا کہ تمام عطیات جو سو بیگھہ سے اوپر ہیں ور جن کا رقبہ فرمان میں واضح نہیں ہے ان کو گھٹا کر اصل کا دو تہائی رہنے دیا جائے اور ایک تہائی رقبہ و حاصل ہوا اس کو خالصہ میں منتقل کر دیا جائے۔

صدر کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ اگر عطیہ پانے والا وفات پا جائے تو ایسی آراضی جو ایک سے زیادہ راد کو دی گئی ہے تقسیم کر دی جائے۔ متوفی کا حصہ خالصہ میں داخل کر لیا جائے البتہ اگر متوفی کے ورثا ہنشاہ کی خدمت میں پیش ہوں تو یہ حکم نافذ نہ ہو۔ صدر کا اختیار محدود کر دیا گیا کہ وہ شہنشاہ کی پیشگی منظوری کے بغیر پندرہ بیگھہ آراضی دے سکتا ہے۔ صدر کو پرانے عطیات کی تصدیق، توثیق اور تجدید کا اختیار ھی مل گیا۔[125] جہانگیر کے عہد کے ابتدائی برسوں میں صدر کے بعض پرانے اور خصوصی اختیارات کا اعادہ ر دیا گیا لیکن وہ زیادہ دن حاصل نہیں رہے اور سترہویں سال جلوس میں شہنشاہ نے صدر کو اپنے خصوصی ختیارات اور آراضی کا عطیہ دینے کے اختیار سے محروم کر دیا۔[126] شاہجہاں کے ماتحت صورت حال اصولاً ھی رہی مگر موسوی خان جو صدر تھا اس نے اپنے اختیارات سے اکثر تجاوز کیا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ

---

[124] ایضاً صفحہ 173۔ دستاویزات الہ آباد عـ 55

[125] آئین اکبری ج ۱، ۱۴۱۔

[126] مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ، ابن حسن صفحہ 272، 273۔

اس نے شہنشاہ کے علم و اطلاع کے بغیر نااہل اور غیر مستحق افراد کو مدد معاش آراضیات اور وظیفے دیے ہیں۔ شاہجہاں نے اس معاملے کی سخت گرفت کی اور صدر کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔[127]

صدر الصدور کا عہدہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں مسلسل برقرار رہا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس کے محکمے میں سب تقرر اس کی سفارش سے ہوتے تھے اور تقرر کے احکام پر اس کی مہر ہوتی تھی۔[128] منتخب اللباب کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید برادران کی بالادستی کے زمانے میں میر جملہ صدارت کل کے عہدے پر فائز تھا اور اس زمانے میں اس عہدے کا اختیار و اقتدار بہت کچھ ختم ہو چکا تھا۔ شریعت کے قوانین سے متعلق جتنے معاملات تھے ان پر مکمل طور سے رتن چند بقال کا حکم چلتا تھا۔ حتیٰ کہ قاضیوں اور محکمۂ قانون و عدالت کے دیگر حاکموں کا تقرر بھی وہی کرتا تھا۔[129]

صوبائی صدر

اکبر نے صدر الصدور کے اختیارات میں تخفیف کرنے کی کوشش کی اور اس محکمے میں جو بدعنوانی پھیلی ہوئی تھی اس کو روکا۔ اس نے پرگنہ اور صوبہ کی سطح پر بھی محکمۂ مذکور کی تنظیم پر خاص توجہ دی۔ مدد معاش آراضیات کو خالصہ اور جاگیر آراضیات سے علیحدہ کر دیا گیا اور ان کو براہ راست صوبائی یا علاقائی صدور اور پرگنہ قاضیوں کے انتظام میں دے دیا گیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک صدر الصدور کا عہدہ منسوخ پڑا رہا اور مدد معاش آراضیات کا انتظام علاقائی اور صوبائی صدور کے سپرد رہا۔[130] بہرحال بعد میں صدر الصدور کا عہدہ بحال کر دیا گیا اور صوبائی صدر بھی مسلسل سترھویں اور اٹھارویں صدی کے نصف اول میں کام کرتا رہا۔ عظیم مغلوں کے تحت صوبائی صدر کے امور و فرائض کے بارے میں ہم کو بہت زیادہ علم نہیں ہے البتہ اس کے عہدے سے جو امور و فرائض وابستہ تھے جیسا کہ عہدہ مذکور کا وجود اٹھارویں صدی کے نصف اول میں تھا ان کا بیان مرآۃ احمدی میں دیا ہوا ہے۔[131] صوبائی صدر کا تقرر ایک سند کے

---

[127] مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ، ابن حسن صفحہ 275۔ بادشاہنامہ ج 2 صفحہ 365، 366۔

[128] مرآۃ احمدی ضمیمہ ج صفحہ 173

[129] منتخب اللباب ج 2 صفحہ 893۔

[130] اکبرنامہ ج 3 صفحہ 372۔

[131] مرآۃ احمدی، ضمیمہ صفحہ 173۔

ذریعہ ہوتا تھا جس پر صدر الصدور کی مہر ثبت ہوتی تھی۔ وہ ذات اور سوار کے عہدے کا مالک ہوتا تھا۔ اس عہدے کے ساتھ لازمی طور سے پچاس ذات اور دس سوار کی شرط وابستہ تھی۔ اس کے ماتحت قاضی، محتسب[132]، امام[133]، مقبروں کے متولی[134] اور موذن[135] حضرات ہوتے تھے اور ان کے تقرر کا حکم اسی کے دفتر سے جاری ہوتا تھا۔ مدد معاش، وظیفہ اور روزمینہ سے متعلق سندیں تصدیق اور توثیق کے لیے اسی کے سامنے پیش کی جاتی تھیں۔ مدد معاش آراضیات کو واپس لینے سے متعلق کاغذات پر اس کی مہر اور دستخط ہوتے تھے۔

متولی

مدد معاش آراضیات کا انتظام پرگنہ کی سطح پر متولی کرتا تھا[136]۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں متولی کا تعلق مدد معاش آراضیات کے انتظام سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ دستور العمل بیکس میں موجود ایک دستاویز سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ پرگنہ متولی کا تقرر شاہی احکام کے ذریعہ ہوتا تھا اور وہ صدر کے ماتحت کام کرتا تھا۔ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ مدد معاش پانے والے افراد اور دیگر اہل وظیفہ کے احوال پر نظر رکھے اور صدر کے دفتر کو باقاعدہ روئیداد بھیجتا رہے۔ وہ مدد معاش عطیات سے متعلق کاغذات اور دوسرے نقد وظیفے کے کاغذات پر اپنی مہر ثبت کرتا تھا[137]۔

132ھ متولی: املاک خیریہ کا نگراں۔

133ھ امام: جو اپنے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھائے۔

134ھ موذن: نماز سے قبل مسجد کی مینار یا بلند مقام پر کھڑے ہو کر اذان دینے والا جس سے لوگوں کو نماز کیلیے بلانا مقصود ہوتا ہے۔

135ھ محتسب: محکمہ پولیس کا ایک افسر جس کے ذمے یہ کام تھا کہ باٹوں کے وزن کا معائنہ کرے، بازار میں چیزوں کے بھاؤ پر نظر رکھے، اور لوگوں کو شراب خوری سے منع کرے وغیرہ۔

136ھ مورخہ 1019ھ / 1610ء کی ایک دستاویز میں متولی کو دستخط کنندگان میں شامل بتایا گیا ہے۔ بعد میں ایک دستاویز سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرگنہ کی سطح پر مدد معاش آراضیات کے انتظام سے وابستہ ایک افسر ہوتا تھا۔ (دستور العمل بیکس 38، 39) یہ ممکن ہے کہ اگر اس سے پہلے نہیں تو جہانگیر کے عہدے ضرور متولی کا عہدہ وجود میں آتا ہے۔

137ھ دستور العمل بیکس 38، 39۔

مغلوں کے تحت زراعتی نظام میں سیور غال یا آراضیات مدد معاش نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بے فائدہ خیرات کا ادارہ تھا، جس کی وجہ سے مفت خوروں کا ایک طبقہ وجود میں آگیا تھا۔ جو ملک کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں کوئی مقام نہیں رکھتا تھا بلکہ ان کی وجہ سے خواہ مخواہ شاہی خزانہ خالی ہوتا تھا۔ مگر اس ادارے کو بغور جانچنے سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ مندرجہ بالا مفروضات کو غلط اور بے بنیاد ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ ملک کے زرعی ڈھانچے میں یہ ایک نہایت فعال اور فائدہ مند ادارہ تھا۔ ملک کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی زندگی پر اس کے نقوش بہت گہرے تھے اور مغل سلطنت کے انتظامی معاملات میں اس ادارے کا عمل دخل بہت زیادہ تھا۔

عام طور سے مغل شہنشاہ دنیاوی نقطۂ نظر رکھتے تھے اور ان کے بارے میں یہ سوچنا غلط ہوگا کہ وہ عوام کی دولت کو مفت خوروں کے ایک ایسے طبقے پر خرچ کرتے تھے جس سے ان کا کوئی سیاسی اور انتظامی مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ کا ہر طالبعلم بلا حجت اس بات کو تسلیم کرے گا کہ جو سیاسی اور زرعی حالات ان دنوں میں تھے ان کے پیش نظر ہندوستان کی وسیع سلطنت میں شاہی ضوابط کا نفاذ نہایت دشوار کام تھا۔ سرکش اور حیلہ باز زمیندار جو اکثریت میں ہندو تھے اور جن کو ملک کی سیاسی اور زرعی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی ہمیشہ اس موقعہ کی تاک میں رہتے تھے کہ اگر کامیابی کا ذرا سا بھی امکان ہو تو مملکت کے احکامات کے خلاف بغاوت کر دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم کو قرونِ وسطیٰ میں طبقاتی جنگ کے نشانات ڈھونڈنا ہوں تو ان کی جھلک ہم کو ان روابط میں نظر آئے گی جو مملکت اور چھوٹے راجاؤں یا ان کی نسل میں قائم تھے۔ یہ چھوٹے راجاوہ ہیں جن کو ہندوستان کے فارسی مورخین زمیندار کہتے ہیں۔ یہ روابط ایک لامتناہی تنازعہ کی شکل میں کبھی ڈھکے چھپے اور کبھی بالکل ظاہر نظر آتے ہیں۔ شاہی اقتدار کے زور سے زمیندار عارضی طور سے دبا دیے جاتے تھے، لیکن وہ محکومیت کی حالت پر قانع ہونے کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہوئے۔

لہٰذا مملکت کے ساتھ زمینداروں کا رویہ سلطنت کے وسیع علاقوں میں خصوصاً انتظامی مرکزوں سے فاصلے پر امن و قانون برقرار رکھنے کے معاملے میں نہایت مشکلات پیدا کرتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں اگر زمیندار سرکاری حکام سے تعاون نہ کریں تو مالگذاری وصول کرنا اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ اس صورتحال کے پیش نظر یہ ایک انتظامی اور سیاسی ضرورت تھی کہ پورے ملک میں جگہ جگہ ایسے گوشے پیدا کیے جائیں جہاں مقامی اثرات کام کریں۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا تھا کہ جب ہوشیار اور ذہین قسم کے

مسلمان ملک کے اندرونی علاقوں میں جاکر بس جائیں تاکہ مملکت کی خدمت کے لیے ان کی وفاداری پر اعتماد کیا جاسکے۔ دراصل مسلمانوں کو اندرونی علاقوں میں بسانے کے لیے کوئی ترغیب ہونی چاہیے تھی ورنہ ان کو کیا پڑی تھی کہ دیہاتی زندگی اختیار کریں۔ اس کی ترکیب یہ نکالی گئی کہ مملکت ان کے معاش کی ذمہ داری قبول کرے اور معافی کی شکل میں ان کو آراضیات دی جائیں۔ چنانچہ ہر قسم کے محصولات سے معاف بالکل مفت آراضیات کا عطیہ ایسے مسلمان شرفا کے خاندانوں کی توجہ کا باعث ہوا جو کسی وجہ سے سپاہیانہ پیشہ اختیار کرنا پسند نہیں کرتے اور ان کا نسلی افتخار اس کے لیے بھی مانع تھا کہ معمولی اہلِ حرفہ کی طرح کوئی چھوٹا موٹا مشغلہ یا دھندا کر کے پیٹ پال لیں۔ اس طرح مغل سلطنت نے پورے ملک کے اندر متعدد مواضعات کے اندر اور تقریباً ہر پرگنہ میں مسلمانوں کی آبادی کو منتقل کرنے کی حکمتِ عملی شروع کی۔ اس مقصد کی خاطر عام طور سے جن لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ وہ شیوخ اور سادات ہوتے تھے۔[138] یہ لوگ نہ فقط علم و تقویٰ رکھتے تھے بلکہ نہایت معاملہ فہم اور ذہین بھی ہوتے تھے۔ انھوں نے اندرونِ ملک دور دراز مواضعات میں بسنا شروع کیا اور مقامی آبادی کی نظر میں بڑی عزت اور آبرو حاصل کر لی عطیہ پانے والے احترام کے طور پر "میاں" کہلانے لگے۔ اس لیے کہ وہ سب کے ساتھ بغیر کسی امتیاز کے ہمدردی اور فراخدلی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ان کی نیکی، شفقت اور نرم مزاجی کے عوض "میاں" کا لقب عوام کے احترام کا مظہر بن گیا۔ مددِ معاش پانے والوں کا جو ادب عوام کرتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو ہندو آبادی کا اعتماد حاصل تھا۔ اور غالباً وہ لوگ مقامی حکام پر اپنا اثر و رسوخ اس بات کے لیے استعمال کرتے تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ خواہ مخواہ ناروا سلوک نہ ہو، کسی قسم کی بیجا زیادتی ہندو رعایا پر نہ ہونے پائے۔ دیہاتی ہندوؤں کے مفادات کے تحفظ اور ان کے حقوق کی حمایت میں جو کامیابی ان لوگوں کو ہوئی اس کا بالواسطہ اثر یہ ہوا کہ ہندوؤں کو مملکت پر بھروسہ پیدا ہوا، اور ان کے دل سے مملکت کے خلاف خوف اور بیزاری دور ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنے علاقوں کی انتظامی اور

138۔ اکبر کے عہد میں البتہ چند عطیات غیر مسلموں کو دیے گئے۔ عطیہ پانے والوں میں کیقباد نام کا ایک پارسی اور گوکل نام کا ایک ہندو پجاری تھا۔ پارسی کو جو عطیہ ملا ہے اس کو مددِ معاش کہا گیا ہے مگر جس فرمان کے ذریعہ گوکل کو موضع دیا گیا ہے اس میں فقط اتنا درج ہے کہ مندر کے اخراجات کے لیے موضع عطا ہوا ہے اور عطیہ پانے والے پر مالگذاری سمیت تمام محصولات معاف کیے جاتے۔ ملاحظہ ہو، اکبر کے دربار میں پارسی صفحہ ۱۱۹، [illegible]

سیاسی صورت حال سے سرکاری حکام کو اچھی طرح باخبر رکھتے تھے اور اگر کسی مقام پر کوئی بدامنی پیدا ہوئی ہو تو اس کو دبانے اور رفع دفع کرنے کے لیے سرکار کی طرف سے تعینات شدہ سپاہیوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔
اقتصادی اعتبار سے اس حکمتِ عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بہت بڑا طبقہ جو بیشتر شمالی ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، ایسا وجود میں آگیا جس کا آراضی پر دارومدار تھا۔ وہ لوگ زمیندار نہیں کہلاتے تھے مگر عملی طور سے آراضی کے ساتھ ان کے وہی مفادات وابستہ تھے جو زمینداروں کے تھے اور دلچسپی کی ساری نوعیت بھی ویسی ہی تھی۔ ان کو یہ اقتصادی مراعات مزید حاصل تھیں کہ ان کی آراضی پر محصول بالکل معاف تھا مگر عطیات عام طور پر چھوٹے یعنی سو بیگھہ سے لگاکر ایک ہزار بیگھہ کے حدود میں ہوتے تھے۔ لہٰذا عطیہ پانے والوں کی حالت بھی دیہاتی زمینداروں سے بہتر نہیں تھی۔ اس طرح مدد معاش کے عطیات کی بدولت مسلمان دیہاتی زمینداروں کا ایک طبقہ وجود میں آیا اور بعد میں چل کر انھوں نے واقعی طور پر زمینداری حقوق حاصل کرلیے[139] اور اسی طرح مالگذاری ادا کرنے لگے جیسے موروثی زمینداروں میں رسم تھی یا ان کا قاعدہ تھا جنھوں نے بیع کے ذریعہ زمینداری حقوق حاصل کیے تھے۔ البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعد کے مغل دور میں سارے کے سارے مسلمان زمیندار عطیہ مدد معاش پانے والے یا ان کی نسل کے لوگ تھے۔ دراصل بہت سے ایسے مسلمان بھی تھے جنھوں نے زمینداری حقوق بیع کے ذریعہ حاصل کیے یا آراضیات اجارہ کو زمینداریوں میں منتقل کرلیا مگر قابلِ ملاحظہ نکتہ یہ ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف اوّل تک مدد معاش عطیات کو آزادی کے ساتھ زمینداری آراضیات کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر کسی قانونی کارروائی یعنی منتقلی وغیرہ کی ضرورت پیش ہوتی تو زمینداری اور عطیہ مدد معاش میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ حالانکہ اصولاً زمیندار نے یہ حقوق بیع کے ذریعہ حاصل کیے تھے اور مدد معاش پانے والے یا اس کے اجداد کو یہ حقوق مفت ملے تھے۔

اجتماعی طور سے یہ ادارہ ہندوستان کی دیہاتی آبادی کے درمیان مذہبی رواداری پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ وہ مسلمان جو دیہات میں آباد ہوئے ضلع اور صوبائی مقامات سے براہ راست اپنے روابط رکھتے تھے انھوں نے مسلمانوں کے شہری تمدن کو ملک کے دور دراز داخلی حصّوں میں پہنچایا۔ وہ اپنے کو نئے اور اجنبی ماحول میں ضرور محسوس کرتے تھے مگر چونکہ ان کی تمدّنی روایات نہایت پرانی تھیں اور ان کا رابطہ صوبائی مقامات اور مرکز سے مضبوط تھا، اس لیے وہ لوگ اکثریت کے مقامی تمدن میں جذب ہونے سے بچ گئے اور ان کے مذہبی عقاید اور آداب و رسوم بھی محفوظ رہے۔ پھر بھی ان پر مقامی رسم و رواج کا

139ء دستاویزات، الٰہ آباد 439

بہت کافی اثر پڑا۔ اور بہت سی چیزیں ان کی زندگی میں داخل ہوگئیں اور ان کے تمدن کا جزبن گئیں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ مقامی جشن اور میلوں ٹھیلوں میں حصہ لینے لگے، مگر اس لیے نہیں کہ وہ نظریاتی بنیادوں سے متفق ہوگئے بلکہ محض تفریح کی خاطر اور اس لیے کہ یہ اجتماعی آداب کا تقاضہ تھا۔ وہ لوگ جو اگرچہ مذہبی اعتبار سے مختلف تھے مگر دیہاتی زندگی کے مشترکہ مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ ان کی خوشیوں میں حصہ لینا فطری بات تھی۔ اسی طرح دیہات کے سادہ مزاج ہندوؤں نے مسلمانوں کے تمدن کا مشاہدہ کیا اور ایک مسلمان روزمرہ زندگی میں جن مذہبی رسومات کی ادائیگی کا عادی ہے ان کو نزدیک سے دیکھا اور سمجھا۔ آہستہ آہستہ انھوں نے محسوس کیا کہ مسلمان بالآخر اس قدر ناپاک نہیں ہوتے جیسا کہ قدیم موروثی تفصیلات کی بنا پر وہ لوگ سمجھتے آئے تھے کہ مسلمان فقط ترک، ملیچھ، ظالم اور ناپاک ہوتا ہے۔ یہ قریبی روابط جو آپس میں قائم ہوئے ان کے باعث ہندوؤں میں رواداری پیدا ہوئی اور ترک سے جو نفرت دل میں تھی وہ کچھ کم ہوئی "ترک" کا نفرت آمیز اور ملامت خیز لقب بتدریج محو ہوا اور اس کی جگہ اب "میاں" کا لقب عام ہوگیا جس سے عام طور پر ایک نرم مزاج اور نہایت شریف طبیعت انسان مراد تھی۔

حتمی طریقے سے یہ اندازہ کرنا ذرا مشکل ہے کہ دیہاتی آبادی کے ان دو حصوں نے ایک دوسرے کو کس حد تک متاثر کیا اور دونوں کے رسم ورواج کہاں تک ایک دوسرے کی زندگی میں داخل ہوئے مگر جس کو بھی مخلوط آبادی کے دیہاتی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت ہے اور جو کوئی بھی ان علاقوں کا احوال جانتا ہے، جہاں مسلم آبادی کے مواضعات کثرت سے ہیں وہ موجودہ مؤلف سے اس بات پر اتفاق کرنے میں تکلیف نہ کرے گا کہ مسلمان خاندانوں کو دیہات میں بسائے جانے سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ خاصے دوررس تھے۔ اور ہندوستان کے دیہاتیوں کی ذہنی زندگی پر اس کے نہایت گہرے اثرات ہوئے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کے اندر مذہبی رواداری کا گہرا احساس پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اندازہ کیا کہ گاؤں کے محدود مگر مربوط اور سالم ماحول میں ان کی ضروریات اور ان کے مسائل بہت کچھ یکساں ہیں۔ زندگی بھر کے شخصی تعلقات جو اکثر و بیشتر نسلوں تک چلتے رہے تھے۔ دونوں طبقوں کے درمیان باہمی دوستی کا باعث ہوئے اور اس سے وہ تعصبات کم ہوئے جو ایک دوسرے کے خلاف غلط فہمی کی بنا پر قائم تھے۔ مذہبی رواداری کا اثر آج بھی اتنا گہرا ہے کہ ایک بے پڑھا دیہاتی، ہندو ہو یا مسلمان نہ فقط اصولاً ایک دوسرے کی مذہبی معاملات میں رعایت کو مانتا ہے بلکہ ہر جگہ اس پر عمل بھی کرتا ہے اور کبھی ایسی کوئی بات نہیں کرتا جس سے دوسروں کے مذہبی احساسات مجروح ہوں۔ لہٰذا لب لباب یہ کہ اگرچہ معاشی

عطیات بالکل ختم ہو چکے ہیں اور بعض صورتوں میں عطیات پانے والوں کی نسلیں اپنے آبائی دیہات سے ترک سکونت کر کے جا چکی ہیں۔ پھر بھی ان کی چھوڑی ہوئی مذہبی رواداری آج بھی دیہاتی ہندوستان میں نظر آتی ہے، اور یہ یقیناً قیمتی اور قابلِ قدر روایت ہے، دراصل یہ عطیہ مددِ معاش کی یادگار ہے۔

ضمیمہ الف

اٹھارویں صدی میں مواضعات کا امتیاز دو عنوانات کے تحت کیا جاتا تھا۔ ایک اصلی، دخلی اور دوسرے ریعتی وتعلقہ۔ ان اصطلاحات کی تشریح باب اول میں کردی گئی ہے۔ یہاں ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اس شہادت کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جس سے ریعتی اور تعلقہ کی اصطلاحوں پر روشنی پڑتی ہے۔

سیاقنامے میں جو متعلقہ شہادت موجود ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ پرگنہ فتحپور میں سترہ مواضعات میں سے آٹھ ریعتی اور نو تعلقہ مواضعات تھے۔ ان آٹھ میں سے دو پر آئمہ کا حق تھا، دو ویران تھے۔ باقی چار مواضعات جو اصلی اور دخلی پر مشتمل تھے، تخمینے میں آتے تھے۔ اور ان کی جمع مبلغ 659/= روپیہ تھی۔ ان اصلی اور دخلی مواضعات کے نام گنیش پور اور بھوانی پور دیے ہوئے ہیں۔ ہم کو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ موضع گنیش پور کا تخمینہ ضبط کے مطابق ہوتا تھا اور بھوانی پور کی مالگذاری وصول کرنے کا ذمہ دار مسمی رام چند تھا۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ ریعتی موضع کے اندر ایک فرد واحد یا کئی افراد مالگذاری کی وصولیابی کے ذمہ دار ہوسکتے تھے۔ ماخذ مذکور میں ایک دوسری دستاویز موجود ہے جس میں موضع گنیش پور کی جمع، وصولیابی اور بقایا کی رقومات دی ہوئی ہیں۔ ایک مد کا عنوان "من ذالک" ہے۔ اس کے ذیل میں وصول شدہ رقم کے علاوہ ایسی رقم بھی شامل ہے جو کروڑی یا فوطہ داری کی تحویل میں نہیں دی گئی بلکہ حق یا تنخواہ کے طور پر خرچ کردی گئی۔ یہ "من ذالک" کے تحت مبلغ 84/= روپیہ کی رقم دکھائی گئی ہے۔ اور اس کا حساب مندرجہ ذیل طریقے سے ہے۔

(الف) فوطہ دار کی تحویل میں نقدی	84/= روپیہ
(ب) نانکار (جمع کے اندر سے دی گئی رقم)	20/= ″
میزان	104/=

سلہ سیاقنامہ صفحہ 38

سلہ ایضاً صفحہ 29

موجودہ بحث کا اہم نکتہ یہ ہے کہ رعیتی مواضعات میں بھی ایسے لوگ تھے جو نانکار کے حقدار تھے۔ اور ان کی حیثیت معمولی کاشتکاروں سے مختلف تھی۔ ان کو جمع یعنی پیداوار کے سرکاری حصے میں سے ادائیگی کی جاتی تھی۔ موضع گنیش پور کی جمع، وصولیابی اور بقایا پر مشتمل پٹواری کے کاغذ کا ترجمہ کرنے سے پتہ چلا کہ موضع پر مبلغ -/7/89 روپیہ بقایا تھی۔ اس رقم میں مبلغ -/7/4 خوراک مقدمان کی مد میں دکھائے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مقدموں کو روزانہ خرچ ادا کیا جاتا تھا۔ غالباً موضع کی مالگذاری وصول کرنے کے لیے ایک سے زیادہ لوگ ذمہ دار تھے۔ فی الحال ہم مقدموں اور نانکار پانے والوں کے درمیان تمیز نہیں کر سکتے۔ لیکن دوسرے مآخذ میں موجود شہادت[شہ] سے اس نتیجے کی پرزور تائید ہوتی ہے کہ ان مقدموں اور زمینداروں کو نانکار ملتا تھا جو بعض خدمات انجام دیتے تھے مثلاً آراضی کی کاشت کے سلسلے میں توجہ رکھنا، مالگذاری کا تخمینہ اور وصولیابی کرانا وغیرہ۔ اس طرح رعیتی مواضعات میں زمینداروں کی موجودگی ظاہر ہوتی ہے۔

اس نتیجے کی تصدیق و تائید "ہدایت القواعد" نام کے ایک انتظامی رسالے میں درج شہادت سے ہوتی ہے۔ غالباً یہ رسالہ بہار میں تالیف ہوا۔ متعلقہ شہادت کے ضمن میں دو اقتباس ہیں۔ ایک میں جاگیروں کی تفویض کا حوالہ ہے۔ دوسرا اقتباس رعیتی زمینداروں کی املاک میں واقع زراعتی صورتحال کے بیان پر مشتمل ہے۔ پہلے اقتباس[لے] سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ جاگیروں کی تفویض کے پیش نظر شاہی قلمرو کو تین وسیع عنوانات کے ذیل میں تقسیم کردیا گیا تھا، یعنی محال زور طلب، محال اوسط اور محال رعیتی۔ اسی تناسب سے منصبداروں کے بھی تین درجے تھے۔ (1) ناظم، (2) دیوان، بخشی اور دوسرے اعلیٰ منصبدار۔ (3) چھوٹے منصبدار۔ مذکورہ شہادت کے بنظر مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مختلف علاقے وہاں کے زراعتی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاص درجے کے منصبداروں کو تفویض کیے جاتے تھے۔ گویا علاقوں کی صورتحال اور منصبداروں کے پاس مناسب فوجی قوت تھی ان کو ایسی محالیں تفویض کی جاتی تھیں، جہاں مالگذاری وصول کرنے کے لیے طاقت کا اظہار یا واقعی استعمال اکثر و بیشتر ضروری تھا۔ ایسے علاقوں کو زور طلب[کے] اور اوسط کہا گیا ہے۔ البتہ

شہ Add. 6603، 79 ب، 100 الف؛ دستور العمل بیکس 50 الف، 52 ب۔

لے ہدایت القواعد 7 الف، 9 ب۔

کے زور طلب سے مراد یہاں پر وہ علاقے ہیں جہاں طاقت کا اظہار یا واقعی استعمال لازمی تھا۔ اوسط کے لفظی معنی واضح ہیں۔ اس سے مراد وہ علاقہ ہے جو نہ زور طلب تھا نہ رعیتی تھا، بلکہ ایسی محالوں میں کبھی کبھار طاقت کے اظہار کی ضرورت پڑ گئی ورنہ یوں ہی کام ہوگیا۔

زیادہ تر چھوٹے منصبداروں کو وہ علاقے تفویض کیے جاتے تھے جن میں فوجی طاقت استعمال کرنے کی نوبت نہ آئے۔ اس لیے کہ چھوٹے منصبدار ہر وقت اپنے پاس فوج کو تیار حالت میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ایسے علاقے "رعیتی" کہلاتے تھے۔ مذکورہ عنوانات کے تحت شاہی قلمرو کی تقسیم بعض معاملات سے مربوط اور ان پر منحصر تھی، مثلاً (1) مالگذاری ادا کرنے والے لوگوں کی کیفیت؛ (2) مالگذاری کی نوعیت، یعنی متعینہ رقم بطور پیشکش مقرر ہے یا مفصل تخمینے کی بنیاد پر وصول ہوتی ہے۔ (3) جن مواضعات میں کسی ایک فرد یا متعدد افراد کے ذریعہ مالگذاری وصول ہوتی ہے ان کی تعداد، (4) ان کی اصل نسل، (5) سرکاری اور مقامی حکام کے بارے میں لوگوں کا عام رویّہ۔ مندرجہ بالا معاملات کے پیشِ نظر رعیتی علاقے وہ سمجھے جاتے تھے جہاں ایک چھوٹا منصبدار بھی بغیر کسی حیل حجت کے مالگذاری وصول کر سکتا تھا، اور طاقت کے استعمال کی کوئی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ ان علاقوں میں مالگذاری کی وصولیابی کا ذمہ جن لوگوں پر ہوتا تھا وہ معمولی وسائل رکھتے تھے، اور اس قابل نہیں ہوتے تھے کہ ایک چھوٹے جاگیردار یا اس کے نمایندوں کے احکامات کو نظر انداز کر جائیں۔

ہم کو اب یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ رعیتی مواضعات میں جن کے ذمہ مالگذاری کی وصولیابی تھی وہ کس قسم کے لوگ تھے۔ آیا وہ معمولی کاشتکار یا اسامی تھے؟ یا کسی خاص قسم کے زمیندار تھے اور مفصل تخمینے کی بنیاد پر مالگذاری ادا کرتے تھے؟ ہدایت القواعد میں ایک اقتباس "طریق زمینداری" کے عنوان سے ہے۔ اس میں ہمارے سوال کا جواب موجود ہے۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں زور طلب اور رعیتی علاقوں میں جو زراعتی صورتحال واقع تھی اس کا تفصیلی بیان مذکورہ اقتباس میں ملتا ہے۔ معاملہ یہ تھا کہ چھوٹے منصبداروں عہدوں پر تعینات تھے اور وہ لوگ مالگذاری کی وصولیابی کے لیے تھوڑے سے سپاہی رکھنے کے مجاز تھے۔ عموماً فوج کی مختصر تعداد مالگذاری کی ادائیگی سے انکار اور انحراف کرنے والوں کو دبانے کے لیے ناکافی ہوتی تھی۔ دراصل سرکشوں کا مغلوب کرنا بغیر طاقت کا واقعی استعمال کیے مشکل تھا۔ یہ افسران ذاتی ترقی کی خواہش میں جمع کو اضافے کے ساتھ دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ چھوٹے زمینداروں کی کل املاک کو نظر میں رکھ کر ان کے اوپر بھاری تخمینہ مقرر کر ڈالتے تھے۔ زمیندار اس بوجھ کو رعیت پر منتقل کر دیتا تھا، اور رعیت شکایت کرتی تھی۔ جب مصیبت برداشت سے باہر ہو جاتی تھی تو رعیت کے لوگ "ملک رعیتی" سے بھاگ جاتے تھے، اور زور طلب زمینداروں کے علاقوں میں بس جایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زور طلب زمینداروں کی خوشحالی اور آبادی بڑھتی گئی اور وہ زیادہ طاقتور ہوتے گئے۔ اس کے برخلاف چھوٹے رعیتی زمیندار افلاس کا شکار ہو گئے۔ وہ اس قابل بھی نہیں رہے کہ مالگذاری ادا کر سکیں اور زمینداری کے پیشے کا احترام و مقام جاتا رہا[6]

---

6. ہدایت القواعد 64 ب، 66 ب۔ برگمیر کا بیان بھی ملاحظہ ہو: "بعض اوقات کاشتکار تنگ آ کر
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مذکورہ بالا شہادت کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ملک رعیتی اور محال رعیتی وہ مواضعات تھے جہاں مالگذاری کی وصولیابی چھوٹے زمینداروں کے ذریعہ مغل تخمینے کی بنیاد پر ہوتی تھی۔ اور یہ زمیندار رعیتی زمیندار کہلاتے تھے'، برخلاف ان زمینداروں کے جن کو زور طلب کہا جاتا تھا، اس لیے کہ موخرالذکر زور زبردستی کے اظہار یا استعمال کے بغیر مالگذاری ادا نہیں کر پاتے تھے۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان زمینداروں کے پاس مواضعات کی بڑی تعداد یا پرگنہ یا پرگنے سے بھی بڑے علاقے ہوتے تھے۔ غالباً ان میں بعض ایسے بھی تھے جو مال واجب یعنی مالگذاری کے بجائے پیش کش' یعنی متعینہ رقم ادا کرتے تھے۔ اس شہادت کی بنا پر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ رعیتی مواضعات میں مالگذاری ادا کرنے کی ذمہ داری رعیت یا کاشتکاروں پر نہیں تھی۔ پیداوار کا حصہ یا متعینہ نقدی، جو کاشتکار اپنی مزروعہ آراضی میں سے ادا کرتے تھے ان کے اور زمیندار کے درمیان باہمی رضامندی کا معاملہ تھا۔ مالگذاری میں کسی قسم کی کمی بیشی فقط زمینداروں کے اختیار کی بات تھی۔

مرآۃ احمدی اور اس کے ضمیمے کے اندر جو معلومات اس سوال سے متعلق ہیں' اب ہم ان کی طرف توجہ کرتے ہیں[7]۔ ان بیانات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ گجرات میں مواضعات کی تین قسمیں تھیں۔ اول، وہ مواضعات جو پرگنہ یا پرگنے سے زیادہ علاقہ رکھنے والے "اسمی" یا "عمدہ" زمینداروں کے قبضے میں تھے یہ "غیر عملی" مواضعات کہلاتے تھے'، یعنی ان میں براہ راست مغل حکومت کے اہلکاروں کے ذریعے مالگذاری کا تخمینہ نہیں ہوتا تھا۔ ان مواضعات کے زمینداروں کو یا تو ایک متعینہ رقم بطور پیشکش ادا کرنی پڑتی تھی۔ یا پیشکش کے عوض میں فوجی خدمت انجام دیتے تھے۔ دوسرے' وہ مواضعات جو بنتھ آراضیات رکھنے والے زمینداروں کے پاس تھے۔ بنتھ سے مراد وہ آراضی ہے جس کی ایک چوتھائی پر (یا چوتھائی مالگذاری پر) کولی یا راجپوت حقدار تھے۔ ان مواضعات کے زمیندار ایک برائے نام رقم بطور سلامی یا پیشکش دیتے تھے۔ تیسرے' مندرجہ بالا دو کے علاوہ' وہ مواضعات جن کو تلپد یا رعیتی کہا گیا ہے۔ ان مواضعات کو حکومت نے واپس لے لیا تھا۔ گویا یہ ایسی آراضیات تھیں جہاں تخمینے اور وصولیابی کے سلسلے میں شاہی قواعد کا نفاذ ہوتا تھا۔ اور آراضی کے مالکوں سے شاہی اہلکار براہ راست ربط ضبط رکھتے تھے۔ قبل اس کے کہ ہم دریافت کریں کہ یہ مالک' جن کا تالیف مذکور میں درج ایک فرمان میں وضاحت کے ساتھ حوالہ ہے'، کون تھے۔ یہ ملاحظہ کر لینا چاہیے کہ تلپد آراضیات یا رعیتی مواضعات

بقیہ حاشیہ:- مغل شہنشاہ کی قلمرو سے بھاگ جاتے ہیں اور کسی راجہ کی ریاست میں جا کر آباد ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ وہاں ان پر اس قدر ظلم نہیں ہوتا اور کسی قدر آرام سے رہتے ہیں۔"

[7] مرآۃ احمدی ج ۱، صفحہ ۲۱، ۲۲، 173، 174، ضمیمہ مرآۃ 228، 229۔

میں واقع تھیں ۔ حالانکہ یہ بھی خارج از امکان نہیں ہے کہ بعض تلپد آراضیات بنتہ کے مواضعات میں ہوں ۔ اگرچہ ان کو رعیتی مواضعات نہیں کہا جاسکتا ۔

لہٰذا معلوم یہ ہوتا ہے کہ گجرات میں تلپد مواضعات وہ تھے جو خاص قسم کے زمینداروں کے تعلقے سے باہر تھے ۔ اور ان مواضعات میں مالگذاری کے تخمینہ اور وصولیابی کے سلسلے میں شاہی قواعد مکمل طور سے نافذ تھے ۔ ابھی ہم نے ایسے حقایق پر نظر نہیں ڈالی ہے جن سے مواضعات کی داخلی صورتحال سامنے آسکے ۔ مثلاً جو لوگ آراضی پر کاشت کرتے تھے ان کی نوعیت کیا تھی ۔ آیا موضع کی کاشتکار برادری ایک ہی طبقے سے تعلق رکھتی تھی یا ایک سے زیادہ طبقات پر مشتمل تھی ۔ آیا کاشتکار برادری کے بعض افراد کو دوسروں کے مقابلے میں ملکیت کے بعض اعلیٰ حقوق حاصل تھے ۔ مالگذاری ادا کرنے والا شخص محض کاشتکار یا اسامی کے لفظی مفہوم میں معمولی کاشتکار ہوتا تھا یا اس کو آراضی پر ملکیت کے اعلیٰ حقوق حاصل تھے ؟ ان سوالات کے بارے میں تفتیش کے بعد رعیتی مواضعات کی نوعیت اور زیادہ واضح ہوگی ، اور مغلوں کے دور میں آراضی کے جو روابط تھے ان کو ہم اور بہتر طریقے سے سمجھ سکیں گے ۔

خوش قسمتی سے اورنگزیب کا جاری کیا ہوا ایک فرمان مرآۃ احمدی میں موجود ہے[8] ۔ اس سے رعیتی مواضعات

---

۸ ۔ شہادت ہذا کی اہمیت کے پیش نظر اس کی کیفیت اور وقعت کے بارے میں چند باتیں پیش کی جاتی ہیں : یہ فرمان محمد ہاشم دیوان صوبۂ گجرات کے نام 1079ھ / 1670ء میں جاری ہوا تھا ۔ اور عنوان خراج یا مالگذاری کی وصولیابی کے بارے میں ہے ۔ مجموعی طور سے فرمان میں اٹھارہ زمرے ہیں ، جن میں مختلف حالات سے نمٹنے کے لیے ہر طرح کی ہدایات آجاتی ہیں ۔ ان ضوابط کو اسلامی فقہ کی عام اصطلاحات میں بیان کیا گیا ہے ۔ اسی لیے فرمان ہذا کو مالگذاری حکام کی رہنمائی اور ہدایت سے متعلق باقاعدہ ضابطہ اور مفصل دستور العمل سمجھنے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ اس میں اسلامی قانون کے اصولی مباحث اور نظریاتی معاملات کا ذکر کیا گیا ہے ۔ البتہ چند لوگوں نے ضرور تسلیم کیا کہ یہ فرمان گجرات میں تعینات مالگذاری حکام کی انتظامی کارروائی اور عملدرآمد کے سلسلے میں ٹھوس ہدایات پر مشتمل ایک ضابطہ ہے جس کو اسلامی فقہ کی اصطلاحات میں لکھا گیا ہے ۔ دراصل مولف ہذا ان بزرگوں سے متفق نہیں ہے جو اس کو اسلامی فقہ کے اصولی مباحث پر مبنی سمجھ کر اس سے قطع نظر کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فرمان میں مالگذاری حکام کی رہنمائی کے لیے ضوابط مرتب کیے گئے تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کو پوری سلطنت کے گوشہ و کنار میں نافذ کیا جائے ۔ یہ نکتہ فرمان کے مقدمے میں اچھی طرح واضح کردیا گیا ہے ۔ یہ فرض کرنا غلط ہوگا کہ فرمان مذکور کے احکامات فقط گجرات

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کی داخلی کارکردگی کے متعلق تمام ضروری اطلاعات حاصل ہو جاتی ہیں۔

فرمان کے خاص خاص حصوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ موضع کی زراعت پیشہ برادری میں کم از کم دو طبقوں کے لوگ موجود تھے۔ ایک تو رعایا تھی جو بظاہر عام زراعت پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ اور جس کو شمالی ہندوستان میں عام طور سے اسامی یا کاشتکار کہتے ہیں۔ یہ لوگ کاشت کرتے تھے اور غالباً ان کو انتقال آراضی کے حقوق حاصل نہیں تھے۔ کم از کم ضوابط میں ان حقوق کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ فرمان میں ارباب زراعت کا حوالہ ہے جس کے لفظی معنی کاشت کے مالک کے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے حقوق کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہ اصطلاح عام مفہوم میں تمام زراعت پیشہ افراد کے لیے استعمال ہوئی ہے خواہ وہ رعایا ہوں یا ایسے لوگ ہوں جو کاشت کے علاوہ آراضی پر مالکانہ حقوق بھی رکھتے تھے۔ زراعت پیشہ برادری کے ایک دوسرے حصے کو مالک یا ارباب زمین کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ آراضی کے مالک تھے۔ اس شہادت کے مطالعے سے (ارباب زراعت اور ارباب زمین کا فرق صاف واضح ہوتا ہے) اور یہ کہ مالک اور ارباب زمین کی اصطلاحات بالکل ہم معنی ہیں۔ آراضی پر مالک کو جو حقوق و اختیارات حاصل تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آراضی کی پیداوار میں اس کا دعویٰ مسلّم تھا، خواہ اس کی خود کاشت نہ ہو، اور جو مالگذاری اس کے نام مالک کی حیثیت سے درج تھی وہ بھی اس نے شخصاً ادا نہ کی ہو۔ ایسے حالات میں بحیثیت مالک جو جو اس کا واجبی حصہ ہوا اس میں سے سرکاری مالگذاری وضع کر لی جاتی تھی۔ باقی پیداوار اس کو ملتی تھی۔

حاشیہ 8: گذشتہ سے پیوستہ

تک کے لیے مقصود تھے، اس لیے کہ عبارت میں ہندوستان کی مروجہ اور مانوس اصطلاحوں سے احتیاط کے ساتھ پرہیز کیا گیا ہے۔ جو لوگ مالگذاری سے متعلق تالیفات پر نظر رکھتے ہیں وہ اتفاق کریں گے کہ ایک صوبے میں جو اصطلاحات مستعمل تھیں وہ دوسرے صوبے میں قطعی غیر مانوس تھیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی اصطلاح کو سلطنت کے مختلف حصوں میں مختلف معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ایسے حالات میں پوری سلطنت میں تعینات مالگذاری حکام کی عمومی ہدایات کے لیے جو فرمان جاری ہوا اس میں معروف و مانوس اصطلاحات کا استعمال ہونا لازمی بلکہ ناگزیر تھا، تاکہ وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والی صورتحال کے مطابق مناسب تاویل و تشریح کی جا سکے اور حسب قاعدہ عملدرآمد ہو سکے۔ لہٰذا موجودہ بحث میں فرمان مذکور کی اصطلاحات کو فقط گجرات کی زراعتی تاریخ اور وہاں کے زراعتی حالات سے وابستہ کر کے نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ پوری سلطنت کی زراعتی تاریخ کو نظر میں رکھنا چاہیے۔

(2) وہ اگر کچھ دن مالگذاری کی ادائیگی کی ذمہ داری سے معذور رہے۔ تب بھی اس کا آراضی کو حسب خواہش لانے کا حق یا ذاتی طور سے کاشت کی نگرانی کا حق برقرار رہتا تھا۔

(3) وہ اپنی آراضی یا آراضی کے مالکانہ حقوق بیع کرنے کا حق رکھتا تھا۔

(4) وہ اپنی آراضی کو رہن کر سکتا تھا۔

(5) مالکانہ حقوق موروثی تھے۔

اوپر جو خلاصہ مذکورہ شہادت کا پیش کیا گیا اس سے پتہ چلا کہ مالک کو آراضی کے نقل وانتقال کے حقوق حاصل تھے، اور وہ مالگذاری کی ادائیگی کا ذمہ لینے کا بھی حقدار تھا۔ دوسری بات یہ مالک کی اصطلاح کاشت پیشہ برادری میں شامل ایک خاص طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ ان نتایج کی براہ راست تصدیق ان متفرق دستاویزی شواہد سے ہوتی ہے جو سلطنت کے مختلف حصوں مثلاً دہلی، اجمیر، اودھ، بہار، اور بنگال سے متعلق ہیں۔ اور تاریخوں میں دی ہوئی شہادت سے بھی ہوتی ہے زمیندار اور زمینداری سے متعلق باب میں اس شہادت پر ہم نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہاں فقط یہ بتانا کافی ہوگا کہ ہمارے پیش نظر شواہد میں آراضی کے قابل انتقال حقوق کو مختلف اصطلاحوں سے یاد کیا گیا ہے مثلاً بسوائی، سعرحی، ملکیت، زمینداری، مالکانہ اور مقدمی وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ مالگذاری کی ادائیگی کا حق بھی شامل تھا۔ جن لوگوں کو یہ حقوق حاصل تھے ان کو زمیندار کہا جاتا تھا۔ یہ زمیندار، جیساکہ ان کے لیے فرمان میں مالک کا حوالہ مذکور ہے، خواہ مالگذاری کی ادائیگی کا ذمہ نہ لیں اور چاہے کچھ دن خود کاشت سے بھی باز رہیں، بہرحال مالکانہ حق رکھتے تھے۔ ان حقایق کو یکجا کرکے غور کرنے سے فقط ایک نتیجہ سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ فرمان کی رو سے مالک کے حقوق لازمی طور سے وہی تھے جو اس طبقے کو حاصل تھے جو زمیندار کہلاتا تھا اور جس کو مفصل تخمینے کی بنا پر مالگذاری ادا کرنی ہوتی تھی۔ ہمیں معلوم ہے کہ مالکوں کے قبضے میں جو آراضیات تھیں ان کا بھی مفصل تخمینہ ہوتا تھا۔ لہٰذا مالک کو زمیندار سمجھنے کا مناسب جواز نظر آتا ہے۔ اور یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ مالک زمینداری کا دوسرا نام تھا۔ البتہ ہم اس تشخیص وتعین پر اصرار نہ کریں گے اس لیے کہ مالک کی اصطلاح زمینداری اصطلاح کے مقابلے میں زیادہ عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہوسکتی ہے۔ مالک کی اصطلاح میں یقیناً وہ سارا مفہوم آگیا جو زمیندار کے لفظ سے وابستہ ہے، البتہ اس کے کچھ اور یعنی مزید معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو زمیندار کے جملہ حقوق سے بہرہ اندوز تھے مگر کسی اور لقب سے یاد کیے جاتے تھے مثلاً راجپوتانے میں پنوت اور گیراسیہ اور دکن میں پولیگار وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ زمیندار تھے مگر لقب ان کے کچھ اور تھے۔ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ گجرات میں جن لوگوں

کو آراضی پر مالکانہ حقوق حاصل تھے ان کو زمینداری کہا جاتا تھا یا کسی اور لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس سوال کا جواب کسی اطلاع سے واضح نہیں ہوتا۔ مقامی تحقیقات سے ضرور کوئی سودمند اور قابلِ ملاحظہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ بہرحال جب تک تازہ شہادت سامنے نہ آتے یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ فی الحال اس تمام شہادت پر مبنی بحث کا خلاصہ ذیل کے الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(1) رعیتی مواضعات ان زمینداروں کے تعلقوں سے باہر تھے جو پیشکش ادا کرتے تھے یا جو بنتھ داروں کی حیثیت سے تعلقوں کے مالک تھے۔

(2) ان رعیتی مواضعات میں مالگذاری کے تخمینے اور وصولیابی کے لیے شاہی ضوابط کا مکمل طور سے نفاذ ہوتا تھا۔

(3) ان مواضعات کے اندر کاشت پیشہ برادری کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کو آراضی کی منتقلی کے حقوق حاصل تھے اور وہ طبقہ مالگذاری کی ادائیگی کا بھی حقدار تھا جبکہ کاشت پیشہ برادری کا دوسرا طبقہ جس کو رعایا کہا گیا ہے ان حقوق سے محروم تھا۔

سلطنت کے مختلف حصوں سے متعلق متعدد مآخذ، دستاویزیں، تاریخیں، اور انتظامی بیاضیں جو قابلِ توجہ انتظامی شواہد پیش کرتی ہیں ہم نے ان کی تفصیل کے ساتھ جانچ کی ہے۔ وہ سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور ان سے ہم کو رعیتی موضع کے بارے میں ایک خاص رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ جب تک کسی تازہ شہادت سے اس رائے کی تردید یا اس میں ترمیم نہ ہو، یہ بات اپنی جگہ مصدقہ رہے گی کہ رعیتی موضع مختصراً حسب ذیل خصوصیات کا حامل تھا۔

(1) ملک رعیتی، محال رعیتی، یا دیہات رعیتی، ایسے مواضعات کا مجموعہ تھا جہاں ایک قسم کے زمیندار آراضی کی منتقلی کا حق رکھتے تھے، اور اپنی املاک یا زمینداریوں پر مفصل تخمینے کی رو سے مالگذاری ادا کرنے کے مجاز تھے۔

(2) ہدایت القواعد نام کے ایک معاصر فارسی مآخذ میں ان کا حوالہ رعیتی زمیندار کی حیثیت سے موجود ہے۔

(3) رعیتی مواضعات کی اصطلاح کا استعمال اس نتیجے کی حمایت نہیں کرتا کہ ایسے مواضعات میں معمولی کاشت کاروں کو آراضی کی منتقلی کا حق حاصل تھا، یا وہ مالگذاری کی ادائیگی کرتے تھے۔

گذشتہ بحث کے دوران یہ بات بتائی گئی تھی کہ گجرات میں تعلقہ کی اصطلاح سے ایسے مواضعات مراد تھے جو رعیتی نہیں تھے بلکہ پیشکش ادا کرنے والے زمینداروں کے قبضے میں تھے، یا اُن زمینداروں کے پاس تھے جو مغل حکومت کی فوجی خدمت انجام دیتے تھے۔ اور اس کے بالعوض مواضعات مذکور بطور

جاگیرداروں کو تفویض تھے۔ یہ اصطلاح ان مواضعات پر بھی عائد ہوتی تھی جو بنتھ کے طور پر کسی کے قبضے میں تھے بنتھ مواضعات میں یا تو مالگذاری بالکل معاف تھی یا ایک چوتھائی آراضی بنتھ کے مالکوں کی سمجھی جاتی تھی اور وہ لوگ برائے نام رقم بطور پیش کش ادا کرتے تھے۔ سیاقنامے میں جس طرح سے تعلقہ کی اصطلاح آئی ہے اس سے فقط یہ پتہ چلتا ہے کہ پرگنے کے سترہ مواضعات میں سے آٹھ رعیتی تھے اور نو تعلقہ مواضعات تھے۔ آئمہ کے اختیار میں چند سالم مواضعات ایسے تھے جو ان دونوں زمروں سے تعلق رکھتے تھے۔ نو تعلقہ مواضعات میں سے چار پر آئمہ کے حقوق تھے اور بقیہ پانچ پر جمع کا تخمینہ مبلغ ۱۶۰۰/- روپیہ مقرر تھا۔ اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ تعلقہ مواضعات پیشکش ادا کرنے والے یا بنتھ کے مالک زمینداروں کے قبضے میں تھے۔ اس کے برخلاف واضح اشارہ یہ ہے کہ رعیتی مواضعات کی طرح ان مواضعات کا مفصل تخمینہ لگایا جاتا تھا اور امین کے پاس مواضعات کے تخمینے سے متعلق کاغذات رہتے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ سیاقنامے کے اندر وارد تعلقہ کی اصطلاح سے کیا مراد تھے؟ اس سلسلے میں ہم اٹھارویں صدی میں تالیف شدہ ایک فارسی ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ایسے تعلقے جن کا مفصل تخمینہ لگایا جاتا تھا۔ مغلوں کے دور میں موجود تھے۔ اور وہ کئی قسم کے تھے۔[9]

مذکورہ تالیف میں تعلقہ کی تعریف یہ ہے کہ انتظامی سہولت اور مصلحت کے پیش نظر مواضعات کی مخصوص تعداد جو یکجا کر دی جاتی تھی اس کو تعلقہ کہتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ دوسری قسم کے تعلقے بھی ہوتے تھے۔ کوئی شخص جو دوسرے زمینداروں کے بدلے مالگذاری کی ادائیگی کا ذمہ دار بن جاتا تھا، تعلقدار کہلاتا تھا۔ اور جن مواضعات کی مالگذاری کا وہ ذمہ لیتا تھا ان کو تعلقہ کہا جاتا تھا۔ گویا تعلقدار ایک یا متعدد زمینداروں کی طرف سے مالگذاری کی ادائیگی کرتا تھا۔ اور وہ لوگ اس کو اپنے مواضعات یا ان کی حصہ داری میں مالگذاری کی وصولیابی اور ادائیگی کا مجاز قرار دیتے تھے۔ ایسی زمینداری کو بھی تعلقہ کہنے لگے تھے جو کسی کو میراث کے طور پر نہیں ملی بلکہ ابھی خریدی گئی ہے۔ اس طرح تعلقہ کہلائے جانے کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات میں سے کسی ایک کا ہونا لازمی تھا:۔

(۱) ایسے متعدد مواضعات کا مجموعہ جن پر ایک سے زیادہ زمینداروں کا حق یا ان کی مشترکہ حصہ داری ہو، اور ان کی طرف سے کوئی فرد واحد مالگذاری کا ذمہ دار ہو جائے۔

(2) نئی زمینداری جو بیع کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔

---

۹ Add 6603 ب، 54 الف 55

(13) مواضعات کا حلقہ یا مجموعہ جو انتظامی سہولت کے پیش نظر تشکیل دے لیا گیا ہو۔

سوال یہ ہے کہ سیاقنامے میں جس آراضی کو تعلقہ کہا گیا اسے اوپر کے کون سے زمرے میں رکھا جائے؟ اس کو انتظامی سہولت کی خاطر مواضعات کا مجموعہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ اس تاویل کے ذریعہ تعلقے پر مشتمل مواضعات اور رعیتی مواضعات میں امتیاز مشکل ہو جائے گا، جو در اصل دونوں عنوانات کے تحت تقسیم کا خاص مقصد ہے۔ تو پھر کیا اس سے نئی زمینداری مراد لی جائے؟۔ اس نتیجے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے کہ رعیتی کے برخلاف تعلقے کی اصلاح استعمال کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو پرانی موروثی اور جدی زمینداری نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا ہمارے سامنے ایک ہی صورت رہ گئی، اور وہ یہ کہ ہم سیاقنامے میں مذکور تعلقے کو مواضعات کا ایسا مجموعہ سمجھیں جہاں متعدد زمینداروں اور مشترکہ حصہ داروں کی طرف سے ایک فرد واحد مالگذاری کی ادائیگی کے لیے ذمہ دار اور مجاز تھا۔ ہمارے پاس حتمی شہادت یہ ظاہر کرنے کے لیے موجود ہے کہ ملک کا وہ حصہ جو اودھ کہلاتا ہے وہاں پر اس قسم کی تعلقداری موجود تھی۔[150] دوسری طرف نئی زمینداری کے مفہوم میں یا بڑی املاک میں کٹ کر بنی ہوئی چھوٹی زمینداری کے معنوں میں لفظ تعلقہ بنگال میں خاصا معروف اور مستعمل تھا۔[151] اگر تعلقہ کی یہ تعریف ملحوظ رکھی جائے تو اس اعتبار سے رعیتی کا مطلب یقیناً ایسا موضع ہوا، جہاں زمیندار انفرادی طور پر اپنی زمینداری کے حصوں کی مالگذاری ادا کرتے تھے۔ یہی لفظ رعیتی کی اہمیت اور خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے رعیتی زمینداران لوگوں کو کہا جاتا تھا جو موضع میں اپنی حصہ داری کی مالگذاری شخصی طور پر ادا کرتے ہوں، اور اپنی طرف سے کسی دوسرے کو اس کا مختار و مجاز قرار نہ دیتے ہوں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ رعیتی مواضعات وہ تھے جہاں حکومت براہ راست آراضی کے ہر مالک سے ربط ضبط رکھتی تھی جو کہ زمیندار کہلاتا تھا۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ گنیش پور نام کے رعیتی موضع میں مقدم کا حوالہ موجود ہے۔ لہٰذا ہم حق بجانب ہوں گے اگر مقدم یا اس کے نمائندے کو زمیندار سے تعبیر کریں اور یہ سمجھیں کہ مالگذاری سے متعلق بیاضوں اور دیگر تالیفات میں مقدم کا لفظ دیہاتی زمیندار یا اس کے نمائندے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

---

[150] اظہارات اناؤ صفحہ 146 - 156 -

[151] دستور العمل خالصہ 9 ب، 10 الف، پانچویں کمیٹی کی رپورٹ ج 3 حاشیہ صفحہ 51، 6603 Add 59 ب، 55 الف

ضمیمہ ب

مرآۃ احمدی کے ضمیمے کی تفصیل پر مشتمل خراجی سرکاروں کے اندر غیر عملی[1] پرگنوں اور مواضعات کا نقشہ :-

(الف) سرکار احمد آباد[2]

محالوں کی میزان کُل	غیر عملی زمینداروں کے قبضے میں پرگنوں کی تعداد	ان پرگنوں کی تعداد جن میں غیر عملی مواضعات تھے
33	1	3

غیر عملی مواضعات پر مشتمل تین محالوں کے مواضعات کی تفصیلات۔

پرگنہ	مواضعات کی میزان کل	غیر عملی مواضعات	جمع دامی میں بقیہ مواضعات
1- ایدر	767	290	477
2- بیرپور	145	7	138
3- بیر نام	628	105	523

(ب) سرکار پٹن[3]

محالوں کی میزان کُل	زمینداروں کے قبضے میں پورے پرگنے	غیر عملی مواضعات پر مشتمل پرگنے
17	2	4

---

1. دکن میں غیر عملی زمینداروں کی موجودگی ظاہر ہوتی ہے۔ پرگنہ تلایر پر نالہ میں 37 محالوں میں سے دو کو غیر عملی کہا گیا ہے۔ صوبہ اورنگ آباد میں ایک پوری سرکار غیر عملی دکھائی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو دستور العمل شہنشاہی 49 الف 59 الف)
2. ضمیمہ مرآۃ احمدی صفحہ 188 - 198
3. ضمیمہ مرآۃ احمدی صفحہ 198 - 204

غیر عملی مواضعات پر مشتمل چار پرگنوں کی تفصیلات ۔

پرگنہ	مواضعات کی میزان کل	غیر عملی مواضعات	جمع دامی میں بقیہ مواضعات
۱۔ پان پور	179	29	150
2۔ تیرداره	104	72	32
3۔ دلپ	258	137	121
4۔ سنتال پور	----	----	---

(ج) سرکار بڑودا [4]

اس میں چار محالیں تھیں ۔کسی غیر عملی موضع یا پرگنے کا اس میں ذکر نہیں ہے ۔ پوری چاروں محالیں خراجی قرار دی گئی ہیں ۔ ہر گنے میں مواضعات کی تعداد اور جمع دامی کی رقومات بھی دی ہوئی ہیں ۔

(د) سرکار بھروچ [5]

محالوں کی میزان کل	زمینداروں کے قبضے میں پرگنے	غیر عملی مواضعات پر مشتمل پرگنے
12	3	3

مرآۃ احمدی کے ضمیمے کی تفصیل کے مطابق زمینداروں کے قبضے میں جو تین پرگنے تھے ان کے نام اور ان کی بابت مذکور یادداشتیں حسب ذیل ہیں ۔

پرگنہ	یادداشت مندرجہ متن
۱۔ التیسر	کامل طور سے غیر عملی زمینداروں کے قبضے میں تھا ۔ جب بھی متصدی سورت یا کسی ایسے شخص کے سپرد ہوا جس کے پاس کافی فوج تھی تو جس قدر فوجی طاقت استعمال کی جا سکی اسی کے بقدر وصولیابی ہو گئی ۔ کاغذات میں مواضعات کی تفصیل موجود نہیں ہے ۔
2۔ تارکیسر	پہاڑی علاقے میں واقع تھا ، ناظم اور جاگیردار اپنا تسلط قائم کر سکتے تھے ۔

4۔ ضمیمہ مرآۃ احمدی صفحہ 204 - 205

5۔ ایضاً صفحہ 205 - 206

زمیندار کے قبضے میں تھا۔

3۔ چہار منڈوی — زور طلب زمینداری کا علاقہ تھا۔ ہمیشہ متصدی سورت کی سپردگی میں رہتا تھا، جب وہ فوجی کارروائی کرتا تھا اس وقت کچھ پیشکش وصول ہو جاتی تھی۔ تین لاکھ دام کی جمع دامی مقرر تھی۔ کاغذات میں مواضعات کی تفصیل موجود نہیں ہے۔

ضمیمہ ج

مال وجہات اور سائر جہات محصولات کی نوعیت

مغل حکومت جن چیزوں پر محصول عاید کرتی تھی ان میں مزروعہ آراضیات اور چراگاہیں، دریاؤں اور تالابوں کی پیداوار، اہل حرفہ اور دستکاروں کی بنائی ہوئی چیزیں، اور بازار میں خرید و فروخت ہونے والی چیزیں شامل تھیں۔ اس کے علاوہ انتظامی اخراجات پورے کرنے کی غرض سے بھی محصول عاید کیا جاتا تھا۔ یہ محصولات مختلف عنوانات مثلاً مال، جہات، سائر جہات، اور سائر الوجوہ کے ذیل میں دکھائے جاتے تھے۔ البتہ ضبط کے ماتحت موضع میں جو تخمینے کا حساب ہوتا تھا اس میں مال، جہات اور سائر جہات تینوں محصول جمع، یعنی مالگذاری کے اندر آتے تھے۔

مغلوں کے عہد میں مالگذاری کے مطالبے کی نوعیت اور آراضی کی پیداوار میں مملکت کے حصے کی کیفیت کو سمجھنے کے لیے مذکورہ اصطلاحات کے معنی اور ان کے منشا و مقصد کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا نہایت ضروری ہے۔ جہاں تک موجودہ مولف کو علم ہے کسی جدید مورخ نے اس سمت میں ابھی تک کوئی سنجیدہ قدم نہیں اٹھایا ہے۔

ان اصطلاحات کی سب سے قدیم تعریفیں آئین اکبری میں ملتی ہیں۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ مختصراً جو کچھ تخمینہ مزروعہ آراضی پر ہر جنس کی خاص شرح کے مطابق مقرر ہوا وہ مال کہلاتا ہے۔ اور جو کچھ دستکاری کے ذریعہ تیار کی ہوئی مختلف اشیاء پر اہل حرفہ سے وصول ہوا اس کو جہات کہتے ہیں۔ ان دونوں عنوانات کے علاوہ کچھ محصول اور بھی آتا ہے وہ سائر جہات ہے[1] اورنگزیب کے عہد میں حسابات سے متعلق ایک بیاض "خلاصۃ السیاق" نام کی تالیف ہوئی۔ اس کا مولف کہتا ہے کہ "زراعتی اجناس سے وصول شدہ محصول مال کہلاتا تھا، اور دوسرے متعدد محصولات جن کو سرکاری حکام اور مالگذاری کے اہلکار وصول

---

[1] آئین اکبری ج ۲، صفحہ 205

کرتے تھے جہات کہلاتے تھے۔ بعد میں جہات کو مال میں مدغم اور شامل کر دیا گیا، اس لیے مال و جہات کی مرکب اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ دوسری طرف وہ محصولات جو چبوترہ کوتوالی پر متعدد اشیاء مثلاً کپڑا، کھال، تیل، غلّہ، اشیائے خوردنی، ادویات، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کی خرید فروخت سے وصول کیے جاتے تھے، سائرجہات[۳] کہلانے لگے۔

مندرجہ بالا دونوں مآخذ میں جو تعریفیں دی ہوئی ہیں ان کا مقابلہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ مال کے معنی دونوں جگہ ایک ہیں۔ البتہ 'آئینِ اکبری' میں جہات سے مراد متفرق دستکاریوں سے وصول ہونے والے محصولات ہیں، جبکہ 'خلاصۃ السیاق' میں جہات کو مال کا لازمی حصہ بتایا گیا ہے جو جمع میں دکھایا جاتا تھا۔ آئین کے نزدیک سائر جہات وہ محصولات ہیں جو مال اور جہات دونوں سے علاوہ اور علیحدہ وصول کیے جاتے تھے۔ 'خلاصۃ السیاق' کے متن کا مطلب یہ ہے کہ سائر جہات میں جملہ محصولات 'مال و جہات' سے علاوہ اور علیحدہ شامل تھے جو چبوترۂ کوتوالی پر لیے جاتے تھے۔

اورنگزیب کے عہد میں تالیف شدہ ایک اور انتظامی بیاض میں جو تعریف ملتی ہے وہ یہ ہے کہ مال اصلی محصول کو کہتے ہیں اور مال کا تخمینہ لگانے کے سلسلے میں جو اخراجات وارد ہوئے' ان کے بقدر جو رقم علیحدہ وصول کی جاتی ہے' اس رقم کو جہات کہتے ہیں[۵]۔ اس موقعہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ جو تعریف خلاصۃ السیاق میں جہات کی ملتی ہے وہی مفہوم یہاں بھی جہات کا ہے۔ البتہ مذکورہ بیاض میں جہات کی نوعیت کو متعین کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اورنگزیب کے عہد تک آتے آتے جہات کا مفہوم وہ نہیں رہ گیا تھا جو آئین میں بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب تھوڑا بہت بدل گیا تھا۔ مذکورہ بالا دستور العمل عملائی' میں مال اور جہات کی تعریفوں کے بعد ایک تیسری اصطلاح سائر الوجوہ[۶] کی تعریف ملتی ہے۔ جس کے ذیل میں وہ محصولات مراد ہیں جو مال و جہات سے علاوہ وصول کیے جاتے تھے۔ یہی ہم نے سیاقنامے میں پڑھا ہے کہ مال و جہات کے علاوہ تمام وصولیابی سائر الوجوہ کے عنوان کے تحت دکھائی جاتی تھی[۷]۔ مگر یہ در اصل آئین

---

۳ چبوترہ: لفظی اعتبار سے ایک بلند جگہ جو مٹی یا اینٹوں سے اونچی بنا دی گئی ہو۔ در اصل عوام کوتوال کے دفتر کو اس نام سے یاد کرتے تھے۔

۴ خلاصۃ السیاق 13 ب، سیر جہات کی تعریف کے لیے مزید ملاحظہ ہو فرہنگ کاردانی' 34 ب۔

۵ دستور العمل عملائی 20 الف

۶ ایضاً 28 الف ۷ سیاقنامہ صفحہ 307،

کی تعریف کے مطابق سائر جہات ہے۔ اس کی تائید 'خلاصۃ السیاق' کے متن سے بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ عنوان کے تحت وہ محصولات مراد ہیں جو بازار میں اور چبوترۂ کوتوالی پر لیے جاتے تھے۔ اگر ہم فقط تعریفوں پر اعتبار کریں تو سائر جہات اور سائر الوجوہ کو ایک سمجھنے کا قطعی جواز نظر آتا ہے۔ مگر مندرجہ بالا مآخذ میں سائر الوجوہ کی تعریف کے بعد جو بیان ہے اس کی وجہ سے دونوں اصطلاحوں کو ایک سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ 'دستور العمل مجملائی' میں سائر الوجوہ کی تعریف کے بعد ایک مفصل فہرست قابل محصول اشیاء کی دی ہوئی ہے[7] اور ان کو مختلف ذیلی عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے، مثلاً حاصل سائر، بازیافت، سائر جہات وغیرہ۔ ان کے علاوہ ایک ذیلی عنوان اور ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔[8] مذکورہ متن پر غور کرنے اور دونوں مآخذ میں[9] دی ہوئی قابل محصول اشیاء کو نظر میں رکھنے سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مذکورہ مآخذ کے بیانات کی رو سے سائر الوجوہ وہ محصولات تھے جن کو کروڑی مال و جہات سے علاوہ وصول کرتا تھا۔ اور یہ کہ سائر الوجوہ کی مزید تقسیم ذیلی عنوانات کے تحت ہوتی تھی جن میں سائر جہات یا سائر الجہات بھی شامل تھا۔ دستور العمل مجملائی میں دوسرے ذیلی عنوانات کی اشیائے قابل محصول کا حوالہ ہے مگر سائر جہات کے تحت آنے والی چیزوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بہرحال ایک مختصر عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سائر الجہات کی مد میں جو اشیائے قابل محصول آتی ہیں وہ دراصل مال و جہات والی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ محصولات جو سائر جہات کہلاتے تھے وہ مال و جہات کے تخمینے اور وصولیابی کے سلسلے میں لیے جاتے تھے۔ اس نتیجے کی براہ راست تصدیق موضع گنیش پور کے حسابات تخمینہ کے ضمن میں دی ہوئی 'سیاقنامے' کی شہادت سے ہوتی ہے۔[10] مذکورہ شہادت میں یہ بات صاف ہے کہ سائر جہات، جیسا کہ ہم مفصل جانچ کریں گے، دیہاتی اور زرعی علاقوں میں نافذ ہونے والا محصول تھا اور اس کا مال و جہات سے قریبی تعلق تھا۔[11] لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آئین میں سائر جہات

---

[7] دستور العمل مجملائی، 28 ب۔ 29 الف

[8] دستور العمل مجملائی 28 الف۔ 29 الف۔ سیاقنامہ صفحہ 307، سیاقنامے میں سائر الوجوہ کے تحت جو ذیلی عنوان ہیں وہ یہ ہیں: پیشکش، خزانۂ مخفی، بیت المال، حاصل باغات، بازیافت۔

[9] دونوں مآخذ یعنی دستور العمل مجملائی اور سیاقنامہ میں جو قابل محصول اشیاء مشترک طور سے دی ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں: 1۔ پیشکش جو کروڑی نے وصول کی، 2۔ جو چیز زمین پر پڑی ہوئی ملی یا زمین کے اندر سے نکالی گئی۔ 3۔ صاحبانِ منصب کی وفات کے بعد ضبط شدہ املاک، 4۔ لاوارثی املاک۔ 5۔ چکی۔ 6 باغات۔ 7 دکان 8۔ بازار

[10] سیاقنامہ صفحہ 33، 34

ہونے والا محصول تھا اور اس کا مال وجہات سے قریبی تعلق تھا[11] لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آئین میں سائر جہات سے مراد وہ تمام محصولات ہیں جو مال وجہات سے علاوہ لیے جاتے تھے، مگر اورنگزیب کے عہد میں سائر جہات یا سائر الجہات ایک زرعی محصول ہو جاتا ہے، جس کا مال وجہات کے محصول سے قریبی تعلق ہے۔ دوسری طرف سائر الوجوہ کا مطلب وہ محصولات ہیں جو مال وجہات سے علاوہ عائد کیے گئے، اور سائر جہات غالباً سائر الوجوہ کا ایک حصہ یا اس کا ذیلی عنوان معلوم ہوتا ہے۔

موضع گنیش پور کا حساب تخمینہ نہ فقط مذکورہ محصولات سے متعلق ہمارے نتیجے کی تائید کرتا ہے بلکہ اس سے ان تینوں محصولات، یعنی مال وجہات اور سائر جہات کے درمیان جو رشتہ تھا وہ بھی واضح ہوتا ہے نیز اس شہادت کی مدد سے ہم مالگذاری کے مطالبے کی وسعت کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔ موضع گنیش پور کے خسرہ ضبط[12] اور جمع واصلی[13] سنہ 1104 فصلی کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف اجناس مزروعہ کا رقبہ بشمولیت اس رقبے کے جو دوبارہ زیر کاشت لایا گیا کل 34 بیگھہ 15 بسوہ تھا۔ موضع کا پورے سال کا مجموعی تخمینہ مع خریف[14] و ربیع[15] کی فصلوں کے مبلغ 106 روپے 9 آنے پر مشتمل تھا۔ مختلف عنوانات یعنی مال، جہات، اور سائر جہات کے تحت جمع یعنی مالگذاری کے مطالبے کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مال	مبلغ 88 روپے $2\frac{1}{2}$ آنے	مال و جہات	مبلغ	92	روپے	10 آنے
جہات	" 9 " $7\frac{1}{2}$ "					
سائر جہات ...		....	....	"	13 "	15 "
		میزان کل	"	106	"	9 "

حسابات کے معائنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جنس پر مال کا تخمینہ مختلف شرح سے مقرر ہوتا تھا، مگر

---

[11] ملاحظہ ہو مالگذاری ریکارڈ صفحہ 260، پانچویں کمیٹی کی رپورٹ ج 2، صفحہ 742

[12] سیاقنامہ صفحہ 32 - 33

[13] " صفحہ 33 - 34

[14] خریف: وہ فصل جو بارش کی شروعات سے پہلے اپریل مئی میں بوئی جاتی ہے اور بارش کے بعد اکتوبر نومبر میں کاٹی جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو ولسن، حاشیہ)

[15] ربیع: بہار کی فصل، یعنی وہ فصل جو بارش کے بعد بوئی جاتی ہے، اور سال کے ابتدائی تین چار مہینوں میں کاٹی جاتی ہے۔ (ولسن، حاشیہ)

جہات کا تخمینہ فقط دو عنوانات یعنی جریبانہ[16] اور دہ نیمی' مبلغ 5 فیصدی کی شرح سے لگایا جاتا تھا۔ حساب کی کتاب میں مال کی رقم مبلغ 88 روپے ½2 آنے دی ہوئی ہے۔ اس پر پانچ فیصدی خرچے کا حساب لگایا جائے تو کم و بیش مبلغ 4 روپے ½7 آنے ہوتا ہے۔ یہی رقم مذکورہ حسابات تخمینہ میں جہات کی مد میں دی ہوئی ہے۔ لہٰذا اب ہمارے پاس حتمی شہادت یہ دکھانے کے لیے ہو گئی کہ جہات کا محصول مال یعنی پیداوار میں سرکاری حصے کے تخمینے پر حساب لگا کر لیا جاتا تھا۔ جہات کی نوعیت کے بارے میں اس نتیجے اور قیاس کی تائید مذکورہ بالا مآخذ میں دیے ہوئے شواہد سے قطعی طور پر ہوتی ہے۔ حسابات تخمینہ میں سائر جہات کی رقومات خریف اور ربیع سے متعلق علیحدہ دی ہوئی ہیں۔ اور پتہ یہ چلتا ہے کہ ان کا حساب ۱۵ فیصدی کی شرح سے لگایا گیا ہے۔ چنانچہ مبلغ 92 روپے ۱۵ آنے مال و جہات کا پندرہ فیصدی مبلغ 13 روپے ۱۶ آنے آتا ہے۔ یہی وہ رقم ہے جو سائر جہات تخمینے کی مد میں دکھائی گئی ہے۔ واضح یہ ہوا کہ سائر جہات سے مراد ایسی رقم ہے جو مال و جہات کے تخمینے کو سامنے رکھ کر دیہاتی اور زراعت پیشہ برادری سے وصول کی جاتی تھی۔ اغلب ہے کہ یہ رقم مال و جہات محصولات کی وصولیابی کے دوران ہونے والے خرچ کو پورا کرنے کی غرض سے لی جاتی ہو۔ ہمارے پیش نظر جو حساب ہے اس میں ایسی اشیائے قابل محصول کا کوئی ذکر نہیں جو سائر جہات کے تحت آتی تھیں۔ اس کے لیے ہمیں کہیں اور دیکھنا پڑے گا۔

سیاقنامے کے اندر ایک دوسری شہادت اس قسم کی موجود ہے جس میں سائر جہات کے تحت آنے والی اشیائے قابل محصول کا حوالہ ہے۔ پرگنہ فتحپور کی وصولیابی اور خرچے کا حساب اس مسئلے پر تھوڑی سی روشنی ڈالتا ہے[18]۔ یہاں پر وصولیابی تین عنوانات کے تحت دکھائی گئی ہے۔ جن میں سائر الوجوہ کا عنوان بھی شامل ہے۔ موخر الذکر کے ذیل میں چند اشیائے قابل محصول دی ہوئی ہیں، اور جو محصول ان میں سے ہر ایک پر عائد ہوا اس کی رقم دی ہوئی ہے۔ مذکورہ سائر الوجوہ کی وصولیابی کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ بحث کے جملہ نکات واضح ہو جائیں[19]۔

---

[16] سیاقنامہ، صفحہ 62 - 65

[18] سیاقنامہ، صفحہ 62 - 64

[19] سیاقنامہ، صفحہ 64

سائر الوجوہ (حسب تفصیل ذیل)	.....	مبلغ 697 روپیہ
اشیائے قابل محصول		رقم
صادر و وارد[20]		مبلغ 300 روپیہ
شحنگی[21] و پٹہ[22] داری		" 125 " (126)
طلبانہ[23]		" 200 "
صرف سکہ[24]		" 71 "
میزان کل[25]		" 696 " (697)

20 صادر و وارد : لفظی معنوں میں وہ لوگ جو موضع میں آئے گئے۔ اصطلاحی طور سے وہ محصول جو موضع کے اندر آنے والے مثلاً مسافر، اجنبی، تیرتھ یا مذہبی مقصد سے گذرنے والے سیاحوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ (ملاحظہ ہو مالگذاری ریکارڈ صفحہ 260) غالباً یہ وہی محصول ہے جس کو کہیں اور میہمانی کے نام سے یاد کیا گیا ہے (سیاقنامہ صفحہ 79) پانچویں کمیٹی کی رپورٹ ج 2 صفحہ 472

21 شحنگی : وہ محصول جو شحنے کی اجرت کی ادائیگی کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔ شحنہ دراصل فصلوں کی نگرانی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

22 پٹہ داری : پٹہ دار محکمہ مالگذاری کا ایک حاکم جس کا حق بے باق کرنے کے لیے اس نام سے محصول عاید ہوتا تھا۔

23 طلبانہ : مالگذاری کے دیگر اہلکاروں کا حق، جو رسیدات وصولیابی وغیرہ کے لیے ملازم ہوتے تھے۔ (دیوان پسند صفحہ 37، 38، فرہنگ کاردانی 37 الف، چہار گلزار شجاعی 94 ب دستور العمل بکیس 29 ب، 30 الف، دستور العمل مجلائی 46 الف۔ 47 ب، مالگذاری ریکارڈ صفحہ 260) دیوان پسند کے مولف کی شہادت کے مطابق سوار کو مبلغ 2 روپیہ چار آنہ اور پیادے کو مبلغ 2 آنہ یومیہ کے حساب سے ادا کیا جاتا تھا۔

24 صرف سکہ : اس کو بٹہ بھی کہتے تھے۔ اگر ادائیگی معیاری سکے کے ذریعے نہیں کی گئی تو ایک خاص شرح فی روپیہ کے حساب سے کچھ زیادہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس لیے کہ سکے کا وزن کم ہونے کا امکان تھا (مالگذاری ریکارڈ 260)

25 دراصل میزان مبلغ 696 روپیہ آتی ہے۔ البتہ حساب میں مبلغ 697 روپیہ دی ہوئی ہے۔ یہ ایک روپیہ کی غلطی ممکن ہے کتابت کے نتیجے میں وارد ہوئی ہو۔

اوپر دیے ہوئے محصولات کی نوعیت پر غور کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صرف بٹہ کے علاوہ، جو کہ اصل معیاری سکے میں مطالبہ ادا نہ کرنے کی صورت میں عائد ہوتا تھا، باقی تینوں محصول خالصاً دیہاتی اور زراعتی ماحول سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض رقومات ان لوگوں کو دینے کے لیے وصول کی جاتی تھیں جو مالگذاری کی وصولیابی کے سلسلے میں ملازم اور تعینات رہتے تھے، مثلاً طلبانہ، شحنگی، اور ٹپہ داری کے محصول۔ صادر و وارد کے نام سے جو رقم وصول ہوتی تھی، جس کو کہیں دوسری جگہ مہمانی[26] کہا گیا ہے، وہ مسافروں اور اجنبی لوگوں وغیرہ کی خاطر تواضع کے لیے نامزد تھی[27]۔

یہ نتائج 'پانچویں روئیداد (رپورٹ) میں موجود دستاویزی شہادت کے ملاحظے سے سامنے آتے ہیں اور ثابت ہوتے ہیں۔ روئیداد مذکور کے اندر صوبہ بنگال میں واقع پرگنہ اکبر شاہی کی جمع[28]

---

26. سیاقنامہ صفحہ 78 ، 79 ، پانچویں رپورٹ ج 2 صفحہ 742

27. پانچویں رپورٹ ج 2 صفحہ 742 ، دستور العمل جملائی 46 الف ب ، 47 الف

28. طومار جمع ، بشمولیت مال و جہات ، یعنی آراضی پر مقرر مالگذاری اور سائر جہات یعنی پرگنہ اکبر شاہی سرکار اودمبر صوبہ بنگال کی متعدد اور متفرق اشیائے منقولہ پر وارد شدہ محصول بابت سنہ 1691/1098

135	5	10	....	....	....	مواضعات
15	-	—	---	----	----	محالات
150	5	10				

جمع یا تخمینہ جوبات یا محصولات مثلاً۔

15 - 507 - 8 - 9	414 - 6 - 2	2 - 8 - 0	دامی فیصدی
	258 - 15 - 11	1 - 9 - 0	نوطہ داری
	207 - 2 - 15	1 - 4 - 0	دیہہ داری
	880 - 8 - 8	5 - 5 - 0	فیصدی

سنہ 1691ء کو نقل کیا گیا ہے۔ طومار جمع یا حسابات تخمینہ کے ضمن میں جو یادداشت درج ہے اس میں کہا گیا ہے کہ حسب ہذا میں مال وجہات اور سائر جہات شامل ہیں۔ اس حساب کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سائر جہات سے مراد وہ رقم ہے جو اصل مال وجہات کے تخمینے سے علاوہ وصول کی گئی؛ اور یہ محصول خاصا دیہاتی اور زراعتی ماحول سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرے یہ محصول مذکورہ ایک خاص فیصدی شرح کے حساب سے مال وجہات کو سامنے رکھ کر عائد کیا جاتا تھا۔ ایک قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ سیاقنامے میں جو فیصدی حساب دیا ہوا ہے وہ دراصل عام شرح ہے۔ مگر پانچویں کمیٹی کی رپورٹ میں جو دستاویز نقل کی گئی ہے اس میں ہر جنس کے محصول کی شرح علیحدہ کھول دی گئی ہے۔ دستاویز مذکور میں جن محصولات کا حوالہ ہے وہ ہیں دامی[29]، فوطہ[30] داری، دیہہ[31] داری، ٹکی[32]، بیہائی[33] کاغذ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

ٹکی فیصد	1-0-0	165-11-14	
بیہائی کاغذ (کاغذ کی قیمت)	0-1-12	16-9-2	
	1-1-12	182-4-16	1062-13-4
		میزان	16-570-5-13

نیز یا مندرجہ بالا میزان پر اضافی محصول

تصور فیصدی	15-0-0	2485-10-5
فوطہ داری	0-8-0	97-4-17
ہوا	1-9-0	304-1-15
	17-1-0	2887-0-7
میہانی	--------	48-10-0
میزان حبوب یا محصولات		3998-13-11
میزان جمع		19506-6-0

[29] دامی: ایک دام فی بیگھہ کے حساب سے منافع جو زمیندار لیتا تھا۔

[30] فوطہ داری: وہ محصول جو فوطہ دار کے دفتر میں دیا جاتا تھا۔

[31] دیہہ داری: موضع میں تعینات سرکاری اہلکاروں وغیرہ پر خرچ کرنے کے لیے جو محصول رعیت سے لیا جاتا تھا۔

[32] ٹکی: بنگال میں ایک روپیہ بطور حق پائی لیا جاتا تھا۔

[33] بیہائی کاغذ: دفتروں میں کاغذ قلم دوات پر خرچ کرنے کے لیے اہل موضع سے جو محصول لیا جاتا تھا۔

قصور[84]، اور میہانی[85]۔ ان محصولات کی نوعیت کو دیکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بیشتر رقومات مالگذاری کی وصولیابی کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات کو نمٹانے کی غرض سے وصول کی جاتی تھیں۔ یا پھر ایسے خرچ کی ادائیگی مقصود ہوتی تھی جو زراعتی برادری کی مشترکہ ذمہ داری شمار ہوتا تھا۔

شمالی مغربی صوبوں کے کاغذات مالگذاری (ریکارڈ) میں جو شہادت ملتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مزروعہ آراضی پر کچھ محصولات عائد تھے جو بعض ضلعوں میں اصل تخمینے کے ایک چوتھائی کے برابر تھے ابتدائی زمانے میں انگریز حکام نے ان محصولات کو سائر جہات نہیں کہا بلکہ ان کی نوعیت کے پیش نظر ان کو دیہاتی اخراجات کے عنوان کے تحت رکھا چونکہ مذکورہ بالا ریکارڈ کے ایک اقتباس میں تفصیل سے ان محصولات کا حوالہ موجود ہے اور ان میں سے چند کی تعریف بھی واضح الفاظ میں کی گئی ہے، لہٰذا اس کا نقل کرنا بیجا نہ ہوگا عبارت اس طرح ہے: "پٹے میں درج مقرّرہ رقم کے علاوہ کاشتکار بعض دوسرے مطالبات بھی زمیندار کو ادا کرتا تھا جو دیہاتی اخراجات کی مد میں آتے تھے، اور تقریباً پٹے کی مقررہ رقم کے ایک چوتھائی کے برابر ہوتے تھے، خیال ہے کہ رقم مذکورہ کسی حالت میں اس سے اوپر نہیں جاتی تھی اور جو مقصد اس کی وصولیابی کا تھا اس کے لیے بالکل کافی ہوتی تھی۔ اس رقم میں پٹواری یعنی موضع کے منشی کا حق، بٹّہ یعنی معیاری سکّے میں ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں کچھ فالتو رقم، پیمائش پر وارد ہونے والے اخراجات، شحنہ یعنی فصلوں کے نگراں کا حق، طلبانہ، یعنی مالگذاری کی وصولیابی سے متعلق اہلکاروں کا حق، موضع سے گزرنے والے مفلس مسافروں، فقیروں اور برہمنوں کا خوراک پانی، کلکٹر، تحصیلدار اور ان کے عملے وغیرہ کو، جن کے ماتحت پرگنے میں زمیندار کی املاک واقع تھیں، اور کچھ مقامی پولیس کے حاکموں کو، زمیندار کی طرف سے چند روپیہ کے تحفے سوغات وغیرہ، غرض کہ اس قسم کے جملہ اخراجات شامل تھے۔"[86]

اوپر جو عبارت نقل کی گئی اوّل تو اس سے ایسے محصولات مثلاً طلبانہ، شحنگی اور روہ جن کو فارسی دستاویزوں میں صرف بٹّہ اور صادر و وارد کہا گیا ہے واضح ہو جاتے ہیں اور ان کی کیفیت سمجھ میں

---

[84] قصور: وضع اور تخفیف۔

[85] میہانی: مغل حکومت کے تحت زمیندار، مالگذاری میں سے ایک خاص رقم وضع کرنے کا مجاز تھا۔ یہ رقم موضع میں وارد ہونے والے مسافروں یا مہمانوں وغیرہ پر خرچ کی جاتی تھی۔ (ملاحظہ ہو ولسن حاشیہ)

[86] شمالی مغربی صوبوں کے مالگذاری ریکارڈ، صفحہ ۲۰۰

آتی ہے۔ دوسرے عبارت مذکورہ سے اس بات کی قطعی تائید ہوتی ہے کہ بعض دیہاتی اور زرعی محصولات ایسے تھے جو اصل تخمینے سے علاوہ لیے جاتے تھے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اقتباس ہذا کی رو سے پیمائش سے متعلق خرچے کا محصول بھی دیہاتی اخراجات کی فہرست میں شامل ہے۔ درحالیکہ فارسی دستاویزوں میں اس کو اصل تخمینے پر علیحدہ مطالبے کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے۔ ایک بات یہ کہ اقتباس میں پولیس اور نگرانی سے متعلق محکمے کی ادائیگی کے محصول کا حوالہ بھی موجود ہے جو کہ پہلے محکمۂ فوجداری کہلاتا تھا۔ اگرچہ جن ماخذ کا ہم نے مطالعہ کیا ہے ان میں سائر جہات کے ذیل میں اس محصول کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کو یا تو مقامی تغیر و ترمیم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یا یوں سمجھئے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ انتظامی دستور اور عملدرآمد میں جو تبدیلیاں آئیں ان کا نتیجہ تھا۔

ضمیمہ د

دیوانِ صوبہ تعیناتی کے وقت پچھلے دیوان سے مندرجہ ذیل کاغذات وصول کرتا تھا۔

۱ - خالصہ محالوں کے طومار جن پر امینوں، قانونگویوں اور زمینداروں کی مہریں ثبت ہوتی تھیں۔

۲ - پائے باقی محالوں سے متعلق کاغذات۔

3 - پرگنے کے فوطہ خانے سے متعلق دستور العمل۔

4 - وہ کتابیں جن کے اندر ہر پرگنے میں کنوؤں کی تعداد درج ہوتی تھی، اور ان پر قانونگویوں کی مہر ہوتی تھی۔

5 - محال جاگیر کی کتابیں جن کے اندر وزارت مال کی طرف سے تفویض شدہ جاگیروں کی تفصیل درج ہوتی تھی۔

۶ - خزانے سے متعلق عرضداشتیں، جن پر کروڑیوں اور فوطہ داروں کی مہریں ہوتی تھیں۔

7 - محال سائر سے متعلق کاغذات، جن پر امین اور داروغہ اور مشرف کی مہریں ہوتی تھیں، اور آمد خرچ کا روزنامچہ۔

8 - وہ طومار جن میں برخاست شدہ عاملوں کے نام پر برآمد درج ہوتی تھیں اور ان پر امین اور داروغہ کی مہریں ہوتی تھیں۔

۹ - عاملوں کی ضمانت کے تمسک۔

۱۰ - وہ کتابیں جن میں زمینداروں کے اوپر واجب الادا پیشکش کا اندراج رہتا تھا۔

۱۱ - عامل کے حسابات کی جانچ اور معائنے کی نقلیں جو وزارت مال میں تیار ہوتی تھیں۔

۱۲ - عاملوں اور دیگر حکام کے نام جاری شدہ پروانوں کی نقلیں۔

13 - خزانۂ عامرہ (شاہی خزانہ) کی آمد خرچ کے اندراج پر مشتمل کتابیں۔

14 - وہ کتابیں جن میں نقدی منصبداروں، ماہیانہ داروں اور روزینہ داروں کی تنخواہ کے مطالبات کا اندراج رہتا تھا۔

15۔ قید خانے کی کتاب جس میں دیوان کی عدالت سے سزایاب مجرموں کی تفصیل درج رہتی تھی۔

16۔ دیوان صوبہ کے دفتر میں مندرجہ ذیل کاغذات تیار کیے جاتے تھے:۔

(1) وہ کتاب جس میں دیوان صوبہ کے دفتر سے جاری شدہ احکامات اور ان کے جواب کا اندراج رہتا تھا۔

(2) آمد خرچ کے حساب اور عوارجہ پر مشتمل کاغذ جس پر کروڑی مہر ثبت کرتا تھا۔

(3) پرگنوں کے دستور العمل جن کے اندر مال، جوہات، اور سائر جہات کے عنوانات قائم کر کے ہر ایک کے تحت تخمینہ دیا ہوا ہوتا تھا۔

(4) موجودہ حکمران کے عہد کی ابتدا سے پرگنوں کا موازنہ، جس پر قانونگویوں کی مہر ہوتی تھی۔

(5) وہ کتابیں جن کے اندر چودھریوں، قانونگویوں، اور مقدموں وغیرہ کو دیے گئے انعام اور نانکار عطیات کا اندراج رہتا تھا۔

(6) چیزوں کے نرخ کی فہرست، جس پر نرخ نویس کی مہر ہوتی تھی۔

(7) خزانے سے متعلق کتاب؛ جمع اور مجمل پر مشتمل طومار۔

موخر الذکر میں آمد خرچ کی مختصر کیفیت درج ہوتی تھی، اور ان پر امین اور مُشرف کی مُہریں ہوتی تھیں۔

(8) پرگنوں سے جو کاغذات وزارت مال کو بھیجے گئے، اور جن پر بھیجنے والوں کی مہر ثبت ہوتی تھی، ان کی فہرست۔

(9) جن عاملوں کا تقرر عمل میں آیا اور جو معزول ہوئے ان کی فہرست۔

(10) عاملوں اور زمینداروں کے نام پر حکومت کے مطالبات کی کیفیت یعنی عوارجہ۔

(11) وہ کتاب جس کے اندر اجمالی طور سے گذشتہ برسوں کی بقایاجات کا اندراج رہتا تھا۔

(12) عاملوں اور دیگر حکام کے خطوط اور عرضداشتیں جو پرگنوں سے موصول ہوتے تھے۔

(13) وہ کتاب جس میں آئمہ کے عطیات کی کیفیت اور تفصیل ہوتی تھی۔ اس میں فرامین اور وزارت مال کی طرف سے جاری شدہ پروانوں کی نقل بھی قلمبند کی جاتی تھی۔

(14) صوبے میں تعینات منصبداروں کی فہرست۔

(15) صوبے میں واقع ٹکسالوں کی تفصیل سے متعلق کتاب۔

ضمیمہ ۵

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
بنگال	آئین اکبری	1595-96ء	59,84,59,399
	بادشاہ نامہ	1646-47ء	50,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	52,46,36,104
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	45,78,58,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	52,46,36,240
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس عالمگیر	17,28,41,000
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	17,28,41,000
	دو علم نویسندگی	1711ء	72,71,91,000
	معلومات الآفاق	1713ء	52,37,39,110
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	46,29,10,515
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	49,29,10,515
اڑیسہ	آئین اکبری	1595-96ء	-
	بادشاہ نامہ	1646-47ء	20,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	18,41,00,000
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	12,55,80,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	-
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	17,28,41,000
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	17,28,41,000

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
	درعلم نویسندگی	1711ء	19,20,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	19,71,00,000
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	18,97,70,590
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	17,18,41,000
بہار	آئین اکبری	1595-96ء	22,19,19,404
	اقبالنامہ	1605ء	26,27,24,167
	بادشاہ نامہ	1646-47ء	40,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1738-58ء	39,43,44,522
	دستور العمل عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	54,53,00,935
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	42,71,81,000
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	39,43,44,532
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	39,43,44,532
	درعلم نویسندگی	1711ء	37,32,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	37,17,97,019
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	37,17,30,300
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	39,43,44,532
اودھ	آئین اکبری	1748ء	20,19,58,172
	اقبالنامہ	1595-96ء	22,98,65,014
	بادشاہنامہ	1605ء	30,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1646-47ء	27,95,79,619
	دستور العمل عالمگیری	1638-50ء	30,39,82,859
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	32,13,17,119

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	47,95,79,619
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	27,95,79,619
	درعلم نویسندگی	1711ء	25,82,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	32,00,72,193
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	27,95,79,619
الہ آباد	آئین اکبری	1595-96ء	21,24,27,819
	اقبالنامہ	1605ء	30,43,55,746
	بادشاہنامہ	1646-47ء	40,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	42,23,46,627
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	52,78,81,196
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	45,65,43,278
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	42,23,36,622
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	42,23,46,628
	درعلم نویسندگی	1711ء	37,88,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	43,66,88,072
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	30,75,20,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	42,23,46,627
آگرہ	آئین اکبری	1595-96ء	54,62,50,304
	بادشاہنامہ	1646-47ء	90,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	96,12,67,000
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	1,36,46,02,117

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	1,14,17,00,157
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	-
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	96,12,57,015
	در علم نویسندگی	1711ء	1,00,90,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	1,05,17,09,283
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	97,56,93,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	96,12,66,805
دہلی	آئین اکبری	1595-96ء	60,16,15,555
	اقبالنامہ	1605ء	62,62,33,956
	بادشاہنامہ	1646-47ء	1,00,00,00,000
	دستور العمل شاہنشاہی	1638-50ء	1,22,29,50,137
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	1,55,88,39,107
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	1,22,23,50,137
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	1,22,19,50,137
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	2.22,19,50,137
	در علم نویسندگی	1711ء	78,20,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	1,16,83,98,263
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	94,93,45,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	1,22,29,50,137
لاہور	آئین اکبری	1595-96ء	55,94,58,423
	اقبالنامہ	1605ء	64,67,30,311
	بادشاہنامہ	1646-47ء	90,00,00,000

صوبہ	مآخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	89,30,39,339
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	1,08,97,59,776
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	89,89,32,170
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	89,30,39,039
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	99,30,37,519
	درعلم نویسندگی	1711ء	93,48,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	90,70,16,125
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	95,65,70,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	96,30,39,319
ملتان	آئین اکبری	1595-96ء	15,14,03,619
	اقبالنامہ	1605ء	25,39,64,173
	بادشاہنامہ	1646-47ء	28,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	21,98,02,368
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	33,84,21,718
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	21,43,49,896
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	21,77,02,418
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	21,98,02,718
	درعلم نویسندگی	1711ء	22,55,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	24,53,18,575
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	23,95,60,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	21,98,02,418
ٹھٹھہ	آئین اکبری	1595-96ء	—

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
	بادشاہنامہ	1646-47ء	8,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	6,01,388
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	8,92,30,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	6,88,16,810
	خلاصۃ السیاق	سال جلوس اورنگزیب	—
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	6,30,81,587
	درعلم نویسندگی	1711ء	9,28,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	9,49,86,900
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	4,51,95,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	6,30,81,388
کشمیر	آئین اکبری	1595-96ء	7,46,70,411
			7,29,21,976
	توزک جہانگیری	—	7,46,70,411
	بادشاہنامہ	1646-47ء	15,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	25,79,11,306
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	11,43,90,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	22,49,11,687
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	27,79,10,397
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	27,29,21,397
	درعلم نویسندگی	1711ء	14,02,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	21,30,74,826
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	12,62,85,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	27,79,21,397

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
کابل	آئین اکبری	1595-96ء	7,46,70,411
	بادشاہنامہ	1646-47ء	1,60,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	20,11,81,642
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	19,70,78,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	16,10,49,354
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	20,20,81,642
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	11,21,81,642
	درعلم نویسندگی	1711ء	13,09,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	15,76,25,380
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	19,24,18,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	20,21,81,642
اجمیر	آئین اکبری	1595-96ء	28,84,01,557
	اقبالنامہ	1605ء	30,99,17,724
	بادشاہنامہ	1646-47ء	55,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	60,29,80,270
	دستور العمل عالمگیری	1858-59ء	64,86,61,658
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	85,26,45,702
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	60,29,80,270
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	1,29,80,270
	درعلم نویسندگی	1711ء	87,00,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	63,68,94,800
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	—
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	60,29,80,270

صوبہ	مآخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
مالوہ	آئین اکبری	1595-96ء	24,06,95,052
	اقبالنامہ	1605ء	25,73,78,201
	بادشاہنامہ	1646-47ء	46,00,00,000
	دستورالعمل شہنشاہی	1638-50ء	40,83,46,925
	دستورالعمل عالمگیری	1658-59ء	39,85,00,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	40,39,80,658
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	40,83,46,718
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	40,83,46,713
	درعلم نویسندگی	1711ء	39,85,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	42,54,86,670
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	33,90,10,000
	دستورالعمل غلام احمد	1748ء	40,83,46,818
گجرات	آئین اکبری	1595-96ء	43,68,22,301
	اقبالنامہ	1605ء	46,91,59,624
	بادشاہنامہ	1646-47ء	53,00,00,000
	دستورالعمل شہنشاہی	1638-50ء	53,85,25,000
	دستورالعمل عالمگیری	1558-59ء	86,92,88,069
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	45,47,42,153
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	53,65,25,000
	حقیقت دامی	عہد بہادر شاہ	53,65,25,000
	درعلم نویسندگی	1711ء	53,00,00,000
	معلومات الآفاق	1713ء	44,83,83,096
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	46,51,50,000

صوبہ	ماخذ	تاریخ	رقومات جمع داموں میں
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	53,65,25,000
برار	آئین اکبری	1595-96ء	64,00,00,000
	بادشاہنامہ	1646-47ء	55,00,00,000
	دستور العمل شہنشاہی	1638-50ء	-
	دستور العمل عالمگیری	1658-59ء	92,65,46,000
	ضوابط عالمگیری	31-35 سال جلوس اورنگزیب	92,65,45,000
	خلاصۃ السیاق	41 سال جلوس اورنگزیب	92,65,45,000
	حقیقتہ دامی	عہد بہادر شاہ	92,65,45,000
	در علم نویسندگی	1711ء	63,50,00,000
	معلومات الآفاق	عہد محمد شاہ	95,00,00,000
	تاریخ شاکر خانی	عہد محمد شاہ	95,00,00,000
	دستور العمل غلام احمد	1748ء	92,65,45,000

کتابیات

تاریخیں (مخطوطات)

۱- نسخۂ دلکشا- بھیم سین - 1709 ء- برٹش میوزیم، ریو، ۱، Or. 23

2- منتخب التواریخ- جگجیون داس- 1121ھ 10-1709ء برٹش میوزیم، ریو، ۱
Add. 26253

3- جہاندار نامہ- نور الدین فاروقی 1128ھ 16-1715ء انڈیا آفس 3988

4- فرخ سیر نامہ- میر محمد احسن ایجاد 1125ھ/ 14-1713ء برٹش میوزیم ریو، ۱
Or. 25

5- ہفت گلشن محمد شاہی- محمد ہادی، کامور خان 1132ھ/20-1719ء برٹش میوزیم
ریو، ۱، Or. 1795

6- شاہنامۂ منور الکلام- شیو داس لکھنوی 1134ھ /22-1721ء برٹش میوزیم
ریو، ۱ Or. 26

7- فرخ سیر نامہ- محمد قاسم، عبرت حسین لاہوری 1135ھ/ 23-1722ء برٹش میوزیم
ریو، ۱ Add. 2645

8- تحفۃ الہندی- لال رام 1148ھ/ 36-1735ء برٹش میوزیم، ریو، ۱،
Add. 6584

9- تذکرۃ الملوک- یحییٰ خان- 1149ھ/ 37-1736ء انڈیا آفس، ایتھے 409

10- احوال الخواقین- محمد قاسم 1151ھ/ 39-1738ء برٹش میوزیم، ریو، ۱،
Add. 26244

11- تاریخ شاکر خانی- شاکر خاں (عہد محمد شاہ) برٹش میوزیم، ریو، ۱، Add. 6585

12- تاریخِ ہندی - رستم علی خاں 1154ھ / 1741-42ء برٹش میوزیم ریو III Or. 1628

13- منتخب از چہار گلزارِ شجاعی - ہرچرن داس 1199ھ / 1784-85ء برٹش میوزیم Or. 1732

تاریخیں (مطبوعات)

1- اکبرنامہ - ابوالفضل - 3 ج - کلکتہ 1873-1887ء

2- طبقاتِ اکبری - نظام الدین احمد - 3 ج - کلکتہ 1913ء، 27، 31-35

3- منتخب التواریخ - عبدالقادر بدایونی - 3 ج - کلکتہ 1869ء

4- توزکِ جہانگیری، جہانگیر، بتصحیح سید احمد، علیگڑھ - 1864ء

5- اقبالنامۂ جہانگیری، معتمد خاں - کلکتہ 1865ء

6- بادشاہنامہ - عبدالحمید لاہوری - 2 ج - کلکتہ - 1898ء

7- عملِ صالح - محمد صالح کنبوہ - 3 ج - کلکتہ - 1923، 1927، 1939ء

8- عالمگیرنامہ - منشی محمد کاظم - کلکتہ 1872ء

9- منتخب اللباب - خافی خاں - 2 ج - کلکتہ - 1868، 1874ء

10- سیر المتأخرین - غلام حسین طباطبائی - 3 ج - نول کشور، لکھنؤ 1884ء

11- ریاض السلاطین - غلام حسین سلیم - کلکتہ 1890ء

12- مرآۃ احمدی - علی محمد خاں، اورینٹل انسٹی ٹیوٹ بڑودہ، 3 ج، 1923ء

13- مآثر الامراء - شاہنواز خاں - 3 ج - کلکتہ 1888-91ء

انتظامی بیاضیں

1- آئینِ اکبری - ابوالفضل - مطبع نولکشور - 2 ج - لکھنؤ - 1893ء

2- دستور العمل شاہنشاہی - 1638-58ء برٹش میوزیم - ریو I Add. 22831

3- دستور العمل عالمگیری - بعد 1658ء - برٹش میوزیم، ریو I Add. 6599

4- ضوابطِ عالمگیری - بعد 1692ء - برٹش میوزیم، ریو، 3، Or. 1641

5- خلاصۃ السیاق، 1115ھ / 1703-4 سلیمان 143/ 10 4؛ سبحان اللہ ضمیمہ 15/ 900 مولانا آزاد لائبریری، علیگڑھ، برٹش میوزیم ریو II Add. 6588

6- فرہنگ کاردانی ، جگت رائے شجاعی 1090ھ/ 1679ء عبدالسلام 85/135 مولانا آزاد لائبریری۔مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

7- ہدایت القواعد۔ ہدایت اللہ بہاری، عہد فرخ سیر۔ عبدالسلام 149/379 مولانا آزاد لائبریری۔مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

8- معلومات الآفاق۔ امین الدین خاں۔ 1125ھ/1731ء۔ عبدالسلام 149//379 ۔ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

9- حقیقت ہندوستان۔ لچھمی نراین 1208ھ/ 1793ء فارسیہ اخبار 100 مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

10- حقیقت دامی و حاصلات ممالک محروسہ۔ مولف غیر معلوم۔ عہد بہادر شاہ سلیمان 900/21 مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

11- دامی و حاصل و مصافاتِ ممالکِ محروسہ غلام احمد۔ بعد 748 لو فارسیہ اخبار 126۔ مولانا آزاد لائبریری۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

مجموعۂ مکتوبات و دستاویزات

1- نگار نامۂ منشی۔ منشی ملک زادہ۔ 1098ھ/1692ء ۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

2- دستور العمل بیکس۔ جواہر مل بیکس۔ 1144ھ/1731ء۔ سبحان اللہ 4 /954 مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

3- رقعات عالمگیری ترتیب نجیب اشرف ندوی۔ دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

4- رقعات عالمگیری۔ کانپور۔

5- مکتوبات خانجہاں۔ گوالیار نامہ۔ عہد شاہجہاں مرتبہ جلال حصاری۔ برٹش میوزیم۔ یوڈا Add. 16859

6- دستاویزات الہ آباد، فرامین، پروانہ جات، بیعنامہ جات، کاغذات تصحیحہ و امور قضاوت وغیرہ عہد اکبر سے عہد محمد شاہ تک۔

7 - فرمانِ شاہی (1805 - 1577) عطیہ بنام تکایت مہاراج بمبئی - 1928ء
8 - منتخب دستاویزات عہد شاہجہانی - دفتر دیوانی ، حیدرآباد دکن - 1950ء
9 - دستور العلوم - صاحب رائے - 1100ھ / 1688ء ، مخطوط بوڈلین لائبریری
1400 (واکر 104) -

وقائع و اخبارات

1 - وقائع صوبہ اجمیر - عنایت اللہ - میر بخشی و اخبار نویس - 22 - 24 سال جلوس اورنگزیب (نقل نسخہ - شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)
2 - منتخب وقائع دکن - مرکزی دفتر آثار - حیدرآباد دکن
3 - اخبارات دربار معلیٰ - رائل ایشیاٹک سوسائٹی - لندن - 13 ج - تمام جلدوں میں سنہ وار تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے -

انتظام مالگذاری سے متعلق کتابیں

1 - رسالہ زراعت - 1750ء - مخطوطہ ایڈنبرا (صفحہ 123) 144
2 - رسالہ اصطلاحات مالگذاری - خواجہ یسین دہلوی - تالیف اٹھارویں صدی کے آخری زمانے کی ہے - برٹش میوزیم ، ریو ، Add. 6603 II
3 - بنگال میں انگریزوں سے قبل کے نظام کار سے متعلق روئیداد (فارسی میں) ترتیب رائے رایان و قانونگویان - 1777ء ریو I، Add. 6592 Add. 6586
4 - ہندوستان کے شمالی مغربی صوبوں میں رہنے والی اقوام سے متعلق یادداشتیں - ایچ - ایم - ایلیٹ - 2 ج - لندن 1869ء -
5 - برٹش انڈیا کی عدالتی اور مالگذاری اصطلاحات سے متعلق رسالہ - ڈبلو - ایچ - ولسن - لندن - 1875ء
6 - شمالی مغربی صوبوں کے منتخب مالگذاری ریکارڈ - 20-1818ء کلکتہ 1866
7 - تاریخ مالگذاری بنگال 1787-1769ء - آر - بی - رامسن بادتم - کلکتہ 1926ء

متفرق مخطوطات

1۔ مرآۃ الاصطلاح۔ آنند رام مخلص۔ اواخر عہد محمد شاہ۔ کتابخانہ انجمن ترقی اردو علیگڑھ

2۔ مخزن اخبار۔ سعادت خان 1205ء/ 91-1790ء الہ آباد (یوپی) ریاستی دفتر آثار۔ دستاویز 183

غیر ملکی سیاح

1۔ جہانگیر کا ہندوستان۔ فرانسیسکو پلیساریت۔ ترجمہ مورلینڈ اور گیل کیمبرج۔1925ء

2۔ برنیر کا سفرنامہ شرق الہند۔ فرانکو برنیر۔ طبع کلکتہ 1909ء۔

3۔ اودھ کا سفرنامہ سنہ 1850-1849ء۔ ڈبلو۔ ایچ سلیمان۔ ۲ ج۔ لندن

4۔ گلشن ہند یا اودھ کی تاریخ اور معاملات سے متعلق ابواب۔ ایچ۔ سی۔ ایرون B.A. Oxon لندن 1880ء۔

ثانوی ماخذ

1۔ عہد آخر کے مغل۔ ڈبلو۔ ایروین۔ کلکتہ 1922ء۔

2۔ مغل سلطنت کا زوال (ج ۱) جادو ناتھ سرکار 1932ء۔

3۔ مغل دربار کی پارٹیاں اور پالٹیکس 1704 - 1707ء۔ ستیش چندر علی گڑھ 1959

4۔ مغلوں کا انتظام۔ جادو ناتھ سرکار۔ کلکتہ۔ 1952ء

5۔ ہندوستانی مغلوں کی فوج۔ ڈبلو۔ ایروین۔ لندن 1903ء

6۔ مسلم ہندوستان کا نظام زراعت۔ ڈبلو۔ ایچ۔ مورلینڈ۔ سنٹرل بکڈپو۔ الہ آباد

7۔ مسلم حکومت کے انتظام کے چند پہلو۔ آر۔ پی۔ ترپاٹھی۔ الہ آباد 1936ء

8۔ مغل سلطنت کا مرکزی ڈھانچہ۔ ابن حسن۔ لندن 1936ء

9۔ مغلوں کی صوبائی حکومت (1858-1526ء) پی۔ سرن۔ الہ آباد۔

10۔ منصبداری نظام اور مغل فوج ۔ عبدالعزیز ۔ لاہور 1945ء

11۔ اکبر کے دربار میں پارسی ۔ جیون جی جمشید جی مودی ۔ بمبئی 1903ء

12۔ ہندوستان، اکبر کی وفات کے وقت ۔ ڈبلو ۔ ایچ ۔ مورلینڈ ۔ لندن 1920ء

13۔ اکبر سے اورنگزیب تک ۔ ڈبلو ۔ ایچ ۔ مورلینڈ ۔ لندن 1923ء

14۔ ہندوستان میں مغل سلطنت کے مالگزاری مآخذ، 1593 سے 1702ء تک ۔ ای ۔ ٹومس ۔ لندن 1871ء ۔

15۔ دہلی سلطنت کا انتظام ۔ اشتیاق حسین قریشی ۔ لاہور 1944ء

16۔ مالیات سے متعلق مسلمانوں کے نظریات ۔ نکولاس ۔ پی ۔ ایگنڈیس 1916ء

قابل حوالہ کتابیں اور رسالے

1۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۔ ایم ۔ ٹی ۔ ایچ ، ہادسمان وغیرہ 1937ء

2۔ اسلامک کلچر ج XVI، 1942ء

3۔ مجلہ رائل ایشیاٹیک سوسائٹی ، لندن 1936ء

4۔ مجلہ رائل ایشیاٹیک سوسائٹی ۔ لندن 1918ء

5۔ مجلہ مڈیول انڈیا سہ ماہی ۔ علی گڑھ ، ج 4 1961ء

ہماری مطبوعات

ابتدائی علم شہریت	ایس، این، چٹوپادھیائے / شریف الحسن نقوی	4/55
اسلامی تہذیب و تمدن	عمادالحسن آزاد فاروقی	14/=
اسلامی سماج	ریو بن لیوی / ڈاکٹر مشیر الحق	60/=
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو ایچ مورلینڈ / جمال محمد صدیقی	21/50
البیرونی کے جغرافیائی نظریات	ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی	11/=
انقلاب ۱۸۵۷ء (تیسری طباعت)	مرتب: پی۔ سی۔ جوشی	75/=
انقلاب فرانس (دوسری طباعت)	جے۔ ایم۔ تھامپسن / ڈاکٹر محمود حسین	140/=
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء	محمد اطہر علی / امین الدین	28/=
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	14/=
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	36/=
تاریخ آصفی	مرزا ابو طالب / ڈاکٹر ثروت علی	10/=
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	10/50
تاریخ تحریک آزادیٔ ہند (حصہ اوّل) (دوسری طباعت)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	103/=
تاریخ تحریک آزادیٔ ہند (حصہ دوم)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	زیر طبع
تاریخ تحریک آزادیٔ ہند (حصہ سوم)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	75/=

تحریک آزادیٔ ہند	ظہور محمد خاں	2/25
تحریک خلافت	قاضی محمد عدیل عباسی	65/=
ہندوستان میں مسلم حکومت کی اساس	اے، بی، ایم، حبیب اللہ ر مسعود الحسن	25/=
یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین (دوسری طباعت)	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	89/=
جدید ہندوستان کے معمار	آئی، سی، ایچ، آر ر ڈاکٹر قیام الدین احمد	14/=
جغرافیہ کی ماہیت اور اس کا مقصد	ایس۔ ڈبلیو وولرج ر انیس احمد صدیقی	19/=
جدید ہندوستان کے سماجی و سیاسی افکار	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	47/=
جنوبی ہند کی تاریخ زمانہ ما قبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک (دوسری طباعت)	آئی۔ سی۔ ایچ۔ آر ر آر۔ کے۔ بھٹناگر	114/=
چولا راجگان	شریمتی ریدمن سیٹھی	60/=
حکومت اور آئین	مترجم ڈاکٹر قیصر شمیم	2/=
حیدر علی (دوسری طباعت)	نریندر کرشن سنہار اقتدار حسین صدیقی	72/=
خلجی خاندان (دوسری طباعت)	کے۔ ایس۔ لال ر محمد یٰسین مظہر صدیقی	88/=
دکن کی قدیم تاریخ	پروفیسر یزدانی	49/=
دکن کے بہمنی سلاطین (تیسری طباعت)	ہارون خاں شیروانی ر رحم علی الہاشمی	88/=
رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہار کیلاش چندر چودھری	9/25

ریاست حیدرآباد میں جدوجہد آزادی (۱۸۰۰تا۱۹۰۰)	سید محمد جواد رضوی	20/=
سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ	محمد حبیب / بیگم افسر عمر سلیم خاں	13/=
سلطنت مغلیہ کا مرکزی نظام حکومت	ابن حسن / آئی۔اے۔ظلی	19/=
سویت یونین کا سیاسی نظام	ظفر امام	74/=
سفرنامہ فرنگ مسیر طالبی فی بلاد افرنجی	مرزا ابو طالب اصفہانی / ثروت علی	32/=
شہیدانِ آزادی (حصہ اوّل)	ڈاکٹر پی۔این۔چوپڑا / بھگوت سنگھ	113/=
شہیدانِ آزادی (حصہ دوم)	پی۔این۔چوپڑا / سید تفضل حسین	100/=
شیر شاہ سوری اور اس کا عہد	الکارنجن قانون گو / رام آسرا شرما	135/=
صوبائی خود مختاری کی ابتدا	ایس گومر / بشیشور پرشاد	12/50
ظہیر الدین محمد بابر (دوسری طباعت)	ایل۔ایف۔رش بروک ولیمز / رفعت بلگرامی	13/=
علی وردی اور اس کا عہد	کالی کنکر دتا / عبدالاحد خاں خلیل	30/=
قدیم ہندوستان کی تاریخ (دوسری طباعت)	راما شنکر ترپاٹھی	114/=
قدیم ہندوستان میں تعلیم	ڈاکٹر اے۔ایس۔الیکر / ابو یوسف	35/=
قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں (دوسری طباعت)	ڈی۔ڈی کوسمبی / بال مکند عرش ملیانی	73/=
قدیم ہندوستان میں شودر (دوسری طباعت)	ڈاکٹر رام سرن شرما / جمال الدین محمد صدیقی	82/=
مہاتما گاندھی	بی۔آر۔نندا / علی جواد زیدی	60/=
مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	ڈاکٹر ریاض احمد خاں شیروانی	37/=
مغل دربار کی گروہ بندیاں اور ان کی سیاست (دوسری طباعت)	ڈاکٹر ستیش چندر / ڈاکٹر قاسم صدیقی	22/=

مغلوں کا نظام مال گزاری (۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک)	نعمان احمد صدیقی / ایس۔نبی ہادی	9/=
مراد آباد۔ تاریخ اور صنعت	تاباں نقوی	12/=
منتخب دساتیر کا تقابلی مطالعہ	شجاع الدین فاروقی	65/=
ناوابستگی	پروفیسر رشید الدین خاں / ڈاکٹر ایس۔ایم۔مہدی	37/=
وادیٔ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں (دوسری طباعت)	سرور / زبیر رضوی	45/=
وجے نگر کے عہد میں نظام حکومت اور سماجی زندگی	ٹی۔وی مہالنگم / پروفیسر کے۔ نیل کنٹھ شاستری	41/=
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم / عثمان حیدر مرزا	11/=
ہندوستانی سرزمین اور عوام	نارائن گپتا / ایس۔ کے۔ سنگھ	2/=
ہندوستان کا شاندار ماضی (دوسری طباعت)	اے۔ایل۔ باشم / ایس۔ غلام سمنانی	145/=
ہندوستان کے دورِ وسطی کے مؤرخین	پروفیسر محب الحسن / مسرور علی ہاشمی	45/=
ہندوستانی خارجہ پالیسی کی بنیادیں	بمل پرساد / محمد محمود فیض	12/25
ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج	ڈاکٹر رفیق زکریا	46/=
ہندوستانی کتبوں کا مطالعہ	ڈی۔ سی۔ سرکار / ملیحہ سمیع الزماں	49/=
ہندوستانی مصوری ایک خاکہ (دوسری طباعت)	انیس فاروقی	130/=
ہندوستانی مصوری عہد مغلیہ میں (دوسری طباعت)	پرسی براون / عبید الحق	158/=
1 ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں (دوسری طباعت)	کنور محمد اشرف / قمر الدین	20/=